كشف المعنى عن سر أسماء الله الحسنى

تحقیق شده عربي متن

اسمائے الٰہیہ کے اسرار و معانی

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کشف المغنی عن اسماء اللہ الحسنی

Marfat.com

کشف المعنی عن سر أسماء الله الحسنیٰ
اسمائے الٰہیہ کے اسرار و معانی

تصنیف

شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی
الحاتمی الطائی الاندلسی

تحقیق و تدوین
ابرار احمد شاہی
سلطان عبدالعزیز المنصوب

اردو ترجمہ ابرار احمد شاہی

ابن العربی فاؤنڈیشن
www.ibnularabifoundation.com

Marfat.com

©۲۰۱۴ء | جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں۔

نام کتاب:	اسمائے الٰہیہ کے اسرار و معانی
تصنیف:	شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی الحاتمی الطائی الاندلسی
عربی متن:	ابرار احمد شاہی
تصحیح و نظر ثانی:	سلطان عبد العزیز المنصوب
اردو ترجمہ:	ابرار احمد شاہی
معاونت و پروف:	ملک ہمیش گل
ایڈیشن:	اول، اشاعت ۲۰۱۴
نشر و اشاعت:	ابن العربی فاؤنڈیشن
رابطہ:	0334-5463991, 0334-5463996
قیمت:	پاکستان میں -/Rs 999، انٹر نیشنل -/US $ 45

ابن العربی فاؤنڈیشن

www.ibnularabifoundation.com

0334-5463996

Marfat.com

انتساب

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾[الأعراف: 180] بیشک اللہ کے خوبصورت نام ہیں سو اِن ناموں سے اُسے پکارو، اور فرمایا: ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الإسراء: 17) چاہے اللہ کے نام سے پکارو یا الرحمن کے نام سے پکارو، اُسے جس نام سے پکارو تو اُس کے سب نام اچھے ہیں۔

اپنی اس کتاب کو ہم انہی اسما کے نام کرتے ہیں، جو بقول شیخ اسما کے اسما ہیں، کائنات کی ابتدا ہیں اور نسبتوں کی جا ہیں۔ یہ جامعیت کی نسبت سے ذات پر دلالت کرتے ہیں لیکن انفرادی طور پر ہر اسم کا مفہوم جدا ہے۔

بقول شیخ یہی اسما اعیان کائنات ہیں کہ جب حق نے ان اسما کے اعیان کو دیکھنا چاہا تو کائنات کو ایجاد کیا۔ پھر کائنات میں ان کا اثر یوں ہے کہ ہر بندہ اسم الٰہی کے ظہور کی جا ہے، اور انہی اسما میں سے کوئی اسم اس کے حال پر حاکم ہے۔

انہی اسما سے تعلق، تحقق اور تخلق کا ہمیں حکم ہے، اور یہی اسما ہماری سعادت اور شقاوت کی راہ ہیں۔ یہی اسما حمد کے وہ پرچم ہیں جس سے اس ذات کی تعریف کی جاتی ہے اور یہی اسما باعث شفاعت ہیں۔ یہی اسما دنیا میں بھی ہماری ضروریات پوری کرتے ہیں اور یہی اسما آخرت میں باعث سعادت ہیں۔

ان سب کے جامع اسم اللہ اور اس کے نائب اسم الرب سے ہماری یہی التجا اور دعا ہے کہ وہ ہمیں ان کی حقیقی معرفت عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ابرار احمد شاہی

Marfat.com

فہرست

انتساب ۵
فہرست ۷
اظہار تشکر ۱۵
کشف المعنی؛ حالیہ اشاعت ۱۷
کتاب کا انتخاب ۱۷
عربی متن کی تحقیق ۱۸
ترجمہ ۱۹
مقدمہ ۲۰
حواشی ۲۰
اشاعتی معیار ۲۱
مقدمہ: اسما اللہ الحسنی ۲۵
اسماو کنایات ۲۶
اسمائے حسنی ۲۷
اسما کی ابتدا یا اصل ۲۸
اسمائے الہیہ ذات سے زائد وجودی اعیان نہیں ۲۹
پہلا اسم "الواحد الاحد" ۳۰
اِس پہلے اسم کی نسبت اور اثر ۳۱
اسما کے اعیان پر اثرات کی ابتدا ۳۲
معرفت اسمائے الہیہ ۳۲

اسمائے الٰہیہ کا علم اور ادب الٰہی کا تقاضا ۳۳
اسمائے الٰہیہ کی اقسام ۳۴
پہلی قسم: اسمائے ذات ۳۵
دوسری قسم: اسمائے صفات ۳۶
تیسری قسم: اسمائے افعال ۳۷
چوتھی قسم: اسمائے اشتراک ۳۷
اسمائے حسنیٰ کے مراتب ۳۸
اسمائے حسنیٰ کی جہت سے حاضرتِ الٰہیہ کا جدول (TABLE) ۳۹
جدول أسماء الذات (وہ اسما جو ذات پر دلالت کرتے) ۳۹
جدول أسماء الصفات (وہ اسما جو صفات پر دلالت کرتے) ۴۰
جدول أسماء الأفعال (وہ اسما جو افعال پر دلالت کرتے) ۴۰
قرآن وسنت میں وارد اسمائے الٰہیہ ۴۲
اسماء صفات اور نعوت میں فرق ۴۴
اسما ۴۴
اوصاف ۴۴
نعوت ۴۶
اسما کی دلالت ۴۶
اسمائے الٰہیہ سے کائنات کی ابتدا ۴۸
ظہور اعیان کے بعد ان کی بقا ۵۱
اسمائے الٰہیہ کا بندے پر حکم ۵۳
اسمائے الٰہیہ کی عدالت ۵۴
اسمائے الٰہیہ کی آپس میں فضیلت نہیں ۵۷
وجود اسم الٰہی کا مظہر اور مجلیٰ ہے ۵۸

Marfat.com

اسمائے کائنات بھی اسمائے حق ہیں ۵۹
اسمائے اسباب بھی اسمائے الٰہیہ ہیں ۶۰
حمد کے پرچم اور اسمائے الٰہیہ ۶۱
مخطوطات کشف المعنیٰ ۷۰
مخطوط اولو الجامع ۱۵۸۱ (رمز: ج) ۷۰
نسخہ فاتح ۵۲۹۸ (رمز: ف) ۷۱
نسخہ ینی جامع ۷۰۵ (رمز: ی) ۷۱
نسخہ فخر الدین خراسانی (رمز: خ) ۷۲
نسخہ مجلس شوری ملی (رمز: م) ۷۲
طبعہ پابلو بانیثو (رمز: ط) ۷۳

كشف المعنى عن سرّ أسماء الله الحسنى

(عربي متن + اردو ترجمہ + شرح)

قراءة في كتاب كشف المعنى ٦٣
منهج التحقيق ٦٩
[المُقدَّمةُ] ٨٧
معرفة الأسماء الإلهيّة على طريق التعلّق والتحقّق والتخلّق ٩٥
(١) الاسم: الله ٩٦
(٢) الاسم: الرحمن ١٠٠
(٣) الاسم: الرحيم ١٠٧
(٤) الاسم: المِلك ١١١
(٥) الاسم: القدّوس ١١٦
(٦) الاسم: السلام ١١٩

(۷) الاسم: المؤمن ۱۲۲
(۸) الاسم: المهيمن ۱۲۶
(۹) الاسم: العزيز ۱۲۹
(۱۰) الاسم: الجبّار ۱۳۳
(۱۱) الاسم: المتكبّر ۱۳۶
(۱۲) الاسم: الخالق ۱٤۱
(۱۳) الاسم: البارئ ۱٤۵
(۱٤) الاسم: المصوّر ۱٤۹
(۱۵) الاسم: الغفّار ۱۵۲
(۱٦) الاسم: القهّار ۱۵٦
(۱۷) الاسم: الوهّاب ۱۵۹
(۱۸) الاسم: الرزّاق ۱٦۲
(۱۹) الاسم: الفتّاح ۱٦۵
(۲۰) الاسم: العليم ۱٦۸
(۲۱) الاسم: القابض ۱۷۱
(۲۲) الاسم: الباسط ۱۷٦
(۲۳، ۲٤) الاسم: الخافض الرافع ۱۸۱
(۲۵، ۲٦) الاسم: المعزّ المذلّ ۱۸۵
(۲۷، ۲۸) الاسم: السميع البصير ۱۹۰
(۲۹) الاسم: الحَكَم ۱۹٤
(۳۰) الاسم: العدل ۱۹۹
(۳۱) الاسم: اللطيف ۲۰۲
(۳۲) الاسم: الخبير ۲۰۵

Marfat.com

(٣٣) الاسم: الحليم ٢٠٩
(٣٤) الاسم: العظيم ٢١٢
(٣٥) الاسم: الغفور ٢١٦
(٣٦) الاسم: الشكور ٢١٨
(٣٧) الاسم: العليّ ٢٢١
(٣٨) الاسم: الكبير ٢٢٤
(٣٩) الاسم: الحفيظ ٢٢٧
(٤٠) الاسم: المُقيت ٢٣١
(٤١) الاسم: الحسيب ٢٣٤
(٤٢) الاسم: الجليل ٢٣٨
(٤٣) الاسم: الكريم ٢٤٣
(٤٤) الاسم: الرقيب ٢٤٧
(٤٥) الاسم: المجيب ٢٥٠
(٤٦) الاسم: الواسع ٢٥٢
(٤٧) الاسم: الحكيم ٢٥٧
(٤٨) الاسم: الودود ٢٦٠
(٤٩) الاسم: المجيد ٢٦٣
(٥٠) الاسم: الباعث ٢٦٦
(٥١) الاسم: الشهيد ٢٦٩
(٥٢) الاسم: الحقّ ٢٧٢
(٥٣) الاسم: الوكيل ٢٧٦
(٥٤) الاسم: القويّ ٢٨٠
(٥٥) الاسم: المتين ٢٨٣

(٥٦) الاسم: الوليّ ٢٨٦

(٥٧) الاسم: الحميد ٢٩١

(٥٨) الاسم: المحصي ٢٩٦

(٥٩) الاسم: المبدئ ٢٩٩

(٦٠) الاسم: المعيد ٣٠٤

(٦١) الاسم: المحيي ٣٠٧

(٦٢) الاسم: المميت ٣١٢

(٦٣) الاسم: الحيّ ٣١٥

(٦٤) الاسم: القيّوم ٣١٨

(٦٥) الاسم: الواجد ٣٢١

(٦٦) الاسم: الماجد ٣٢٤

(٦٧) الاسم: الواحد ٣٢٦

(٦٨) الاسم: الصمد ٣٣٠

(٦٩) الاسم: القادر ٣٣٣

(٧٠) الاسم: المقتدر ٣٣٦

(٧١، ٧٢) الاسم: المقدِّم المؤخِّر ٣٣٩

(٧٣، ٧٤) الاسم: الأوّل الآخر ٣٤٢

(٧٥، ٧٦) الاسم: الظاهر الباطن ٣٤٥

(٧٧) الاسم: البرّ ٣٤٩

(٧٨) الاسم: التوّاب ٣٥١

(٧٩) الاسم: المنتقم ٣٥٤

(٨٠) الاسم: العفوّ ٣٥٦

(٨١) الاسم: الرءوف ٣٥٩

Marfat.com

(٨٢) الاسم: مالك الملك ٣٦٢
(٨٣) الاسم: ذو الجلال والإكرام........................ ٣٦٥
(٨٤) الاسم: الوالي........................ ٣٦٩
(٨٥) الاسم: المتعالي........................ ٣٧٢
(٨٦) الاسم: المقسط ٣٧٥
(٨٧) الاسم: الجامع........................ ٣٧٧
(٨٨، ٨٩) الاسم: الغنيّ المغني........................ ٣٨٠
(٩٠) الاسم: المانع ٣٨٤
(٩١، ٩٢) الاسم: الضارّ النافع ٣٨٨
(٩٣) الاسم: النور ٣٩١
(٩٤) الاسم: الهادي........................ ٣٩٥
(٩٥) الاسم: البديع ٣٩٨
(٩٦) الاسم: الباقي ٤٠٢
(٩٧) الاسم: الوارث........................ ٤٠٤
(٩٨) الاسم: الرشيد ٤٠٧
(٩٩) الاسم: الصبور........................ ٤٠٩
[ختام الكتاب]........................ ٤١٣

Marfat.com

اظہار تشکر

الحمدللہ آج ہم شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی کی کتاب «کشف المعنیٰ عن سر أسماء اللہ الحسنیٰ» تحقیق شدہ عربی متن، سلیس اردو ترجمے اور شرح کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ ہم اُس پاک ذات کے شکر گزار ہیں جس نے ہمیں اِس عمل صالح کی توفیق دی اور ایسے وسائل مہیا کیے جن کی مدد سے ہم اس منزل کو احسن طریقے سے حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس سلسلے میں اس پاک ذات کے بعد میں ان لوگوں کا خصوصی شکر گزار ہوں جن کی حمایت اور تعاون کے بغیر اس منصوبے کا پایہ تکمیل تک پہنچنا ممکن نظر نہ آتا تھا۔

سب سے پہلے میں اپنے شیخ سید رفاقت حسین شاہ (قادری رزاقی گیلانی المعروف چن پیر بادشاہ) کا شکر گزار ہوں کہ ان کی نگاہ کرم نے ہر لحظہ اور ہر لمحہ ہمارا ساتھ دیا۔ یہ آپ ہی کی نظر کرم ہے کہ ہمارے لیے یہ کام آسان کر دیا گیا حالانکہ ہم تو پُر تقصیر ہیں۔

اس کے بعد میں نیر زمانی صاحبہ کا مشکور ہوں کہ انہوں نے ابن العربی فاونڈیشن کے معیار اور کوششوں کو سراہتے ہوئے اس فقید المثال کتاب کو نہ صرف اردو میں پیش کرنے کی خواہش کا اظہار کیا بلکہ اس عمل کی تکمیل کے لیے ہر ممکن وسائل کی فراہمی کو بھی یقینی بنایا۔ آپ اس کتاب میں ہونے والی ہر سعی جمیلہ کے لیے دعاؤں کی حق دار ہیں۔ اللہ تعالی آپ کا یہ اخلاص اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔

اسی طرح میں ابن عربی سوسائٹی اوکسفورڈ میں محترمہ جین کلارک کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے ہمیں اس کتاب کی بنیاد بننے والے عربی متن کے قدیمی مخطوطات کی فراہمی یقینی بنائی۔

پھر میں سلطان عبد العزیز المنصوب یمنی -اور ان کی ٹیم- کا خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہتا

Marfat.com

ہوں جنہوں نے اس کتاب کے عربی متن پر تحقیق، تصحیح اور نظر ثانی کا فریضہ سرانجام دیا۔

اسی طرح سلاست زبان اور پروف پر کام کرنے کی وجہ سے ہم ملک ہمیش گل صاحب کے مشکور ہیں۔

اللہ ان تمام لوگوں کو اِس عمل کی بہترین جزا دے اور ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے آمین! یارب العالمین۔

ابرار احمد شاہی

کشف المعنی: حالیہ اشاعت

الحمد لله الذي لا إله إلا هو، والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلى آله وسلم تسليما كثيرا. اما بعد: آج ہمیں یہ بتاتے ہوئے انتہائی خوشی ہو رہی ہے کہ ہم بالآخر شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی کی کتاب «كشف المعنى عن سر أسماء الله الحسنى» کو تحقیق شدہ عربی متن، سلیس اردو ترجمے اور منتخب مقامات کی شرح کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ یہ کتاب ہمارے اُس مشن کی تکمیل کا ایک حصہ ہے جس کا مقصد اِس ابدی اور لافانی خدائی پیغام کو لوگوں کے سامنے اُن کی اپنی زبان، سلیس انداز اور تحقیق شدہ متن کے ساتھ پیش کرنا ہے۔

کتاب کا انتخاب

اس کتاب سے میرا پہلا تعارف سن ۲۰۰۸ میں ہوا، جب ایک ساتھی قیصر شہزاد سے مجھے پتا چلا کہ شیخ اکبر نے اسمائے حسنیٰ پر ایک کتاب لکھی ہے، لیکن اس وقت تک اس کتاب کے متن تک میری رسائی نہ تھی، بس اتنا پتا چل سکا کہ شیخ نے اسمائے حسنیٰ سے تعلق، تحقق اور تخلق پر بات کی ہے، اُس وقت تو میں ان اصطلاحات کے اصل مفہوم سے بھی واقف نہ تھا۔ قیصر شہزاد نے اپنے مقالے Ibn ‘Arabi’s Contribution to the Ethics of Divine Names میں اسی کتاب کی بات کی ہے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک میرے ذہن میں اس کتاب کو لینے یا ترجمہ کرنے کا خیال نہ آیا، حالانکہ جب ہم نے مخطوطات اکٹھے کرنا شروع کیے تو اس کتاب کے بھی چند مخطوطات ہمارے ہاتھ لگے۔

پھر پچھلے سال بڑی عید سے قبل مجھے محترمہ نیر زمانی صاحبہ کا فون آیا، آپ ہمارے ادارے سے چھپنے والی کتب باقاعدگی سے پڑھ رہی تھیں اور ان کے معیار سے کافی حد تک مطمئن

Marfat.com

تھیں۔ فون پر آپ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ شیخ اکبر کی اسمائے حسنی پر کتاب کا اردو میں ترجمہ کروانا چاہتی ہیں، تا کہ آپ بھی ان اسما کی حقیقت سے روشناس ہوں اور لوگوں تک بھی یہ حقائق بہترین صورت میں پہنچ پائیں۔ ہم نے آپ کو کتاب کا نام بتایا اور واضح کیا کہ اب تک ہمارے پاس اس کا کوئی مستند متن نہیں ہے، آپ یہ کتاب منگوا کر ہمیں ارسال کر دیں تا کہ اس پر کام شروع ہو سکے۔ آپ نے کراچی کے ایک معتبر کتب خانے کے مالک حبیب عباسی صاحب کی ذمہ داری لگائی کہ اس کتاب کے عربی متن کو حاصل کیا جائے۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ چند دنوں میں ہی حبیب صاحب کا عراق جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں ایک چھوٹی سی دکان سے انہیں اس کتاب کا عربی متن میسر آگیا۔

آپ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا کیونکہ ان کو اب اپنی یہ خواہش پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔ ہم تک کتاب پہنچی اور ہم نے اس کو اچھی طرح سے دیکھ لینے کے بعد اس پراجکٹ پر کام شروع کیا۔ اس سلسلے میں ہم محترمہ نیر زمانی کے شکر گزار ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کے ترجمے اور تحقیق میں مادی وسائل کو آڑے نہیں آنے دیا، ہر طرح سے تعاون کا نہ صرف یقین دلایا بلکہ وہ سب کر کے بھی دکھایا۔

عربی متن کی تحقیق

ہمیں جب کتاب کا عربی متن میسر آیا تو یہ ہسپانوی محقق پابلو بانیٹو کا تحقیق شدہ ایڈیشن تھا جو انہوں نے ایک سے زائد عربی مخطوطات سے اخذ کیا تھا۔ ابتدائی طور پر دیکھنے سے ہمیں یہ متن کافی حد تک بہتر معلوم ہوا اور لگا کہ اب اس متن کی دوبارہ سے تحقیق کی ضرورت نہیں کیونکہ پابلو بانیٹو نے اسے کافی بہتر انداز میں پیش کیا تھا اور یہ آپ کا ہسپانوی زبان میں phd کا تھیسس تھا۔ لیکن جب ہم نے اللہ کا نام لے کر ترجمہ شروع کیا تو ہمیں متن میں منہج کا فرق نظر آیا جس کو استعمال میں لا کر کوئی محقق تدوین کا کام کرتا ہے۔ اس متن میں ہمیں یہ بات نمایاں نظر آئی کہ محقق نے ہر مخطوط کے ہر لفظ کو اصل عبارت میں لکھ رکھا ہے۔ یہ منہج ہمارے منہج تحقیق سے جدا تھا؛ کیونکہ ہم مخطوطات کی درجہ بندی کے بعد صرف اسی مخطوط کو اصل متن میں

Marfat.com

لکھتے ہیں جس کی نسبت حتمی ہو اور جس میں غلطی کی گنجائش کم ہو۔ اگر کہیں کہیں اس مخطوط سے انحراف بھی کرنا پڑے تو ہر طرح کا یقین کر لینے کے بعد ہی ایسا ہو۔

اس وقت میرے پاس اس کتاب کے دو مخطوط موجود تھے، لہذا ہم نے دوبارہ سے مکمل عربی متن چیک کرنے کی ٹھانی۔ یہ بات واضح رہے کہ مخطوطات کا انتخاب ہی کسی متن میں سب سے اہم کام ہوتا ہے، چونکہ ہمارے پاس وہ مخطوطات بھی تھے جو پابلو بانیٹو کے پاس نہ تھے لہذا متن میں فرق کا ظاہر ہونا عام بات تھی۔ اب ہم نے تہیہ کیا کہ اس کتاب کا ایک نیا متن مدون کیا جائے تاکہ عربی متن کو بھی ان قدیمی مخطوطات سے ہم آہنگ کیا جا سکے۔

ہم نے ابن عربی سوسائٹی کی لائبریرین محترمہ جین کلارک کو اپنے ارادے سے آگاہ کیا، انہوں نے ہماری طلب پر لبیک کہا اور ہمیں مزید تین مخطوطات ارسال کر دیئے، مخطوطات کی تفصیل آگے آئے گی۔ کتاب کا عربی مسودہ تیار ہوا اور نظر ثانی، تصحیح اور تحقیق کے لیے مخطوطات کے ساتھ استاذ عبد العزیز منصوب کو یمن روانہ کر دیا گیا۔ آپ نے انتہائی کم وقت میں اپنی ٹیم کے ہمراہ اس کو مکمل چیک کیا اور حتمی متن تیار کر کے ہمارے حوالے کیا۔

ترجمہ

"کشف المعنی عن سر اسما اللہ الحسنی" شیخ اکبر کی مشکل ترین کتابوں میں سے ہے؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ کتاب میں ننانوے اسمائے الہیہ پر بات کی گئی ہے، اور ہر اسم کو تین زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے: ۱- تیرا اس سے تعلق، ۲- اس اسم کی حقیقت، ۳- اس سے تخلق (یعنی اس کو اپنانا)۔ کتاب املائی انداز میں لکھوائی گئی ہے، لہذا ہمیں بھی عبارت میں اختصار ہی نظر آیا۔ مختصر انداز میں حقائق کی طرف اشارات کیے گئے ہیں۔ اور بغیر کسی سابق فہم کے ان اشارات کو سمجھنا ممکن نہیں۔ خیر ہم نے اللہ کا نام لے کر ترجمہ شروع کیا، لیکن ہمیں ابتدائی ترجمہ کرنے میں از حد دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ عربی متن کو نئے سرے سے مرتب کر لینے کے بعد بھی کتاب آسان معلوم نہ ہوتی تھی۔

اس کے بعد اردو ترجمے کو دوبارہ عربی متن سے ملا کر چیک کیا گیا اور جس جس مقام پر

Marfat.com

غلطی نظر آئی اسے ٹھیک کیا گیا، شرح میں بھی مشکل مقامات مزید آسان کیے گئے۔ جو عربی عبارات پھر بھی سمجھ سے بالاتر رہیں انہیں عبد العزیز المنصوب کو بھیجا گیا تاکہ وہ ان مقامات کی شرح کر دیں اور ہم اِسے سمجھ کر آسان زبان میں ترجمہ کر لیں۔ اس محبت اور محنت کے باوجود بھی اگر کوئی کمی یا کوتاہی رہ گئی ہو، یا ہم نے عربی متن ویسے پیش نہ کیا ہو جیسا کہ شیخ کی مراد تھی تو ہم ان سے معافی کے خواستگار ہیں۔ قارئین سے بھی یہ گزارش ہے کہ وہ اگر کہیں لفظی یا معنوی غلطی پائیں تو ہمیں آگاہ کریں تاکہ اگلے ایڈیشن میں اسے ٹھیک کر دیا جائے۔

مقدمہ

اِس کتاب کو شائع کرنے کا مقصد صرف اِس کا ترجمہ کرنا نہ تھا، اور اس کی وجہ بھی واضح ہے۔ یہ کتاب اسمائے حسنی پر لکھی گئی ہے اور اگر قاری اسمائے حسنی اور کائنات پر اِن کے اثرات سے ناواقف ہے تو وہ اِن اسما کے حقائق سے بھی شناسا نہیں، اور جو اسما کے حقائق نہیں جانتا وہ انہیں سمجھ بھی نہیں سکتا، اپنانا تو دور کی بات ہے۔ چونکہ ہمارا مقصد اِن علوم کا احیا ہی ہے تو ہم پر یہ لازم تھا کہ اس کتاب کو ایک جامع مقدمے سے مزین کر کے شائع کریں تاکہ ابلاغ کا مقصد پورا ہو سکے۔ مقدمے کی ضرورت اس لیے بھی محسوس کی گئی کیونکہ شیخ نے اس کتاب میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے اور ایسے تمام موضوعات کی طرف صرف اشارہ کیا ہے جن کا تفصیلی ذکر فتوحات مکیہ اور دیگر کتب میں موجود ہے، لہذا ہمارا یہ فرض بنتا تھا کہ کتاب شروع ہونے سے قبل قاری کے گوش گزار وہ تمام حقائق ایک مقدمے کی صورت میں کر دیئے جائیں، تاکہ جب وہ اصل عبارت تک پہنچے اس وقت تک وہ خود پر اور اِس کائنات پر اسما کے اثرات اور احکامات سے آگاہ ہو۔

حواشی

مسودہ مکمل ہونے کے بعد ہمیں لگا کہ اس کتاب کو شرح کے بغیر سمجھنا تو ممکن ہی نہیں۔ یوں ہم نے شرح اور حاشیہ بندی کی ٹھانی، اس سلسلے میں شیخ اکبر کی ہی دیگر کتب سے مدد لی گئی۔

Marfat.com

خاص طور پر فتوحات مکیہ کیونکہ شیخ اکبر نے اس کے باب نمبر ۵۵۸ میں حاضرات اسما کافی تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔ چنانچہ اس باب سے ہمیں کافی مدد ملی، ہم نے اس کتاب کے مشکل مفاہیم کو سامنے رکھا اور پھر موضوع کی مناسبت سے جو کچھ ہمیں اللہ کی توفیق سے سمجھ آیا اُسے حاشیے میں نقل کر دیا۔ اس عمل کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ وہ لوگ ۔ جن میں ہم بھی شامل ہیں ۔ جو ان مفاہیم سے واقف نہیں وہ کسی حد تک ان سے واقف ہو جائیں اور اُن پر اِن کا سمجھنا آسان ہو، حالانکہ نہ یہ مفاہیم آسان ہیں اور نہ ہی وہ انداز جس میں انہیں بیان کیا گیا ہے۔

ہم نے محسوس کیا ہے کہ شرح کے بعد اِس عبارت میں بہتری آئی ہے۔ اب قارئین اس سے اپنی استعداد اور سمجھ کے مطابق فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ شرح کے اقتباسات کو فتوحات مکیہ اور خاص طور پر عبد العزیز منصوب والے ایڈیشن سے ترجمہ کیا گیا ہے، اور جہاں جہاں ضرورت محسوس کی گئی ہے وہاں اصل عربی مخطوط بھی سامنے رکھا گیا ہے۔ ان اقتباسات کی عربی نہیں دی گئی لہٰذا جو حضرات ان کی اصل عبارت دیکھنا چاہیں انہیں لازماً اصل فتوحات مکیہ سے رجوع کرنا ہو گا۔ اس شرح کو اس طرح جمع کر لینے کے بعد ہم اس پاک ذات کے نہایت ہی شکر گزار ہیں کہ اس نے ہمارے لیے ان مفاہیم کا نہ صرف سمجھنا آسان کیا بلکہ ایک ترتیب سے ان کا بیان بھی اسی کی عطا سے ہے۔

اشاعتی معیار

ہم آپ حضرات کو یہ یقین دہانی بھی کروانا چاہتے ہیں کہ آپ کے ہاتھوں میں موجود یہ ایڈیشن اس وقت روئے زمین پر اِس کتاب کا بہترین؛ قدیمی مخطوطات سے اخذ شدہ مستند ترین اور مصدقہ ایڈیشن ہے۔

ہم نے عبارت کو اشاعت کے بنیادی اصولوں سے مزین کر کے شائع کیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱. عربی عبارت میں موجود تمام قرآنی آیات کی تخریج کی گئی ہے۔
۲. کتاب کا مکمل عربی متن دیا گیا ہے تاکہ وہ حضرات جو اردو نہیں جانتے اور عربی متن

تک رسائی حاصل کرنا چاہتے ہیں اُن کے لیے آسانی ہو۔

۳. کتاب کا ترجمہ نہایت سلیس رکھا گیا ہے اور ہر مشکل عربی لفظ کے مقابل اردو لفظ لانے کی کوشش کی گئی ہے، الاّ یہ کہ وہ شیخ اکبر کی اصطلاح ہو۔ اردو ترجمے میں مفاہیم کی روانی اور سلاست پر توجہ دی گئی ہے لیکن بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر مکمل ترجمہ کماحقہ کرنا ممکن نہیں۔ عربی متن ساتھ پیش کرنے کا بنیادی مقصد بھی یہی ہے کہ دلیل پکڑنے کی غرض سے اصل عربی سے رجوع کیا جائے اور ترجمے کو صرف فہم کا ایک ذریعہ سمجھا جائے، بلکہ جو حضرات عربی پڑھنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہوں انہیں عربی متن ہی پڑھنا چاہیے۔

۴. علوم شیخ اکبر کے ترجمے کا حق ادا کرنا تو کسی کے بس کی بات نہیں، ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے کہ ترجمہ علوم شیخ اکبر کی عمومی فہم کے مطابق سلیس اور آسان ہو لیکن اگر کسی مقام پر ہم عربی متن اور ترجمے کو شیخ اکبر محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی مراد کے مطابق پیش نہیں کر سکے تو ہم آپ سے معافی کے خواستگار ہیں۔

۵. کتاب کو بڑے سائز پر بہترین صورت میں شائع کیا گیا ہے۔ اشاعتِ کتاب کے سلسلے میں بین الاقوامی معیار کو سامنے رکھا گیا ہے۔

آج ہمیں نہایت خوشی ہو رہی ہے کہ اس پاک ذات نے ہمیں اپنے اس عزم پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دی۔ بیشک محض اس کی توفیق اور عطا، اپنے ظاہری اور باطنی شیوخ کی نظر التفات ہی وہ اسباب ہیں کہ ہم اس منزل کو پانے میں کامیاب ہوئے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں ہماری نیتیں ٹھیک رکھنے کی توفیق دے اور ہمارے دلوں کو ٹیڑھا ہونے سے بچائے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (آل عمران:۸) یا اللہ! تو جانتا ہے کہ ہمارے اس عمل میں بنیادی مقصد تیری رضا کا حصول اور لوگوں تک حق بات کا پہنچا دینا ہے، اس لیے ہمارے اس عمل صالح کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخش اور ہمیں آئندہ بھی اِن اعمال صالحہ کی توفیق دے جو ہمارے لیے تیری طرف سے اس عمل کی قبولیت کی ایک نشانی ہوں۔ «اللّهم أسمعنا خيراً وأطلعنا خيراً وارزقنا الله العافية وأدامها لنا، وجمع الله قلوبنا

علی التقویٰ، ووفقنا لما یحبّ ویرضی، ربنا لا تؤاخذنا إن نسینا أو أخطأنا، ربنا ولا تحمل علینا إصراً کما حملته علی الذین من قبلنا، ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به واعف عنا واغفر لنا وارحمنا، أنت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین» (الفتوحات المکیة). یا اللہ ہمیں بھلائی سنا اور بھلائی دکھا، ہمیں عافیت دے اور عافیت کا سایہ ہم پر ہمیشہ قائم رکھ، ہمارے دلوں کو تقویٰ سے جوڑ دے اور اسی بات کی توفیق دے جو تجھے پسند ہے۔ اے رب! ہمارے گناہوں اور خطاؤں پر ہماری پکڑ مت کر، اے رب! ہم پر ویسا بوجھ مت ڈال جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا، اور ہم پر ویسا بوجھ بھی مت ڈال جو ہم اٹھا نہیں سکتے، ہم پر رحم کر، اپنا لطف و کرم فرما اور ہمیں بخش دے، تو ہی ہمارا مالک ہے لہذا ہمیں ان کافروں پر کامیاب کر۔

ابرار احمد شاہی

جون ۲۰۱۴ء

0334-5463996

Marfat.com

مقدمہ: اسماالله الحسنیٰ

شیخ اکبر فرماتے ہیں: اسم عربی زبان میں نام کو کہتے ہیں، وہ لفظ جو کسی شخص، شے، کیفیت، وصف یا کام وغیرہ کا نام ہو۔ یہ لفظ اپنے مختلف اشتقاقات کے ساتھ قرآن کریم میں ۷۱ مرتبہ آیا ہے، جن میں بعض دفعہ اس کی اضافت اللہ کی طرف کی گئی جیسے، "اسم اللہ"، "باسم ربك" یا "اسم ربه" اور بعض دفعہ یہ ضمیر کے ساتھ آیا جو کسی انسان کی طرف لوٹتی ہے جیسے: "اسمه احمد" وغیرہ۔

اسی طرح قرآن کریم میں (اسم) کی جمع اسما بھی آئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِلّٰهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوهُ بِهَا﴾ (الاعراف: ۱۸۰) اور اللہ کے خوبصورت نام ہیں لہذا انہی سے اُسے پکارو۔

شیخ اکبر سے جب پوچھا گیا کہ اسم کا مطلب کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "(اسم سے مراد) وہ معاملہ ہے جو کسی اثر سے جنم لے، یا کوئی ایسا معاملہ جس سے اثر جنم لے، یا اس سے وہ کچھ جنم لے جس سے اثر ہو، اور اس میں وہ بھی ہے وہ جو اثر سے پیدا ہو، جب اس سے مسمی مراد نہ لیا جائے۔

اگر اسم سے مراد "مسمی" ہو تو اس کا معنی مسمی ہی ہے، چاہے یہ جو بھی ہو: ترکیبی معنوی یا حسی مرکب، یا پھر معنوی یا حسی غیر مرکب، جیسے کہ لفظ رحیم سے مراد رحم کرنے والی ذات ہے۔ لہذا اس تسمیہ کا مسمی بعینہ وہی نسبت ہے جو ذات اور رحمت کے مابین جامع ہے، حتی کہ اس نسبت سے اس پر اسم فاعل کا اطلاق کیا گیا، حالانکہ یہ تسمیہ جامد ہے اور اِس سے ذات کے سوا کچھ سمجھ نہیں آتا، یہ معنوی ترکیبی مرکب نہیں۔ چنانچہ یہ ذات معنوی اور حقیقی مفرد بھی ہو سکتی ہے اور مرکب حسی بھی ہو سکتی ہے، جیسا کہ اس کے نیچے "انسان" حسی اور معنوی مرکب ہے۔

(مخطوط: السفر-۱۳، ص ۱۴ ب)

Marfat.com

اسماو کنایات

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور بہترین نام اللہ کے لیے ہی ہیں، سو اِن ناموں سے ہی اُسے پکارو﴾ (الاعراف: ۱۸۰) ﴿کہہ دو چاہے اللہ کہہ کر پکارو یا الرحمن کہہ کر پکارو، اُسے جس نام سے پکارو تو اُس کے سب نام اچھے ہیں﴾ (الاسراء: ۱۱۰) جان لے کہ اللہ کے ناموں میں سے کچھ جانے پہچانے ہیں؛ جیسے کہ معروف نام؛ یہ ظواہر ہیں، اور کچھ پوشیدہ ہیں؛ جیسے خطاب کا کاف اور تاء، تائے متکلم، یائے متکلم اور ضمیر غائب، اس میں ضمیر تثنیہ، اور ضمیر جمع مثلاً ﴿نحن نزلنا﴾ (الحجر: ۹) اور جمع کی ضمیر میں "نون" ﴿إنا نحن﴾ (الحجر: ۹) لفظ "انا" "انت" اور "ھو"۔ ان میں سے کچھ اسما پر افعال دلالت کرتے ہیں، اور کچھ عبارت میں ایسے پوشیدہ اسما ہیں جو ظاہر ہی نہ ہوئے مثلاً: ﴿سَخِرَ اللَّـهُ مِنۡهُمۡ﴾ (التوبہ: ۷۹) اور ﴿اللَّـهُ يَسۡتَهۡزِئُ بِهِمۡ﴾ (البقرۃ: ۱۵)

ان میں کچھ اسمائے نیابت ہیں، جو کہ اللہ کے لیے ہیں؛ لیکن یہ اسم اللہ کے نائب ہیں جیسا کہ ہمارا یہ کہنا: ﴿سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الۡحَرَّ﴾ (النحل: ۸۱) ایسے کُرتے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔ ہر وہ فعل ممکنات میں سے کسی ممکن کی طرف منسوب ہو؛ تو وہ مسمی اِس (فعل) میں اللہ کا نائب ہوتا ہے؛ کیونکہ تمام افعال اللہ کے ہیں، چاہے وہ اس فعل سے اچھائی سے جڑے یا برائی سے؛ علم صحیح میں اس تعلق کا تاثیر میں کوئی حکم نہیں۔ سو مخلوق کی طرف جو افعال بھی منسوب کیے جاتے ہیں؛ ان میں یہ مخلوق اللہ کی نائب ہے۔ اگر اچھائی ہوں تو اس تعریف کی بدولت انہیں اللہ سے منسوب کیا جاتا ہے؛ کیونکہ اللہ چاہتا ہے کہ اس کی تعریف کی جائے، ایک صحیح حدیث میں نبی کریم ﷺ نے یہی فرمایا ہے، لیکن اگر ان کا تعلق برائی سے ہو تو ہم اسے اللہ سے منسوب نہیں کرتے...

قابل تعریف شے حضرت خلیل اللہ کا (شفا کے بارے میں) یہ کہنا ہے: ﴿فَهُوَ يَشۡفِينِ﴾ (الشعراء: ۸۰) وہ مجھے شفا دیتا ہے، جبکہ مرض کے بارے میں کہا: ﴿إِذَا مَرِضۡتُ﴾ (الشعراء: ۸۰) جب میں بیمار ہوتا ہوں، یہ نہیں کہا: جب وہ مجھے بیمار کرتا ہے، اور اس میں شک نہیں کہ آپ اللہ کی مرضی سے بیمار ہوئے، جیسا کہ اُسی نے آپ کو صحت یاب کیا۔ اِسی طرح (حضرت

Marfat.com

خضر علیہ السلام کا یہ کہنا): ﴿تو میں نے چاہا کہ اس (کشتی) کو عیب دار کر دوں﴾ (الکہف: ۷۹) لہذا ایک عالم عادل ادب والا عیب کو اپنی جانب ہی منسوب کرتا ہے۔ اور دو یتیموں کی قابل تعریف چیز کے بارے میں کہا: ﴿اور تیرے رب نے چاہا﴾ (الکہف: ۸۲) جبکہ اچھائی اور برائی میں دونوں کو جمع کے صیغے سے کہا: ﴿اور ہم نے چاہا﴾ کہ اس میں ایک تو بغیر کسی وجہ کے بچے کو مارنے کی برائی تھی اور دوسرا اس کے قتل سے اللہ نے جو اس کے والدین کو اس کی برائی سے محفوظ رکھا اس کی اچھائی تھی تو کہا: ﴿فَأَرَدْنَا﴾ اور ہم نے چاہا، یہاں پر کسی ایک کا نہ کہا اور نہ ہے کسی ایک کو متعین کیا، ادب والے اسی طرح ہوتے ہیں۔ پھر آخر میں فرمایا: ﴿وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي﴾ (الکہف: ۸۲) میں نے یہ سب اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ سب معاملہ اللہ کے ہاتھ ہے۔

لہذا جب حق تعالی جمع کی ضمیر سے اپنی ترجمانی کرے؛ تو مراد اس کے اسما ہیں؛ کیونکہ اس مذکورہ بات میں ایک سے زائد اسما کا حکم ہے۔ جب وہ تثنیہ کا صیغہ لائے تو مراد ذات اور کسی خاص اسم کی نسبت ہے۔ لیکن اگر وہ واحد کا صیغہ استعمال کرے تو مراد کوئی خاص اسم یا ذات ہے؛ جو کہ مسمی ہے۔ اگر وہ اس کی تنزیہ کا کنایہ استعمال کرے تو یہ صرف ذات کی طرف اشارہ ہے۔ اگر وہ فعل کا کنایہ استعمال کرے تو جیسا ہم نے پہلے بتایا یہ صرف اسم ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۱۲)

Marfat.com

اسمائے حسنیٰ

اللہ مجھے اور تجھے توفیق دے، جان لے کہ اللہ تعالی کے اسمائے حسنی معنی سے مجرد صرف وہ الفاظ ہی نہیں جو کسی خاص مسمی کی شناخت کے لیے ہوں؛ جیسا کہ زید، عمر، جعفر، اور خالد ہیں؛ جو صرف ان اشخاص کی شناخت کے لیے رکھے گئے ہیں۔ بلکہ یہ پاک اور بلند اسما الوہیت میں الوہیت کے تقاضوں سے اِس کے معانی پر دلائل ہیں، اور یہ عالم الفاظ میں انہی معانی کی پہچان کے لیے رکھے گئے ہیں، ایسا لفظ جس لفظ یا (اس کے) حروف سے - اگر وہ لکھے گئے ہوں - سننے اور سیکھنے والا اس کے مربوط معنی تک پہنچتا ہے۔ ہمارے پاس اس پاک ذات کے صرف وہی اسما

ہیں جو اُس نے ہمیں خاص اپنے رسول کی زبانی یا اپنی الہامی کتابوں میں بتائے، جبکہ وہ ذات اپنے ایسے اسما کو بھی جانتی ہے جو اُس نے ہمیں نہیں بتائے۔ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعا میں کیا کہا: "اے اللہ! میں تجھ سے تیرے ہر اس اسم (کے ذریعے) سے سوال کرتا ہوں جس سے تو نے خود کو موسوم کیا، یا جو تو نے اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتایا، یا جو تو نے اپنے غیب کے علم میں چھپائے رکھا۔" ان اسما کے معانی بھی ہمیں صرف عقل، شریعت یا کشف سے معلوم ہوئے، کسی اور طرح سے نہیں۔ (کتاب القسم الالہی بالاسم الربانی)

اسما کی ابتدا یا اصل

حکیم ترمذی کے اس سوال پر کہ اسما کی ابتدا یا اصل کیا ہے؟ شیخ اکبر فرماتے ہیں: طریقت میں اس لفظ کا اطلاق دو معاملات کا متقاضی ہے: ایک یہ سوال کہ سب سے پہلا اسم کون سا تھا؟ اور دوسرا یہ سوال کہ اسما سے آثار کی ابتدا کیسے ہوئی؟ یہ دونوں سوالات لفظ اسما کے مدلول کی دو فرع ہیں: کہ اسم کیا ہے؟ کیا وہ وجود رکھتا ہے یا معدوم ہے؟ یا پھر نہ اس کا وجود ہے اور نہ وہ معدوم ہے؟

(جان لے کہ) اسما نسبتیں ہیں؛ جو حدوث اور قِدم کے معنی قبول نہیں کرتیں؛ کیونکہ یہ وصف کوئی وجود یا معدوم ہی قبول کر سکتا ہے۔ یہ بھی جان لے کہ ہمیں معلوم یہ اسما "اسمائے الٰہیہ کے اسما" ہیں، اور اُس نے خود کو متکلم ہونے کی حیثیت سے اِن سے موسوم کیا۔ اب ہم وہ شرح کرتے ہیں جس سے ہم ان اسما کے مدلول کو ان اسما سے واضح کرتے ہیں جو ہمیں معلوم ہیں؛ اور یہ مظاہر اور اپنے کلام کی حیثیت سے ان سے مسمی ہے، اس کا کلام اس کا علم ہے، اور اس کا علم اس کی ذات ہے، سو وہ اپنی ذات کی حیثیت سے ان سے مسمی ہے، جبکہ احدیت سے موصوف (ذات) کے لیے تمام رخوں سے نسبتیں معقول نہیں ہوتیں۔ سو اسما بھی اسی وقت معقول ہوتے ہیں جب نسبتیں معقول ہوں، اور نسبتیں اس وقت معقول ہوتی ہیں جب مظاہر معقول ہوں؛ جنہیں عالم سے تعبیر کیا گیا۔ چنانچہ اس حیثیت میں نسبتیں مظاہر کے حدوث پذیر ہونے سے پیدا

Marfat.com

ہوتی ہیں؛ اور مظاہر اعیان ہونے کی حیثیت سے حادث نہیں، جبکہ مظاہر ہونے کی حیثیت سے یہ حادث ہیں۔ سو نسبتیں بھی حادث ہیں؛ اور اسما ان کے تابع ہیں، چنانچہ ان اسما کا کوئی خارجی وجود نہیں حالانکہ ان کا حکم معقول ہوتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۲، ص ۳۸)

اسمائے الٰہیہ ذات سے زائد وجودی اعیان نہیں

فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۶۶ میں آپ نے اسی نقطے کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں: جان لے کہ لفظ "اسمائے الٰہیہ" حال کی زبان ہے، جو انہیں حقائق کی عطا ہے، اب ذرا دھیان سے میری بات سن، اور کثرت اور اجتماعِ وجودی کے وہم میں مت پڑ۔ اس باب میں ہم نسبتوں کی جہت سے -نہ کہ وجودِ عینی کی جہت سے- ایک سے زائد معقول حقائق کو ترتیب سے بیان کریں گے۔ بیشک ذاتِ حق ذات ہونے کی حیثیت سے واحد ہے۔ پھر جب ہمیں اپنے وجود، اپنی محتاجی، اپنے امکان سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارا کوئی مرجع بھی ہے جس پر ہمارا بھروسا ہو، اور ہمارا جس پر اعتماد ہے وہ خود سے ہمارے وجود کا مختلف نسبتوں سے طالب ہے، تو شارع نے ان نسبتوں کے لیے اسمائے حسنی کا کنایہ استعمال کیا۔

اسی طرح فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۷ میں فرماتے ہیں: (جان لے کہ) اسمائے الٰہیہ وہ نسبتیں اور اضافتیں ہیں جو عین واحد (یعنی ذات) کی طرف لوٹتی ہیں، کیونکہ یہاں اس میں اعیان کے وجود کی کثرت درست نہیں، جیسا کہ اللہ کو نہ جاننے والے بعض اہل فکر کا گمان ہے۔ اگر یہ صفات (ذات سے) زائد اعیان ہوتیں اور وہ انہی سے الہ ہوتا، تو الوہیت ان سے معلول ہوتی؛ اور یہی الہ کا عین ہوتیں، کوئی بھی چیز اپنا سبب نہیں ہوتی ...، پس اللہ کسی ایسی علت کا معلول نہیں جو اس کا عین نہیں؛ کیونکہ علت رتبے میں معلول سے ایک درجہ پہلے ہے، اس سے یہی لازم آتا کہ الہ ان زائد اعیان کے معلول ہونے کی حیثیت سے محتاج ہے، جو کہ اس کی علت ہیں، جبکہ ایسا ہونا ناممکن ہے۔ پھر کسی معلول شے کی ایک سے زائد علتیں بھی نہیں ہو سکتیں، جبکہ یہ (نسبتیں) تو ایک سے زائد ہیں اور یہ کہ وہ انہی سے الہ ہوتا، سو یہ باطل ٹھہرا کہ اسما اور صفات ذات سے زائد اعیان وجودی رکھتے ہیں، اللہ تعالی تو بہت پاک اور بلند ہے ان باتوں سے جو یہ ظالم

Marfat.com

لوگ اس کے بارے میں کہتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳، ص ۵)

فصوص الحکم میں کہتے ہیں: "کثرت کا وجود اسما میں ہے؛ اور اسما نسبتیں ہیں؛ یہ عدمی معاملات ہیں۔"

"جو کثرت کے پاس رہا وہ کائنات اور اسمائے الٰہیہ کے ساتھ رہا، ... اور جو احدیت کے پاس رکا وہ ذات حق کے پاس رہا... پس اللہ کی وہ احدیت جو اسمائے الٰہیہ کی حیثیت سے ہماری طالب ہے وہ احدیتِ کثرت ہی ہے، اور اس کی وہ احدیت جو ہم سے اور اسما سے بے نیازی سے عبارت ہے وہ احدیتِ عین (یعنی اصل احدیت ذات) ہے۔ (فصوص الحکم)

پہلا اسم "الواحد الاحد"

سو جب یہ ثابت ہو گیا تو سوال کرنے والے کا یہ سوال کہ اسما کی ابتدا یا اصل کیا ہے؟ کا مطلب یہ ہوا کہ نسبتوں کی ابتدا کیا ہے؟ بیشک دو چیزوں کے مابین معقول اور غیر موجود چیز ہی نسبت کہلاتی ہے؛ اب یا تو ہم ان کے بارے میں اس طرح بات کر سکتے ہیں کہ اول سے ان کی کیا نسبت ہے، یا پھر اثر کی اِن پر دلالت کی حیثیت سے بات کر سکتے ہیں۔ اگر ہم ان اسما میں اس حیثیت سے غور کریں کہ یہ اس سے مسمی ہیں، نہ کہ اس کے اثر کی دلالت کی حیثیت سے؛ تو ان کے قول: اسما کی ابتدا کیا ہے؟ کا مطلب یہ ہوا کہ سب سے پہلا اسم کون سا ہے؟ ہم کہتے ہیں: سب سے پہلا اسم "الواحد الاحد" ہے، یہ ایک ہی مرکب اسم ہے جیسا کہ بعلبک، رام ہرمز، الرحمن الرحیم وغیرہ مرکب ہیں۔ ان سے ہماری مراد دو اسما نہیں۔ بیشک الواحد الاحد سب سے پہلا اسم ہے، کیونکہ اسم دلالت کے لیے وضع کیا جاتا ہے، اور یہ وہی عَلَمیت ہے جو ذات کے عین پر دلالت کرے،... سو "الواحد الاحد" سے بڑھ کر کوئی علمیت سے مخصوص نہیں؛ کیونکہ یہ اس کا ذاتی اسم ہے،...

اگر تو یہ کہے: اسم اللہ اولیت میں الواحد الاحد سے بڑھ کر ہے؛ کیونکہ اسم اللہ کو الواحد الاحد سے موصوف کیا جاتا ہے جبکہ الواحد الاحد کو اسم اللہ سے موصوف نہیں کیا جاتا، تو ہم کہیں گے: اسم اللہ کا مدلول اس کائنات - اور اس میں جو کچھ ہے - کا طالب ہے، چنانچہ یہ کائنات کے

Marfat.com

لیے اسم الملک یا سلطان جیسا ہی ہے، سو یہ مرتبے کا اسم ہے ذات کا نہیں۔ جبکہ الواحد ذاتی اسم ہے جس کی دلالت سے عین کے سوا کچھ معقول نہیں ہوتا، اس لیے اسم اللہ کا پہلا اسم ہونا درست نہیں۔ اب صرف الواحد باقی بچا کہ اس سے بغیر ترکیب کے عین معقول ہوتی ہے۔ اگر وہ خود کو "الشیء" کہتا تو ہم بھی اُسے "الشیء" کہتے، اور وہ پہلا اسم ہوتا؛ لیکن اسمائے الٰہیہ میں "یا شیء" نہیں آیا۔ "الواحد" اور "الشیء" کے مدلول میں بھی کوئی فرق نہیں، یہ بھی غیر مرکب ذات پر دلیل ہے؛ اگر یہ مرکب ہوتی تو اسم "الواحد" اور "الشیء" کا اس پر حقیقتاً اطلاق درست نہ ہوتا۔ اس کی نہ کوئی مثال ہے نہ شبیہ کہ جس سے اس کی شخصیت متمیز ہو، سو وہ اپنی ذات میں اپنی ذات کے لیے الواحد الاحد ہے۔

اِس پہلے اسم کی نسبت اور اثر

ہم یہ بتا چکے ہیں کہ اسمانسبتوں سے عبارت ہیں؛ تو اس پہلے اسم کی کیا نسبت اور کیا اثر ہے جو یہ خود سے مانگتا ہے؟

ہم کہتے ہیں: اِس اسم سے واجب نسبت تو معلوم ہے، وہ یہ کہ اُس (یعنی حق) کے وجود کے مقابل اعیان ثابتہ ہیں جن کا وجود وجودِ حق سے استفادہ ہی ہے: اور یہ اعیان اس اتصاف میں وجود سے حق کے مظاہر بنتے ہیں۔ یہ اپنی ذات سے اعیان ہیں، یہ کسی سبب اور علت سے اعیان نہیں۔ جیسا کہ حق تعالیٰ کا وجود اپنی ذات سے ہے کسی علت سے نہیں۔ یا جیسا کہ حق تعالیٰ کو علی الاطلاق غنا حاصل ہے، سو ان اعیان کی مطلق محتاجی اس غنی الواجب سے ہے جس کا غنا اپنی ذات سے اپنی ذات تک ہے۔ یہ اعیان اگرچہ اسی طرح سے ہیں، لیکن ان میں امثال (یعنی ہم صورت) اور غیر امثال ہیں، کچھ کسی امر سے متمیز ہیں جبکہ دیگر کسی امر سے متمیز نہیں اور ان میں اشتراک ہے۔ سو ان میں سے کسی عین پر بھی اس اشتراک اور مثلیت کے باعث "اسم الواحد الاحد" کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے ہم نے اُس پاک ذات کو "الواحد الاحد" سے علی الاطلاق غنی قرار دیا، کیونکہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں، اور وہ خود میں اور اپنے مظاہر میں وجود کا عین ہے۔ یہ نسبت کسی اثر سے نہیں؛ کیونکہ ممکنات کی اعیان کا اعیان ہونے اور ان کے امکان میں

Marfat.com

اس کا کوئی اثر نہیں۔

اسما کے اعیان پر اثرات کی ابتدا

جہاں تک آپ کا یہ کہنا ہے: اسما کی ابتدا کیا ہے؟ یعنی ان اعیان پر اسما کے اثرات کی ابتدا کیا ہے؟ یہ سوال دو امور کا متقاضی ہے: ایک یہ کہ ہر ایک عین میں یہ کس اسم سے شروع ہوئے اور دوسرا تمام اعیان میں ایک ساتھ ان کی ابتدا کیسے ہوئی؟ اس سوال سے مراد یہ ہے کہ وہ کون سا پہلا اسم تھا جس نے یہ چاہا کہ اس کا اثر ان اعیان میں ظاہر ہو؟

جان لے کہ سب میں اکٹھے یا الگ الگ - اور اِس میں کوئی فرق نہیں - وہ اسم "الوہاب" ہی تھا۔... (اسم الوہاب) سے وہب کی ابتدا ہر عین کو اس کا وجود بخشنا تھا،... سو اعیان پر سب سے پہلے (وہب کی) جو ابتدا ہوئی تو وہ ان اسما سے قریبی مناسبت تھی جو تنزیہ کے متقاضی ہیں؛ پھر اس کے بعد ان اسما کی قوت یا حجت کا ظہور ہوا جو تشبیہ کے متقاضی ہیں۔ تنزیہ کے متقاضی اسما ہی وہ اسما ہیں جنہوں نے ذات کے لیے ذات کا تقاضا کیا؛ جبکہ وہ اسما جو تشبیہ کے متقاضی ہیں ان کا تقاضا ذات کے الٰہ ہونے کی حیثیت میں ہے۔ اسمائے تنزیہ: الغنی، الاحد، یا جو صرف ذات سے منفرد ہوں۔ جبکہ اسمائے تشبیہ: الرحیم، الغفور، یا ہر وہ اسم جس سے حقیقتاً بندے کا اتصاف ممکن ہو؛ اس حیثیت میں کہ بندہ اس کا مظہر ہو، یہ نہیں کہ وہ اس کی عین ہو؛ کیونکہ اگر وہ اس کی عین ہو گا تو بندے کو بھی غنا حاصل ہو جائے گا، جبکہ اسے اصلاً غنا حاصل نہیں۔

جب یہ اعیان - جو کہ مظاہر ہی ہیں - (ان اسما) سے متصف ہوئے، مثلاً غنا سے اور انہیں غنی کہا گیا، تو اس کا معنی یہ ہوا کہ یہ متصف اعیان غنا باللہ کی بدولت دیگر اعیان سے غنی ہو گئے، یہ نہیں کہ اپنی ذات سے غنی ہو گئے۔ ہر اسم تنزیہ اسی طرح ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۲، ص ۳۸)

معرفت اسمائے الٰہیہ

شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۱۷۷ میں معرفت کی بات کی ہے، آپ فرماتے ہیں: راہ طریقت میں ہمارے نزدیک معرفت کا دار و مدار سات چیزوں کے علم پر ہے؛ اور یہی وہ راستہ

Marfat.com

ہے جس پر اللہ کے بندوں میں سے خواص سفر کرتے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے حقائق کا علم رکھنا ہے، اور یہی اسمائے الہیہ کا علم ہے۔

اسمائے الہیہ کا علم اور ادب الٰہی کا تقاضا

شیخ اکبر فرماتے ہیں: اسمائے الہیہ کا علم معرفت کا پہلا علم ہے، یہ علم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسما کس لیے لائے گئے۔ یہ اسما کے خواص کا علم بھی ہے، لیکن اس پر بات کرنے سے اہل اللہ کو روکا گیا ہے، کیونکہ اس میں راز افشائی اور پردہ کشائی ہے، جبکہ غیرت الٰہی اس کے اظہار میں مانع ہے۔ بلکہ اہل اللہ، ان اسما کے بارے میں یہ سب جانتے ہوئے بھی اللہ کے سامنے ان کا استعمال نہیں کرتے۔ اس پر دلیل رسول اللہ ﷺ ہیں، آپؐ ان اسما کو سب سے بڑھ کر جانتے تھے، اور یہ بھی جانتے تھے کہ اللہ تعالی اس کی دعا ضرور پوری کرے گا جو ان اسما سے دعا مانگے، کیونکہ اللہ تعالی جانتا ہے کہ ان اسما کی ایک خاصیت ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں دعا کی: "کہ ان پر عذاب ان کے آپس کے جنگ و جدل سے نہ ہو" تو آپؐ کو روک دیا گیا اور یہ دعا قبول نہ ہوئی۔...

اگر رسول اللہ ﷺ اس خاص اسم کو استعمال میں لا کر دعا کرتے، تو اللہ تعالی آپؐ کی دعا ضرور قبول کرتا، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپؐ "اولین اور آخرین کا علم رکھتے ہیں" اور آپؐ لوگوں میں سب سے بڑھ کر علم رکھنے والے ہیں، سو ہمیں یہ پتا چلا کہ آپؐ نے اس خاص اسم سے دعا نہ کی، اور ادب کا اظہار کیا۔ اس کا سبب "ادب الٰہی" ہی ہے، کیونکہ آپؐ یہ نہیں جانتے تھے کہ اللہ کی مراد کیا ہے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ (المائدہ: ۱۱۶) (اے اللہ!) تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے لیکن میں وہ نہیں جانتا جو تیرے علم میں ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انبیا اللہ سے جو کچھ مانگیں اس میں بھلائی نہ ہو، تو انبیائے کرام اللہ سے جو چاہتے تھے وہ مانگتے تھے لیکن اس خاص اسم کے استعمال کے بغیر۔ اگر اللہ کے علم میں اس کام میں اس کی رضا اور مانگنے والے کے لیے بھلائی ہوتی تو وہ انہیں وہی چیز عطا کرتا، لیکن اگر ایسا نہ ہوتا؛ تو مانگنے والے کی درجات بلند کرتا اور اس کے گناہوں کو بخش دیتا۔

عام و خاص سب یہ جانتے ہیں کہ اسما میں ایک ایسا عام اسم بھی ہے جسے اسم اعظم کہتے ہیں، یہ آیت الکرسی اور سورہ آل عمران کی ابتدائی آیت میں ہے، حالانکہ نبی کریم ﷺ اسے جانتے تھے لیکن آپؐ نے وہ دعا اس اسم سے نہ مانگی، اگر آپؐ اس اسم سے وہ دعا مانگتے تو اللہ تعالیٰ بعینہ وہی چیز قبول کرتا جو آپؐ نے مانگی تھی، اشیا میں اللہ کا علم باطل نہیں ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اہل اللہ کو ادب سکھاتا ہے، اور یہ ادب بھی اسمائے الٰہیہ کے علم میں سے ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۵، ص ۷۶)

اسمائے الٰہیہ کی اقسام

(جان لے کہ) سب سے پہلا علم حقائق کا علم ہے؛ جو کہ اسمائے الٰہیہ کا علم کہلاتا ہے۔ اسما کی چار اقسام ہیں:

۱. اسما کی پہلی قسم ذات پر دلالت کرتی ہے؛ یہی "اسم عَلَم" ہے جس سے مسمیٰ ذات کے سوا کچھ معلوم نہیں پڑتا، یہ کسی تعریف اور مذمت پر دلالت نہیں کرتا۔ ہمیں اسما کی اس قسم میں اسم اللہ کے سوا کوئی دوسرا اسم نہیں ملا جو اس نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہو یا اپنے نبیوں کی زبان سے ادا کروایا ہو، اور اس اسم میں بھی اختلاف ہے۔

۲. اسما کی دوسری قسم صفات پر دلالت کرتی ہے، اور اس کی آگے دو قسمیں ہیں:

۰۱. ایک وہ قسم جو اِن معقول اعیان کی صفات پر دلالت کرتی ہے جن کا وجود ممکن ہے۔

۰۲. اور دوسری وہ قسم جو اِن اضافی صفات پر دلالت کرتی ہے جن کا اعیان میں کوئی وجود نہیں۔

۳. اسما کی تیسری قسم صفات افعال پر دلالت کرتی ہے، اس کی آگے دو قسمیں ہیں: ایک صریح اور دوسری مضمن۔

۴. چوتھے وہ مشترک اسما جن کی دلالت ایک رخ سے صفت فعل پر ہو اور دوسرے رخ سے صفت تنزیہ پر ہو۔ (مخطوط: السفر-۱۵، ص ۷۶)

پہلی قسم: اسمائے ذات

شیخ فرماتے ہیں: اسمائے ذات اسمائے اعلام کی مانند ہیں؛ اور میں نہیں جانتا کہ جہان والوں کے علم میں اور کتاب و سنت میں اسم اللہ کے سوا کوئی اسم علم ہو؛ یہ ان لوگوں کی رائے میں جو اسے کسی چیز سے مشتق قرار نہیں دیتے، پھر اس میں موجود اشتقاق کے باوجود، کیا یہ مسمی کا مقصود ہے؟ یا مسمی کا مقصود نہیں، جیسا کہ ہم کسی شخص کا نام اس کی پہچان کے لیے "یزید" رکھ دیں؟ اگرچہ یہ کلمہ (یزید مصدر) زیادہ کا فعل ہے، لیکن ہم نے تو اس کا نام اس وجہ سے یزید نہیں رکھا کہ وہ جسم اور علم میں بڑھتا ہے، بلکہ ہم نے تو صرف پہچان کے لیے ایسا کیا کہ جب ہم اُسے بلانا چاہیں تو اِس نام سے اُسے پکاریں

اسما میں ایسے بھی ہیں جو اس طرح سے رکھے گئے ہیں۔ اگر یہ اس طرح پکارے جائیں تو یہ سب اسمائے اعلام ہیں، لیکن اگر یہ تعریف کے راستے سے پکارے جائیں - اگر یہ اسمائے تعریف میں سے ہو - تو یہ در حقیقت اسمائے صفات میں سے ہیں۔ صفت کی ایک نشانی یہ ہے کہ اس کا وجود صرف اس کے موصوف میں دکھائی دیتا ہے، کیونکہ یہ خود سے قائم نہیں ہو سکتی، چاہے اس کا وجود عینی ہو یا پھر اضافی؛ کہ عین میں جس کا وجود نہیں ہوتا، یہ صفت تعریف اور مذمت میں اپنے موصوف پر دلالت کرتی ہے۔ تعریف کے راستے سے بھی قرآن میں بہت سے اسمائے الٰہیہ الحسنی آئے ہیں، کہ ان سب اسما نے اس ذات کو معنی کے راستے سے خود سے موصوف کیا۔ البتہ لفظ "اللہ" لفظی وضع کے راستے سے ہے۔

یہ تو واضح ہے کہ اسم اللہ ذات کی پہچان کے لیے ہے، اور اس سے اشتقاق مراد نہیں، حالانکہ اس میں اشتقاق کی بو ہے؛ جیسا کہ عربی زبان کے چند علما کی یہ رائے بھی ہے۔ جہاں تک اسمائے ضمائر کا تعلق ہے تو وہ بلا شک وشبہ ذات پر دلالت کرتے ہیں، اور اصلاً مشتق نہیں جیسا کہ "ھو" "ذا" "أنا" "أنت" "نحن" "إني کی ی" اور "إنك کا کاف" ... یہ سب اسمائے ضمائر، اسمائے اشارات و کنایات ہیں، جو ہر مضمر، مخاطب، مشار الیہ (جس کی طرف اشارہ کیا جائے) اور مکنی عنہ (جس کی جانب کنایہ کیا جائے) وغیرہ کو شامل کیے ہوئے ہیں۔ اس کے باوجود یہ اعلام نہیں، لیکن

Marfat.com

ان کی دلالت اعلام کی دلالت سے بڑھ کر ہے، کیونکہ اعلام بعض اوقات نعوت کے محتاج ہوتے ہیں، جبکہ انہیں ایسی کوئی محتاجی نہیں۔

دوسری قسم: اسمائے صفات

یہ قسم آگے دو اقسام میں تقسیم ہے: ایک صفات معانی کے اسما کا علم، مثلاً اسم الحی، جو حیات سے موصوف ذات کا طالب ہے، علم سے موصوف عالم کہلاتا ہے، قدرت سے موصوف قادر، ارادے سے موصوف مرید، جبکہ سماعت، بصارت اور کلام سے موصوف سمیع بصیر اور شکور کہلاتا ہے۔ یہ سب موصوف سے قائم معانی یا نسبتیں ہیں۔ اس میں اختلاف ہے۔ ان (معانی یا نسبتوں) سے اس پر اسما کا اطلاق ہوتا ہے، اور ان اسما کے ان سے موصوف چیز میں احکام ہیں۔

یہ اسما، اگرچہ کسی صفت سے موصوف ذات پر دلالت کرتے ہیں جو علم اور قدرت کہلاتی ہے، لیکن ان کے مراتب ہیں، مثلاً جس میں صفت علم قائم ہو وہ عالم، علیم، علامہ، خبیر، محصی اور محیط کہلاتا ہے؛ یہ سب اسی کے نام ہیں جو علم سے موصوف ہے، لیکن اس کے عالم ہونے کا مدلول اس کے علیم یا خبیر ہونے کے مدلول کے بر خلاف ہے، (علیم اور خبیر) سے وہ کچھ سمجھ میں آتا ہے جو صرف عالم سے نہیں آتا، بیشک علیم مبالغے کا صیغہ ہے سو یہ عالم سے زائد مفہوم عطا کرتا ہے۔ بیشک جو کوئی معلومات میں سے کچھ جانتا ہے وہ عالم کہلاتا ہے، لیکن اسے علیم یا علامہ اسی وقت کہیں گے جب اِس کے علم کا تعلق بہت سی معلومات سے ہو، اور خبیر اس وقت کہیں گے جب علم کا تعلق آزمالینے کے بعد ہو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ﴾ (محمد: ۳۱) ہم تمہیں آزمائیں گے جب تک کہ ہم جان نہ لیں۔ اسی طرح "المحصی" کا تعلق درست رخ سے معلومات کا احاطہ کرنے سے ہے، یہ علم کا طلب کردہ ایک خاص تعلق ہے۔ اسی طرح "المحیط" کا بھی ایک خاص تعلق ہے؛ یہ معلومات کے ذاتی، رسمی، اور لفظی حقائق کا علم ہے؛ ان میں سے جو (معلومات) متناہی ہیں تو وہ (علم بھی) متناہی ہیں، اور ان میں سے جو لامتناہی ہیں تو ان کا (علم) بھی لامتناہی ہے، بیشک اُس نے علم سے احاطہ کیا کہ وہ لامتناہی ہیں۔ یہاں اہل علم کی ایک بڑی جماعت کے قدم ڈگمگائے۔

Marfat.com

اسی طرح باقی تمام صفات کو بھی لے مثلاً القادر، المقتدر اور القاہر، قدرت ان سب اسما کی طالب ہے، لیکن ان میں فرق ہے، حالانکہ ایک صفت (یعنی قدرت) ہی ان کی طالب ہے۔ بیشک القاہر کسی ایک مخالف کے مقابلے پر ہوتا ہے جبکہ القہار ایک سے زائد مخالفین کے مقابلے پر ہے۔...

ہمیں شریعت میں کلام کے لیے سوائے الشکور اور المجیب کے کوئی اسم الٰہی نہیں ملا۔ شریعت میں ہمیں کلام کے لفظ سے اُس کا کوئی اسم نہیں ملا۔ اسی طرح میرے علم کی حد تک ارادے کے لفظ سے بھی کوئی اسم نہیں، ہاں اِس (ارادے) کے معنی کی حیثیت سے اس کے اسمائے افعال ہیں، وہ فرماتا ہے: ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾ (ھود: ۱۰۷) وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے، اس (ارادے) کے تعلق کا متصور ہونا بہت مشکل ہے، وہ اس کا ارادہ ہے کہ وہ کہتا ہے، اور اس کا کہنا افعال میں سے نہیں، نہ یہ عدمی نسبت ہے اور نہ عدمی صفت۔ اسی طرح قدرت میں بھی یہی متصور ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ کہا جاتا ہے: "حق تعالی اس بات پر قادر ہے کہ وہ اپنے بندوں سے ویسے بات کرے جیسے وہ چاہتا ہے" یہاں ایسا علم ہے جو پہچاننا ضروری ہے، وہ یہ کہ اللہ تعالی نے اپنے ارادے کا تعلق زمانے کے حکم کے ماتحت کیا، سو "جب" کا لفظ لایا جو کہ زمانے کا صیغہ ہے، فرمایا: ﴿إِذَا أَرَدْنَاهُ أَن نَّقُولَ لَهُ كُن﴾ (النحل: ۴۰) جب ہم اس کا ارادہ کرتے ہیں تو اسے کہتے ہیں ہو جا، بعض اوقات وقت مراد ہوتا ہے اور اس میں "جب" کا لفظ درست نہیں ہوتا کیونکہ یہ ابھی ہوا نہیں، کہ اس کا حکم ہو۔ یہ علم اسمائے الٰہیہ کے پوشیدہ علوم میں سے ہے۔

تیسری قسم: اسمائے افعال

یہ تو واضح ہیں جیسے المصور اور مضمن جیسے کہ اس کا کہنا: ﴿وَمَكَرَ اللهُ﴾ (آل عمران: ۵۴) اسمائے افعال سب کے سب اسمائے ارادہ ہیں۔

چوتھی قسم: اسمائے اشتراک

جیسے اس کا اسم "المومن" یا "الرب" المومن تصدیق کرنے والا بھی ہے، المومن امن

Marfat.com

دینے والا بھی ہے۔ الرب مالک بھی ہے، الرب مصلح بھی ہے، الرب آقا بھی ہے، الرب پرورش کرنے والا بھی ہے، اور الرب ثابت بھی ہے۔ (اقسام مکمل ہوئیں)

آخر میں شیخ فرماتے ہیں: اگر اسمائے الٰہیہ میں سے کوئی اسم تیرے ہاتھ آئے تو دیکھ کہ وہ ان مراتب میں سے کس مرتبے پر ہے، اُسے اِس مرتبے کی حیثیت سے پکار، اور اِس مرتبے سے کسی صورت نہ نکال، اس اسم کی ذات پر دلالت سے بھی غافل مت ہو کہ اسی ذات کے لیے تو یہ سب تعریفات ہیں، یوں تو کثرت کی عین میں "احدی العین" ایک عین والا اور الواحد الکثیر ہو گا۔ ... تمام اسما کو اسی حد پر لے جیسا میں نے تجھے بتایا، اور ان کے مراتب سے تجاوز مت کر، حالانکہ تو جانتا ہے اسما اللہ ایک دوسرے کے مترادف نہیں، بلکہ یہ سب الگ الگ حقائق والے ہیں۔ میں نے تجھ پر مختصر انداز میں اہل اللہ کو حاصل معرفت کا پہلا علم واضح کر دیا جس میں تھوڑی تفصیل بھی ہے، اب اسے سمجھ۔ (مخطوط: السفر-۱۵، ص ۷۷ب)

اسمائے حسنیٰ کے مراتب

یہ بھی جان لے کہ اللہ کے اسمائے حسنیٰ اس کثرت پر- جو اِن میں سے جانے گئے اور جو نہ جانے گئے- تین مراتب پر ہیں: ان میں چند ذات پر دلالت کرتے ہیں: جیسا کہ الاوّل و الآخر وغیرہ، کچھ صفت پر دلالت کرتے ہیں: جیسے العلیم، الخبیر، الشکور، القادر وغیرہ، چند فعل پر دلالت کرتے ہیں: جیسا کے الخالق، الرّازق وغیرہ۔ یہاں کچھ اسما، بلکہ اکثر دو یا تین مراتب پر مشتمل ہیں جیسا کہ اسم "الرّب" جو کہ ذات کے لیے ثابت کا معنیٰ رکھتا ہے، فعل کے لیے مصلح کا معنیٰ رکھتا ہے، اور صفت کے لیے مالک کا معنیٰ رکھتا ہے۔ اسما کے ان مراتب کی پہچان کے لیے ہم نے اپنی "کتاب الجداول والدوائر" میں ایک باب رقم کیا ہے، اور وہیں اِن سے متعلق ہونے اور اِن کے معانی تک پہنچنے کی کیفیت بھی بیان کی ہے، اِسے وہاں دیکھ لے۔ (کتاب القسم الالٰہی بالاسم الربانی)

Marfat.com

اسمائے حسنیٰ کی جہت سے حاضرتِ الٰہیہ کا جدول (Table)

اپنی کتاب انشاء الدوائر میں آپ نے اس جدول کا تذکرہ یوں کیا ہے: اللہ تجھے توفیق دے، یہ جان لے کہ علم باللہ رکھنے والوں کو صرف اُس کے وجود اور اُس کے قادر، عالم، متکلم، مرید، حي، قیوم، سمیع اور بصیر ہونے کا علم ہوا، انہیں اِس وجود کے سوا کچھ معلوم نہ ہوا، اور یہ کہ اُس ذات پاک کے لیے اس صفت کی بدولت جس میں وہ فی نفسہ ہے، وہ جائز نہیں جو محدثات پر جائز ہے، اِس صفت کا وجود معقول ہوتا ہے لیکن یہ بیان میں نہیں آتی، اسی لیے اُس پاک ذات کے بارے میں یہ نہیں کہا جاتا کہ وہ کیا ہے؟ کیونکہ اس کی کوئی ماہیت نہیں، اور نہ ہی یہ کہ وہ کیسا ہے؟ کیونکہ اُس کی کوئی کیفیت نہیں۔ در حقیقت اُس کے عالموں کا علم اگر تو غور کرے تو وجود کی حیثیت میں صرف اُس تک اشارہ ہی ہے، یہاں تک کہ جب اللہ چاہے تو اس کے فیصلے کے مطابق مزید کشف اور وضاحت کے لیے رویت واقع ہو۔ اِس جہت سے کہ "وہی معبود ہے اور اُس کے سوا کوئی معبود نہیں" ہم اللہ کو جانتے ہیں، جبکہ حقیقت کی جہت سے - جیسا کہ جوہر کے بارے میں ہمارا علم کہ وہ تقسیم نہیں ہوتا، جگہ گھیرتا ہے اور اعراض کو قبول کرتا ہے - ہم اُسے نہیں جانتے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ (کی ذات) کے بارے میں تفکیر درست نہیں، کیونکہ اُس کی حقیقت عقل میں نہیں سما سکتی، اور اُس کی ذات میں تفکیر کرنے والے کے حق میں تمثیل اور تشبیہ کا ڈر رہتا ہے؛ کیونکہ وہ ذات علم کے احاطے اور قابو میں نہیں آتی اور نہ ہی وصف اور حد میں سما سکتی ہے، اصل تفکیر تو اُس کے افعال اور اُس کی مخلوقات میں ہے۔

جدول أسماء الذات (وہ اسما جو ذات پر دلالت کرتے)

الله	الرب	المَلِك	القدوس	السلام
المؤمن	المهيمن	العزيز	الجبار	المتكبر
العلي	العظيم	الظاهر	الباطن	الكبير
الجليل	المجيد	الحق	المبين	الواجد

Marfat.com

الماجد	الصمد	الأوّل	الآخر	المتعالي
الغني	النور	الوارث	ذو الجلال	الرقيب

جدول أسماء الصفات (وہ اسما جو صفات پر دلالت کرتے)

الحي	الشكور	القادر	القوي	المقتدر
القهار	القاهر	الكريم	الرحمن	الغفار
الرحيم	الغفور	الودود	الرءوف	الحليم
البر	الصبور	العليم	الخبير	المحصي
الحكيم	الشهيد	السميع	البصير	

جدول أسماء الأفعال (وہ اسما جو افعال پر دلالت کرتے)

المبدئ	الوكيل	الباعث	المجيب	الواسع
الحسيب	المقيت	الحافظ	الخالق	الباري
المصوِّر	الوهاب	الرزاق	الفتاح	القابض
الباسط	الخافض	الرافع	المذل	المعز
الحكم	العدل	اللطيف	المعيد	المحيي
المميت	الوالي	التواب	المنتقم	المقسط
الجامع	المغني	المانع	الضار	النافع
الهادي	البديع	الرشيد		

یہی وہ اسمائے حسنیٰ ہیں جو اُس نے ہمیں سمجھانے کی خاطر اپنے لیے اپنی کتابِ عزیز اور اپنے سچے نبی ﷺ کی زبان سے منتخب کیے۔ اِن میں سے چند اُس کی پاک جلال والی ذات پر دلالت کرتے ہیں، لیکن اِس کے ساتھ ساتھ اُس کی صفات یا افعال یا پھر ان دونوں پر اکٹھے بھی دلالت کرتے ہیں، مگر اِن کی ذات پر دلالت زیادہ نمایاں ہے۔ اس طرز کے اسما کو ہم اسمائے

Marfat.com

ذات کہتے ہیں، اگرچہ یہ ہمارے قول کے مطابق بعض صفات، افعال یا پھر دونوں پر ایک ساتھ دلالت کرتے ہوں۔ اسمائے صفات اور اسمائے افعال کے ساتھ بھی ہم نے ظاہر کی رو سے یہی رویہ اپنایا، سوائے اُس اسم کے جس کا داخلہ صرف اسی زمرے میں ہو جس میں ہم نے اسے شامل کیا مثلاً "اسم الرب"؛ اس کا ایک مطلب "ثابت" ہے جو کہ ذات کے لیے ہے، ایک مطلب "مصلح" ہے جو کہ اسمائے افعال میں سے ہے، اور اسی اسم (الرب) کا ایک مطلب "مالک" ہے جو کہ اسمائے صفات میں سے ہے۔

یہ بھی جان لے کہ اِس جدول میں رکھے گئے اسما سے ہماری مراد احاطۂ اسما نہیں، اور نہ ہی یہ کہ یہی کل اسما ہیں۔ ہمارا انہیں اِس خاص ترتیب سے بیان کرنا اس آگاہی کے لیے ہے جس کا تذکرہ ہم آگے کریں گے، انشاء اللہ۔ لہٰذا تو جب بھی اس کے اسمائے حسنیٰ میں سے کوئی اسم دیکھ تو اُسے اُس کے واضح زمرے سے جوڑ اور اِس جدول (Table) کے منتخب خانے میں لکھ، بیشک اسما-ان میں موجود اختلاف کے باعث بھی-بہت سے ہیں، ہم نے یہ جدول بنا کر تیرے لیے ان اسما کا دروازہ کھول دیا ہے جو تیرے نزدیک درست ہیں۔

اس جدول کو وضع کرنے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ بندہ اِن اسما سے متخلق ہو تا کہ اِن (اسما) کی جانب سے اُس کی طرف وہ حقائق لوٹیں جن سے وہ پکارا جائے اور اُن کی جانب- اِن کے اول سے لے کر آخر تک-منسوب کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بے شک آپ ﷺ عظیم اخلاق و کردار کے حامل ہیں﴾ (القلم: ۴) پھر آپؐ کے اخلاق ہمیں بتاتے ہوئے فرمایا: ﴿آپ ﷺ ایمان والوں پر رؤف ورحیم ہیں﴾ (التوبہ: ۱۲۸)

جب تو نے اس جدول سے ہماری مراد اور ترتیب جان لی؛ تو تُو اِن سے متخلق شخص کو بھی جان گیا، جب تو اُس پر کسی خاص وقت میں اسما میں سے کسی اسم کا اثر دیکھے تو اُسے اُس وقت اُس اسم اور اُس حاضرت سے منسوب کر۔ اور کہہ: فلان اِس وقت حاضرتِ افعال میں ہے، اگر وہ اسمائے افعال سے (متخلق) ہو۔ یا پھر فلاں صفت کی حاضرت میں ہے، یا پھر حاضرتِ ذات میں ہے، اُس اسم کی حضرت کے حساب سے جیسا تو چاہے۔ اگر کسی اسم میں ان تینوں حاضرات کے معانی ہوں، تو دیکھ کہ اُس پر اِن تینوں معانی میں سے کون سا معنیٰ غالب ہے، سو اُسے اِسی (معنیٰ)

سے منسوب کر اور اس حال میں اِسی حضرت سے جوڑ، اگرچہ کہ وہ مقام کی حیثیت سے اِس سے اوپر ہی کیوں نہ ہو، لیکن اُس پر اِس حال کے درجے سے حکم لگا۔ مگر ہم میں سے کامل سے اُس شخص کی اصل حالت پوشیدہ نہیں رہتی، اگر وہ اپنے حال سے بلند (مقام) پر ہو، اور اُس سے یہ پوشیدہ نہیں رہتا کہ فلاں شخص نے اس اسم کی خاطر وقت کے مطابق۔جو اس اسم کی قوت کے تابع تھا (اپنے مقام) سے نزول کیا۔ ہم میں سے کامل اِن دونوں کے مابین یوں فرق کرتا ہے، مگر جو کامل نہ ہو تو وہ اِس شخص پر حال سے اِس اسم کا حکم لگاتا ہے، اور اس کے سوا کچھ نہیں جانتا۔ اس جدول کا یہی فائدہ ہے۔ (کتاب انشاء الدوائر)

قرآن وسنت میں وارد اسمائے الٰہیہ

یہ بھی جان لے کہ اہل اللہ اس پاک ذات کے انہی اسما پر بھروسا کرتے ہیں جن سے اس نے خود کو اپنی کتابوں میں یا اپنے رسولوں کی زبانوں سے موسوم کیا۔ اگر ہم اشتقاق یا تعریف کی حیثیت سے اسما کو لیں، پھر تو کثرت کے باعث یہ شمار سے باہر ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلِلَّـهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾ (الاعراف:۱۸۰) اور اللہ کے سب نام اچھے ہیں۔ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے: "بیشک اللہ تعالیٰ کے ننانوے۔سو میں سے ایک کم۔نام ہیں، جس نے ان کا شمار کیا وہ جنت میں داخل ہو گیا" ہم درست طریقے سے ان کو متعین نہیں کرسکتے کیونکہ اس بارے میں وارد تمام احادیث مضطرب ہیں؛ ان میں سے کوئی پوری طرح درست نہیں۔ اور ہر وہ اسم الٰہی جو ہمیں کشف کے راستے سے پتا چلا۔یا جسے بھی پتا چلا۔تو ہم کتاب میں اس کا ذکر نہیں کرتے۔ حالانکہ ہم ذاتی طور پر اِس سے دعا مانگتے ہیں۔کہ ایسا عمل دعوے داروں کے فساد کی طرف لے جائے گا؛ وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں؛ اور ہمارے دور میں ایسے بہت ہیں۔

جب ہم نے حفاظ (حدیث) کی جانچ پڑتال کی تو ہم نے (احادیث میں) حافظ ابو محمد علی بن سعید بن حزم الفارسی جیسی احتیاط کرنے والا کوئی نہ پایا، آپ نے بڑی محنت کے بعد اُن اسما تک رسائی حاصل کی جو میں آگے ذکر کروں گا۔ یہ آپ کا صحیح روایات سے اسما کا شمار ہے۔... ابو محمد بن حزم الفارسی فرماتے ہیں: بیشک اسماء اللہ الحسنیٰ صرف قرآن کریم کی نص اور نبی کریم

ﷺ سے وارد صحیح احادیث سے ہی لینے چاہئیں، اور اس بارے میں ہمارا شمار یہ ہے:

الله الرحمن الرحيم العليم الحكيم الكريم العظيم حليم القيوم الأكرم السلام التواب الربّ الوهّاب الأقوب سميع مجيب واسع العزيز الشاكر القاهر الآخر الظاهر الكبير الخبير القدير البصير الغفور الشكور الغفّار القهّار الجبار المتكبر المصور البر مقتدر الباري العلي الغني الولي القوي الحي الحميد المجيد الودود الصمد الأحد الواحد الأول الأعلى المتعالي الخالق الخلّاق الرزّاق الحقّ اللطيف رءوف عفو الفتّاح المبين المتين المؤمن المهيمن الباطن القدّوس الملِك مليك الأكبر الأعزّ السيّد سُبّوح وتر محسان جميل رفيق المسعّر القابض الباسط الشافي المعطي المقدِّم المؤخِّر الدهر.

یہ ہیں وہ اسما جو ہم نے اپنے شیوخ سے روایت کیے اور انہوں نے اپنے شیوخ سے حتی کہ ابن حزم سے روایت ہوئے۔

ہمارے پاس قرآن اور احادیث میں اور بھی ایسے اسما ہیں جو مضاف کی شکل میں آئے ہیں، یہ ہمارے نزدیک تو اسما ہیں لیکن آپ (یعنی ابن حزم) کے نزدیک یہ اسما نہیں۔ جو اللہ تعالی کے اسماء سے حقیقتاً واقف ہونا چاہتا ہے تو وہ اللہ کے اس قول میں غور کرے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ﴾ (فاطر: ۱۵) اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو۔ در حقیقت وجود میں صرف اس کے اسما ہی ہیں، لیکن موجودات کے اعیان نے بصیرت کی آنکھوں کو ان کے ادراک سے محجوب کر رکھا ہے؛ بیشک صرف وہ پاک ذات ہی "الواقی" (یعنی حفاظت کرنے والی) ہے، لہذا وہ ہر ڈھال سے پردے میں ہے۔ وہ ﴿فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (فاطر: 1) ﴿جَاعِلِ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا﴾ (فاطر: 1) وجاعل ﴿اللَّيْلَ سَكَنًا﴾ (الأنعام: 96) و﴿جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ (البقرة: 30) و﴿نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ (النور: 35) وقيام السموات والأرض وهو "الصبور" و﴿قَابِلِ التَّوْبِ﴾ (غافر: 3) و"السَّرِيعُ الْحِسَابِ" و﴿شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ (غافر: 3) و﴿رَفِيعُ الدَّرَجَاتِ﴾ (غافر: 15) وذُو الْعَرْشِ و"ذو المعارج". میں نے تجھے راہ پر ڈال دیا ہے، یہ صفات کی وہ قسم ہے جو معانی، نسبتوں اور اضافتوں پر دلالت کرتی ہے؛ جیسا کہ الاول والآخر، الظاہر والباطن۔

Marfat.com

اسما، صفات اور نعوت میں فرق

اسما

شیخ فرماتے ہیں: "اسما تو اشخاص پر دلالت کے لیے وضع کیے جاتے ہیں، لازم نہیں کہ اس شخص میں اس اسم کا معنی بھی موجود ہو، یہ اس سب سے مجرد ہیں سوائے عینیت کے۔ اگر کسی اسم کا معنی مسمی میں پایا جائے جس پر وہ اسم بھی دلالت کرتا ہو تو اس کا نام رکھنے کی یہ وجہ نہیں بنی؛ کیونکہ نام رکھنے کی اصل وجہ تو یہ ہے کہ ایک مسمی کا عین دوسرے مسمی سے متمیز ہو۔ یہ اتفاق ہو سکتا ہے کہ کوئی نام مسمی میں ایسے معنی پر دلالت کرے جو اس میں موجود بھی ہو، لیکن نام رکھنے والے کا یہ مقصد نہ تھا۔ اسم نکرہ (اسما اجناس) بھی تو اسم ہے جیسا کہ انسان، فرشتہ، حیوان، گھوڑا وغیرہ، لیکن ان سے مراد جنس ہوتی ہے، یا پھر زید، جعفر یا یہ درخت وغیرہ، یہ شخصیات کے اعیان کے اسما ہیں۔"

اوصاف

اوصاف وہ معانی ہیں جو موصوف میں قائم ہوں، انہیں صفات بھی کہتے ہیں، جیسا کہ عالم وہ شخص ہے جس میں صفت علم قائم ہو، یہ (یعنی صفت علم) عالم کا وصف ہے اس کا نام نہیں، اس کا نام تو مثلاً علی، یزید یا خالد ہے، یہ ہے اِس کا وہ نام جو خاص اس کی عین پر دلالت کرتا ہے۔ اگر شروع سے ہی اس کا نام عالم رکھ دیا جاتا جیسا کہ یزید یا علی رکھا گیا تو نام رکھنے والے کا ہر گز مقصد یہ نہیں تھا کہ اس کا نام عالم اس وجہ سے رکھا جائے کیونکہ اس میں صفت علم موجود ہے یا اُس کا یہ گمان کہ (یہ صفت) کبھی (تو اس میں) موجود ہو گی، یا یہ حیوان ناطق ہے لہذا کچھ نہ کچھ علم تو رکھتا ہی ہو گا۔ ہم اس بات کو جائز سمجھتے ہیں کہ کسی پتھر یا درخت کا نام عالم رکھ دیا جائے، اس لیے نہیں کہ یہ (درخت یا پتھر) صفت علم کو قبول کرتا ہے اور نہ اس لیے کہ یہ (صفت) پہلے سے اس میں موجود ہے۔ لہذا جب نام رکھنے والے کو ایسا گمان پیدا ہوا تو وہ در حقیقت نام نہیں رکھ رہا بلکہ اِس کا وصف بیان کر رہا ہے۔ اِسی طرح ہر وہ نام جو اشتقاق عطا کرے اور مسمی میں قائم معنی پر

Marfat.com

دلالت کرے تو وہ در حقیقت وصف ہے، اور نام رکھنے والا واصف ہے (یعنی وصف بیان کر رہا ہے (نام نہیں رکھ رہا)، اور اس سے مراد صفت ہے، عین (کا بیان) اِس صفت کی حیثیت سے ہے اُس کی ذات کی حیثیت سے نہیں۔ اسم اور صفت کے درمیان یہی فرق ہے۔

اسی طرح باری تعالی کے وہ خاص اسما جن پر اتفاق نہ ہو کہ یہ کسی بھی چیز سے مشتق ہیں مثلاً "اللہ" اور "الھو" تو انہیں مجرد ذات پر دلالت کرنی چاہیے، محققین کے نزدیک یہی درست ہے۔ اسی لیے تو انہوں نے اسے "اسم اعظم" بنایا؛ کیونکہ یہ نہ ذات کے کسی معنی سے مقید ہوتا ہے اور نہ ہی احکام ذات کے کسی حکم سے، اِس کی دلالت تو صرف عین ذات پر ہے، برخلاف "اسم القادر"؛ کیونکہ یہ اسم ذات کے ایک معنی پر دلالت کرتا ہے جسے قدرت کہتے ہیں، یا مذہبِ نفاۃ میں احکام ذات کے کسی ایک حکم پر دلالت کرتا ہے۔ الحی، المرید، السمیع، البصیر، الکریم اور الرحیم بھی اسی طرح ہیں۔ اسی لیے تو اس نے کہا: ﴿اللہ کے تمام نام بہترین ہیں﴾ (الاعراف:۱۸۰) جیسا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے: نام رکھنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ اشخاص الاجناس کے اعیان متعین ہوں تاکہ سننے والے کے سامنے جب اس غیر موجود کا ذکر کیا جائے تو اس کا ابہام دور ہو، کنایات بھی اسی لیے ہیں۔ اسی وجہ سے جب اسما میں اشتراک واقع ہوتا ہے تو اسم کا مقصود مٹ جاتا ہے، یوں انہوں نے نعوت اور کنایات کا اضافہ کیا؛ یعنی کہ وہ اس جیسا ہے اور اس جیسا نہیں۔ باری تعالی اپنی مخلوق کے ساتھ کسی چیز میں مشترک نہیں، نہ ہی یہاں (اس کے سوا) اور معبود ہیں اور نہ ایسا ہونا درست ہے۔ چنانچہ اس کے اسمائے حسنی - اس حیثیت میں کہ وہ اس کے ہاں احکام ہیں یا (ان اسما کے) اُس میں معانی ہیں - کو صفات کہتے ہیں۔ لہذا یہ شک نہ کر کہ یہ اسم جو خاص ہمارے نزدیک عین کا طالب ہے اُس کے دوسرے اسم سے برتر ہے۔

پھر اس کے اسمائے حسنی میں تیرا گمان اس بات سے بھی خالی نہیں کہ کیا تو اس کے کلام سے ان اسما کی بات کر رہا ہے یا ہمارے (مطلب اپنے) کلام سے؟ اگر تیری مراد وہ اسما ہیں جو اس نے خود اپنے کلام میں اپنے لیے چنے تو ان کے مقابل کوئی چیز نہیں اور نہ ہی یہ کسی چیز سے متصف ہوتے ہیں، اور نہ ہی اس نے اپنی ذات سے زائد کسی چیز کے لیے یہ نام رکھے۔ لیکن اگر تیری مراد آسمانی کتابوں میں وارد اُن اسما سے ہے جن کا اطلاق اس نے عالم عبارات و الفاظ - جو کہ

Marfat.com

ہمارے وجود سے ہے - میں اپنے لیے کیا، تو ان اسما کی خوبی بہترین ہونا ہے۔ اور ہم اس بارے میں بھی شک نہیں کرتے کہ اس کے اسما ازل سے ہیں کیونکہ وہ (ازل سے) متکلم ہے؛ کیونکہ یہ کلام کے احکام سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسما کے باب میں تو بات لمبی ہو جاتی ہے، ہم نے اس بارے میں ایک مستقل کتاب بھی لکھ رکھی ہے۔

نعوت

جہاں تک "نعوت" کا تعلق ہے تو ان کے، "اسما" کے اور "اوصاف" کے درمیان فرق یہ ہے کہ یہ (یعنی نعوت) ایسے الفاظ ہیں جو ذات منعوت (خوبیوں والی ذات) میں قائم معنی کی طرف دلالت نہیں کرتے، اور نہ ہی یہ اسما ہیں؛ کیونکہ اسما اس کے لیے ہوتے ہیں جو ان اسما کے معانی سے متصف ہو اور وہ اسم سے موسوم ہوتا ہے اور اس سے پہچانا جاتا ہے۔ "نعوت" ایسے الفاظ ہیں جو اضافت کے اعتبار سے ذات پر دلالت کرتے ہیں، اسی لیے ہم انہیں "اسمائے اضافت" کہتے ہیں جیسا کہ "اول"؛ بیشک اس سے اولیت کی نفی واجب ہے اور یہ لازم ہے، لہٰذا جب ہم نے اسے "اولیت" سے موصوف کیا تو اپنی اعیان کے وجود کا اعتراف کیا، یا جیسا کہ ہمارے حدوث کے مقابل اس ذات کا قدیم ہونا، بلاشبہ باری تعالی وجودِ مطلق ہے جس کا نہ کوئی اول ہے نہ آخر، حقیقت میں وہی "وہ" ہے۔ (کتاب الازل)

اسما کی دلالت

سعاد الحکیم لکھتی ہیں: بیشک اسم دو طرح سے دلالت کرتا ہے:

۱. مسمی پر دلالت
۲. اور اس کی حقیقت پر دلالت

مسمی پر دلالت سے مراد ذات پر دلالت ہے، جبکہ اسم کی اپنی حقیقت پر دلالت یہ ہے کہ ہر اسم کی ایک حقیقت ہے جو اسے دیگر اسما سے متمیز کرتی ہے، پس "اسم المعز" "اسم المذل" سے جدا ہے اور "العالم" "المرید" اور "القادر" جیسے اسما بھی اپنی اپنی مخصوص حقیقت رکھتے ہیں۔

Marfat.com

لہٰذا اسمائے الٰہیہ اپنی اس کثرت کے باوجود مترادف نہیں۔

آپ فرماتے ہیں: "اسم کی دلالت دو طرح سے ہے اور اس کے دو تعلق ہیں:

۳۔ پہلا تعلق اس کا ایک مسمی پر دلالت کرنا ہے جس میں تمام اسما بغیر کسی اضافی معاملے کے جمع ہوئے۔

۴۔ اور دوسری وہ دلالت جن کی بدولت اسما معانی (یعنی حقائق اسما) سے جدا ہوتے ہیں۔"

(مطبوع: جلد-۴، ص ۳۶۹)

فصوص الحکم میں لکھتے ہیں: "ابو القاسم ابن القسّی نے اپنی کتاب "خلع النعلین" میں اپنے اس قول سے اسی جانب اشارہ کیا کہ "ہر اسم الٰہی نہ صرف تمام اسمائے الٰہیہ سے موسوم ہو سکتا ہے بلکہ ان سے موصوف بھی ہو سکتا ہے۔" وہ اس طرح کہ ہر اسم، ذات اور اُس معنی پر دلالت کرتا ہے جو اس کے لیے لایا گیا یا جس کا وہ طالب ہے۔ ذات پر دلالت کی حیثیت سے اِس (اسم) کے تمام اسما ہیں اور معنی پر دلالت کی حیثیت سے وہ (اسم) دیگر اسما سے جدا ہے؛ جیسا کہ "الرب" "الخالق" "المصور" وغیرہ۔" (فصوص الحکم - فص حکمہ قدوسیہ فی کلمہ ادریسیہ)

فتوحات مکیہ میں اسی نقطے کی وضاحت کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا﴾ (مریم: ۸۵) جس روز ہم پرہیزگاروں کو الرحمن کے سامنے وفد کی صورت میں جمع کریں گے۔ اُسے کیسے اُس کے پاس لایا جا سکتا ہے جو بذات خود اس کے ساتھ اور اس کے قبضے میں ہو؟ ایک روز ابو یزید بسطامی نے کسی قاری کو یہ آیت پڑھتے سنا کہ: ﴿يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَٰنِ وَفْدًا﴾ (مریم: ۸۵) جس روز ہم پرہیزگاروں کو الرحمن کے سامنے وفد کی صورت میں جمع کریں گے، تو رونے لگے حتیٰ کہ آپ کے آنسو منبر پر جا گرے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ کی آنکھوں سے خون کا چھینٹا اڑ کر منبر کو لگا اور آپ نے ایک چیخ ماری اور بولے: بڑی عجیب بات ہے کیسے اس شخص کو الرحمن کے پاس لایا جائے گا جو کہ پہلے ہی اس کے ساتھ ہے؟!

جب ہمارا دور آیا اور ہم سے اس بارے میں پوچھا گیا تو میں نے کہا: عجیب بات تو ابو یزید بسطامی کا قول ہے! یہ جان لو کہ متقی (یعنی صاحب وقایہ: اپنی حفاظت کرنے والا) تو اسم الجبار کے

پاس ہوتا ہے، تاکہ اس شدید پکڑ سے خود کو بچا سکے۔ اسم الرحمن، الرحمن ہونے میں پکڑ نہیں کرتا؛ بلکہ اس کی عطا تو نرمی، لطف، معافی اور مغفرت ہے۔ اسی لیے اسم الجبار- جو کہ ہیبت اور پکڑ سے عبارت ہے- سے انہیں اسم الرحمن کی طرف لایا جائے گا، بیشک (اسم الجبار) دنیا میں متقین کا ساتھی ہے کیونکہ وہ متقین ہیں (یعنی خود کو اس کی پکڑ سے بچاتے ہیں)۔

تجھے تمام اسمائے الٰہیہ کو اس طرح سے لینا چاہیے، یہ جہاں بھی وارد ہوئے تو انہیں نبوات کی زبانوں میں اسی طرح پائے گا۔ اگر تو کسی اسم کی حقیقت اور اس کا دیگر اسما سے جداگانہ تشخص چاہتا ہے تو (جان لے کہ) ہر اسم کی دلالت دو طرح سے ہے: ایک مسمی بہ پر دلالت، اور دوسری اس حقیقت پر دلالت جس سے وہ دیگر اسما سے متمیز ہے، یہ سمجھ! (مخطوط: السفر-۳، ص ۱۰۱)

اسمائے الٰہیہ سے کائنات کی ابتدا

شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۴ میں فرماتے ہیں: (اے دوست!) اللہ ہمیں، تمہیں اور تمام مسلمانوں کو سمجھ دے، یہ جان لے کہ اہل کشف و حقائق میں سے اکثر علما باللہ اس کائنات کی ابتدا کے علم سے واقف نہیں، ہاں وہ صرف اتنا جانتے ہیں کہ قدیم کے علم کا تعلق اس کی ایجاد سے ہے؛ اور اس نے وہ کچھ تخلیق کیا جو اس کے علم میں تخلیق ہونا تھا۔ اکثر لوگ بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں، جبکہ ہم- یا ہم جیسے وہ احباب جنہیں اللہ نے وہ علم دیا جو ہمیں دیا- اس کے علاوہ دیگر بہت سے امور سے بھی واقف ہیں۔ اگر تو اس کائنات، اس کے حقائق اور نسبتوں پر تفصیلی غور کرے گا تو تو اسے حقائق اور نسبتوں سے محصور، منازل اور مراتب میں معلوم، متماثل اور مختلف اجناس میں متناہی پائے گا۔ اگر تو اس سب سے واقف ہوا تو تجھے پتا چلے گا کہ اس سب کا ایک لطیف راز اور عجیب معاملہ ہے، جس کی حقیقت تک باریک فہمی اور فکر و تامل سے نہیں پہنچا جا سکتا؛ بلکہ علوم کشف میں سے موہوب علم اور دھیان والے مجاہدات کے نتائج سے ہی اِسے جانا جا سکتا ہے۔ بیشک دھیان کے بغیر مجاہدے سے کچھ حاصل وصول نہیں ہوتا، اور نہ ہی وہ کوئی علم دیتا ہے، وہ تو صرف حال پر اثر کرتا ہے جو انسان کے دل کو رقیق اور صاف کرتا ہے جسے صاحب

Marfat.com

مجاہدہ خود میں محسوس کرتا ہے۔

اے دوست! اللہ تجھے حکمتوں کے رموز سے آگاہی بخشے اور "جوامع الکلم" عطا کرے، یہ جان لے کہ بیشک اسمائے حسنیٰ -جو تعداد میں تو اسمائے احصا سے بڑھ کر ہیں لیکن سعادت بخشنے میں ان سے کم تر ہیں- ہی اس عالم میں اثر انگیز ہیں، یہی تو وہ پہلی چابیاں ہیں جسے ان کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ (مخطوط: السفر-۲، ص ۳۳ب)

شیخ فرماتے ہیں: جب اسما حاضرت مسمیٰ (یعنی ذات) میں جمع ہوئے، اور انہوں نے اپنے حقائق اور معانی پر غور کیا، تو اپنے احکام کے ظہور کا مطالبہ کیا تاکہ ان (اسما) کے اعیان اِن کے آثار سے متمیز ہو سکیں، کیونکہ اسم الخالق ہی المقدر، العالم، المدبر، المفصل، الباری، المصور، الرازق، المحیی، الممیت، الوارث اور الشکور ہے۔ جب تمام اسمائے الٰہیہ نے اپنی ذوات میں غور کیا، اور مخلوق، نظر نہ آئی، جس کی وہ تدبیر کریں، جس کی تفصیل کریں، جس کی تصویر بنائیں، جس کو رزق دیں، تو بولے: اب ان اعیان کو ظاہر کرنے کے لیے کیا کیا جائے جن میں ہمارے احکام کا ظہور ہے؛ تاکہ ہماری قوت یا حجت بھی ظاہر ہو۔

لہٰذا وہ اسمائے الٰہیہ جن کا تقاضا چند حقائق کائنات اپنے ظہور پذیر ہونے کے بعد کرتے، وہ اسم الباری کے حضور پیش ہوئے اور التجا کی: آپ ان (اعیان) کو وجود بخشیں تاکہ ہمارے احکام کا ظہور اور ہماری قوت کا ثبوت ہو، کیونکہ جس حاضرت میں ہم ابھی ہیں وہ تو ہماری تاثیر قبول نہیں کرتی؟ اسم الباری نے کہا: یہ معاملہ تو اسم القادر سے متعلق ہے اور میں خود اس کے زیر اختیار ہوں۔

اس سارے معاملے کی اصل یہ ہے کہ اِن ممکنات نے اپنی حالتِ عدم میں اسما سے اپنی ذلت اور محتاجی والی حالت کا سا سوال کیا، اِن سے بولیں: اس میں کوئی شک نہیں کہ عدم نے ہمیں ایک دوسرے کے ادراک اور اس معرفت سے اندھا کر رکھا ہے جو تمہارا ہم پر واجب حق ہے، اگر تم (یعنی اسما) ہمارے اعیان کو ظاہر کرو اور ہمیں زیورِ وجود سے آراستہ کر دو تو یہ تمہارا ہم پر انعام ہو گا، پھر ہم بھی اس طرح سے تمہاری بزرگی اور عظمت کے گن گائیں گے جیسا کہ ہونا چاہیے۔ اور تمہیں بھی صحیح قوت اسی وقت حاصل ہو گی جب ہم بالفعل ظاہر ہوں گے، آج تو تم

Marfat.com

ہم پر صرف قوت اور صلاحیت سے حاکم ہو، ہماری تم سے یہی استدعا ہے، جس میں ہم سے زیادہ تو خود تمہارا فائدہ ہے۔ اسما بولے: یہ ممکنات ٹھیک ہی تو کہہ رہے ہیں، سو وہ اس طلب کو پورا کرنے میں سرگرم ہو گئے۔

پھر جب وہ اسم القادر کے پاس التجا لے کر پہنچے تو القادر بولا: میں تو اسم المرید کے ماتحت ہوں، اور میں اس کی مرضی اور تعین کے سوا تم میں سے کسی عین کو ایجاد نہیں کر سکتا، کوئی ممکن خود سے مجھے یہ اختیار نہیں دیتا، ہاں جب تک کہ اس کے رب کی طرف سے حکم والے کا حکم نہ آ جائے، پس جب وہ اُسے تکوین (یعنی وجود بخشنے) کا حکم دے اور "کن" کہے تو وہ مجھے خود سے یہ قوت دیتا ہے اور میں اِسے ایجاد کرنے میں سرگرم عمل ہوتا ہوں، اور اسی لمحے اِسے ایجاد کر دیتا ہوں۔ سو تم سب اپنی عرض لے کر اسم المرید کے پاس جاؤ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے جانب وجود کو جانب عدم پر ترجیح دے کر تمہیں اختصاص بخشے۔ اس وقت میں "الآمر" اور "المتکلم" مل کر تمہیں وجود بخشیں گے۔

وہ یہ التجا لے کر اسم المرید کے پاس پہنچے، اس سے بولے: ہم نے اپنی اعیان کے ایجاد کی درخواست اسم القادر سے کی تو اس نے یہ معاملہ آپ کے سپرد کیا، اب آپ کی کیا رائے ہے؟ المرید بولا: القادر نے سچ کہا، لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ تمہارے بارے میں اس العالم کا کیا کہنا ہے، کیا تمہیں ایجاد کرنے کا اسے پیشگی علم ہے کہ میں اس کی منظوری دوں یا نہیں؟ کیونکہ میں اسم العالم کے ماتحت ہوں، لہذا تم سب اس کے پاس جاؤ اور یہ مسئلہ اس کے سامنے اٹھاؤ۔

پھر وہ سب اسم العالم کے پاس گئے اور انہیں اسم المرید کی بات بتائی، العالم بولا: المرید نے سچ کہا، میرے پیشگی علم میں تمہاری ایجاد ہے، تاہم ادب کا خیال۔ ملحوظ خاطر۔ رکھنا اولیٰ ہے، ہم تمام اسما پر ایک نگران حاضرت بھی ہے، اور وہ اسم اللہ ہے۔ سو ہم سب کو اس کے حضور جانا چاہیے؛ کیونکہ وہ حاضرت جمع ہے۔

پھر سب اسما حاضرتِ اسم اللہ میں جمع ہوئے، وہ بولا: مسئلہ کیا ہے؟ انہوں نے ساری بات بتائی۔ بولا: میں تم سب اسما کے حقائق کا جامع ہوں، میں مسمّٰی (یعنی ذات) پر دلیل ہوں اور وہ تمام صفات کمال اور تنزیہ کی حامل مقدس ذات ہے۔ تم سب یہیں رکو تاکہ میں اپنے مدلول

Marfat.com

(ذات حق) کے پاس جاؤں۔ پھر اسم اللہ اپنے مدلول (یعنی ذات حق) کے سامنے پیش ہوا، ممکنات کی بات اور اسما کی گفتگو سب کچھ ذات کے سامنے بیان کیا۔ ارشاد ہوا: باہر جا اور ہر اسم سے یہ کہہ کہ وہ اپنی حقیقت کے تقاضے کے مطابق ممکنات سے تعلق بنا لیں، میں اپنی ذات کے لیے اپنی ذات میں واحد ہوں، یہ ممکنات میرا مرتبہ چاہتی ہیں اور میرا مرتبہ انہیں چاہتا ہے۔ یہ تمام اسما تو مرتبے کے لیے ہیں، میرے (یعنی ذات) کے لیے نہیں۔ سوائے خاص "الواحد" کے؛ وہ مجھ سے مخصوص ایک نام ہے، کہ کسی بھی رخ سے اس کی حقیقت میں میرا کوئی شریک نہیں: نہ اسما سے، نہ مراتب سے اور نہ ہی ممکنات سے۔

لہٰذا اسم اللہ باہر آیا اور اس کے ساتھ اسم المتکلم تھا جس نے ممکنات اور اسما کے سامنے ذات کی ترجمانی کی، ان سے وہ سب ذکر کیا جو اسے مسمی (یعنی ذات) نے کہا تھا۔ پھر العالم المرید القائل اور القادر اپنے کام میں لگے اور ممکنات میں سے پہلے ممکن کا ظہور المرید کے اختصاص اور العالم کے حکم سے ہوا۔ (مخطوط: السفر-۵، ص ۱۴)

ظہور اعیان کے بعد ان کی بقا

پھر جب موجودات میں اعیان اور آثار کا ظہور ہوا، اور ان میں سے بعض نے بعض پر تسلط جمایا اور بعض نے بعض کو اپنے قابو میں کیا؛ یہ اُس حساب سے کہ جن اسما پر بھروسا کیا گیا تو یہ بات باہمی نزاع اور فساد کا باعث بنی۔ وہ بولیں: اب تم ہمیں خود پر خوف آتا ہے کہ کہیں ہمارا یہ نظام ہی تباہ و برباد نہ ہو جائے، اور ہم دوبارہ سے اسی عدم میں نہ چلے جائیں جہاں ہم پہلے کبھی تھے۔ سو ممکنات نے اسما کو اس بات سے آگاہ کیا جو انہیں اسم العلیم اور المدبر نے بتائی، وہ بولیں: اے اسما! اگر تم سب اپنا حکم ایک معلوم میزان اور پہلے سے متعین حد پر رکھو اور اپنا ایک امام بنا لو کہ جس کے پاس جب تم لوٹو تو وہ ہمارے اس وجود کی حفاظت کرے، اور تمہارے لیے ہم میں تمہاری تاثیرات کا محافظ ہو، تو یہ عمل ہم دونوں کے لیے بہتر ہے؛ اسم اللہ کے پاس جاؤ، ہو سکتا ہے کہ وہ تمہارے لیے کوئی ایسی حد بنا دے جس پر تم سب کا اتفاق ہو، اگر ایسا نہ ہوا تو ہم ہلاک (نابود) ہو جائیں گے اور تم معطل ہو جاؤ گے۔ اسما بولے: یہ تو عین مصلحت اور بہترین رائے ہے۔

Marfat.com

لہٰذا انہوں نے ایسا ہی کیا، پھر بولے: بیشک اسم المدبر ہی اس معاملے میں آخری فیصلہ کرے گا، سو اس معاملے کا فیصلہ کرنے والے کے پاس چلو، وہ بولا: میں حاضر ہوں۔

وہ اسم الرب کے پاس اندر گیا اور حکم حق کے ساتھ باہر آیا، اسم الرب نے کہا: اعیان ممکنات کی بقا جس مصلحت کی متقاضی ہے اس پر عمل کر۔ اور اپنے ساتھ دو وزیر چن لے جو اس حکم پر عمل در آمد میں تیرے معاون ہوں؛ پہلا وزیر اسم المدبر اور دوسرا وزیر اسم المفصل۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ﴾ (الرعد: ۲) وہی معاملے کی تدبیر اور آیات کی تفصیل کرتا ہے تاکہ تمہیں اپنے رب سے ملاقات کا یقین ہو۔ یہاں رب ہی امام ہے۔ غور کر کہ اللہ کا کلام کتنا کامل ہے؛ اللہ تعالیٰ نے اس حال کے مطابق الفاظ استعمال کیے جس پر یہ معاملہ ہونا چاہیے تھا۔

پھر اسم الرب نے ان کے لیے حدود کا تعین کیا اور مملکت کی اصلاح کے لیے رسومات وضع کیں، تاکہ وہ انہیں آزمائے ان میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے، اور اللہ نے اس کی دو قسمیں بنائیں: پہلی قسم کا نام عقلی سیاست رکھا، اسے بڑے لوگوں کی جبلت میں القا کیا؛ سو انہوں نے اپنے نفوس میں حاصل اس قوت سے قانون سازی کی اور حدود وضع کیں؛ ہر شہر، جہت، براعظم والوں نے اپنے علاقوں اور مزاج کے مطابق ایسا کیا، کیونکہ وہ حکمت کی عطا جانتے تھے۔ ان حدود سے لوگوں کے مال، جان، اہل و عیال، رشتہ داروں اور نسلوں کا تحفظ ہوا، انہوں نے اس کا نام "نوامیس" Civil Law رکھا۔ نوامیس کا مطلب ہے: خیر کے اسباب؛ کیونکہ عرف اصطلاحی میں ناموس کا مطلب "خیر لانے والی چیز ہے۔"...

یہ ہیں وہ پر حکمت نوامیس جو اہل خرد نے اللہ کی جانب سے دنیاوی مصلحت، اس کے نظم اور ارتباط کے لیے الہام سے ان احکام میں وضع کیں جہاں ان کے پاس نازل شدہ کوئی شرعی خدائی رہنمائی نہ تھی، لیکن انہیں اس کا شعور نہیں۔ ان نوامیس کے وضع کرنے والوں کو یہ علم نہیں کہ یہ امور اللہ کی قربت کا باعث ہیں، نہ یہ جنت میں لے جاتے ہیں نہ دوزخ میں، اور نہ ہی آخرت میں کسی کامیابی کا سبب ہیں۔ انہیں تو یہ بھی علم نہیں کہ کوئی آخرت بھی ہے، جس میں موت کے بعد طبعی اجسام حسی شکل میں دوبارہ زندہ کیے جائیں گے، ایک ایسا عالم ہو گا جہاں کھانا

پینا، پہننا، نکاح اور خوشی ہوگی، اور ایک ایسا عالم ہوگا جو عذاب اور تکالیف سے بھرا ہوگا۔۔۔ اسی لیے ان کی نوامیس اور مصلحتوں کی بنیاد صرف اس دنیاوی عالم کی صلاح ہے۔ (مخطوط: السفر-۵، ص۱۵ب)

آگے فرماتے ہیں: اس عالم میں شریعت وضع کرنے کا سبب اور بنیاد اس عالم کی صلاح ہی ہے، اور اللہ کے بارے میں وہ کچھ جانا جائے جو اب تک نہیں جانا گیا اور جو عقل نے قبول نہیں کیا؛ مطلب جو عقل صرف غور وفکر سے نہیں جان سکتی۔ تمام آسمانی کتابیں اسی معرفت کو لے کر اتریں، تمام انبیا اور رسولوں نے یہی بیان کیا، اس وقت اہل عقل کو پتا چلا کہ انہیں علم باللہ کے ان معاملات کا علم نہیں تھا جو رسولوں نے بتائے۔ (مخطوط: السفر-۵، ص۱۸)

اسمائے الٰہیہ کا بندے پر حکم

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اشیا میں اسما کا حکم انہی اشیا کا (یہ حکم) قبول کرنے کی استعداد سے ہے، اور ان کا یہ قبول کرنا اس حالت سے ہے جس میں وہ خود میں اپنی ذات سے ہیں۔ بیشک وہ کسی معاملے کو ثابت کرنے والے خارجی اسباب مکلف میں موجود ان داخلی اسباب کے مقابلے سے عاجز ہیں۔۔۔ جس نے اسما کو اس نظر سے دیکھا، تو وہ جانتا ہے کہ وہ کیسے خود میں ان کا تصرف قبول کرتا ہے، اور اپنی ذات سے اِن کے لیے وہ کچھ متعین کرتا ہے جو اِن کے لائق ہے، یہ سب شہود، واضح دلیل اور علم صحیح پر ہے۔ اور اسی سے وہ متمیز ہوا؛ کیونکہ اس معاملے میں وہ ایسا ہی ہے۔ وہ اس سے وہ لیتا ہے جو اس کے لائق ہے، لیکن ہر ایک تو یہ علم نہیں رکھتا۔ اور اسی لیے لوگوں کے درجات میں فرق ہے: اللہ نے بعض کے درجات بعض سے بلند کیے۔ اور جو اسما کو اس نظر سے دیکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ اسما کیسے اس کے سوا اوروں میں تصرف رکھتے ہیں۔ ... کیا تو نے غور نہیں کیا کہ جب محال میں ممکن کی طرح وجود قبول کرنے کی استعداد نہ تھی تو وہ وجود پذیر نہ ہوا... اور جب ممکن میں وجود قبول کرنے کی ذاتی استعداد تھی تو اس نے وجود کو قبول کیا۔ (مخطوط: السفر-۱۰، ص۲۶)

شیخ اکبر فرماتے ہیں اس کائنات میں ظاہر ہر معاملہ کسی اسم الٰہی کے حکم کا اظہار ہے: نبی

Marfat.com

کریم ﷺ کا ارشاد ہے: اگر تم لوگ گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسی جماعت لے آئے جو گناہ کریں اور مغفرت طلب کریں تو اللہ انہیں بخش دے۔ آپؐ نے اس جانب توجہ دلائی کہ اس کائنات میں واقع ہونے والا ہر معاملہ کسی اسم الٰہی کے حکم کا ظہور ہے۔ اور اگر معاملہ یوں ہی ہے تو پھر امکان میں اس سے بہتر اور کامل عالم نہیں ہو سکتا، ہاں اس جیسا ہو سکتا ہے۔ یہ جان کہ یہی مخلوق میں اس کا فعل ہے۔ جہاں تک اس مسئلے کا عام جواب ہے تو یوں کہنا چاہیے کہ مخلوق میں اس کا فعل اسی طور پر ہے جس پر مخلوق اپنے تمام احوال میں قائم ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۲، ص ۱۲۲)

اسمائے الٰہیہ کی عدالت

شیخ اکبر فتوحات میں فرماتے ہیں: اسی طرح جب کوئی اسم کسی وقت بندے پر حاکم ہو، اور کوئی دوسرا اسم اس (بندے) کو طلب کرے تو اس کا اس بندے پر حکم نہیں چلتا، اور بندے کے لیے یہی بہتر ہے کہ وہ اس اسم الٰہی سے اس وقت تک تعلق نہ توڑے جب تک کہ اس کا حکم اس پر باقی ہے جس سے وہ اس کا طالب ہے۔ پھر جب اس پہلے اسم کا حکم ختم ہو جائے تو وہ نہایت ادب سے اس دوسرے اسم کو قبول کرے جو اس کا طالب ہوا، دنیا اور آخرت میں یہ معاملہ یونہی ہے۔

مثلاً اگر کسی شخص پر کسی فعل کے سبب اسم التواب کا حکم ہوا، اور اس گناہ کے باعث کچھ اسمائے الٰہیہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے، اور المنتقم نے کہا: اِس پر حکم لگانے کا میرا زیادہ حق ہے۔ جبکہ الرّاحم اور الغفار بولے: زیادہ حق ہمارا ہے۔ اس صورت میں اس گناہگار کی حالت میں اسما ایک دوسرے کے آمنے سامنے آگئے: یعنی کہ کون سا اسم الٰہی اس پر اور اس میں حکم لگائے گا؟ تو انہوں نے وہاں اسم التواب کو پایا۔ یہاں پر اسم الراحم کی قوت اسم المنتقم سے بڑھ گئی، اسم الراحم بولا: اس جگہ یہ (یعنی اسم التواب) میرا نائب ہے، کیونکہ اگر میں اس پر رحم نہ کرتا تو یہ نائب بھی نہ ہوتا۔ یوں المنتقم اپنی طلب سے دور ہٹا اور اس نے معاملہ اسم الراحم کے سپرد کیا۔...

اگر اس جگہ اسم الخاذل بھی آجائے، جو کہ مخالفت کرتے وقت اس کا بندے میں حاکم ہونا

Marfat.com

ہے، تو اس صورت میں اسما کا ٹکراؤ عظیم اور شدید ہو گا؛ کیونکہ یہ اس عمل کی طلب ہے۔ اسم الخاذل کا ان دونوں اسما سے وہ مسلسل تعلق ہے جس کا ان دونوں کو شعور نہیں کہ ان دونوں نے کیا کیا۔ الراحم کہتا ہے: بیشک الخاذل نے مجھے بلایا، اور وہ المنتقم کے مقابلے میں میرا حمایتی ہو گا۔ جبکہ المنتقم کہتا ہے: اس نے مجھے بلایا ہے اور الراحم کے مقابلے میں وہ میری مدد کرے گا، لیکن جب یہ دونوں اُس کے سامنے آئے تو انہیں وہ ان دونوں کی مدد کرتا نہ دکھا۔

اگر تو یہاں اسم الخاذل کا فیصلہ کفر تھا، تو پھر اسم الٰہی "العدل الحکم" آیا تاکہ وہ ان دو مقابل اسما کا فیصلہ کر سکے: ایک الراحم اور اس کے بھائی، اور دوسرا المنتقم اور اس کے بھائی۔

وہ بولا: اسم اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم دونوں کے مابین فیصلہ کروں، یہ اس کا کہنا ہے: ﴿فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا﴾ (الحجرات:۹) ان دونوں کے مابین عدل اور انصاف سے صلح کرادو۔ وہ اسما کے ان دونوں گرہوں سے کہتا ہے: اس بندے کی آخری وقت تک نگرانی کرو، اگر اس کی موت حالت کفر میں ہو تو اسے المنتقم کے سپرد کر دینا، اور اے الراحم اور اس کے بھائیو! پھر تم اس سے دور رہنا۔ الراحم بولا: بیشک رحمت غضب سے پہلے ہے، پہلا حق تو میرا ہے تو میں کیوں دور رہوں۔ العدل بولا: یہاں پہلے ہونا مدت حیات ختم ہونے تک ہے اور بعد والی مدت کی تو کوئی انتہا نہیں۔ سو اس وقت تک اسے المنتقم کے سپرد کر دے جب تک کہ مخالفت اور خذلان کی مقدار کے مطابق مدت نہ گزر جائے۔ یہی اس مدت کی انتہا ہو گی۔ پھر جب یہ مدت پوری ہو گئی تو تو دوبارہ سے مطالبہ کر سکتا ہے، پھر اس وقت اللہ جو چاہے فیصلہ کرے۔ اگر اس نے مجھے دوبارہ سے فیصلہ کرنے والا بنایا تو میں اپنے علم کے مطابق فیصلہ کروں گا، اور اگر مجھے اس بارے میں المفضل اور المنعم کی ضرورت پیش آئی اور اس نے ان کو بھی حاکم بنایا تو وہ بھی اسی طرح فیصلہ کریں گے۔

لیکن اگر اسم الخاذل کا حکم اس جگہ کفر نہ تھا، جبکہ صرف گناہ تک بات رہی، اور ان اسما میں یہ مسئلہ در پیش ہوا تو "الحکم العدل" آئے گا اور ان دونوں جماعتوں سے بات کرے گا، ان کا دعوی سنے گا، پھر جب دونوں اس سے اپنے حق کا مطالبہ کریں گے تو وہ ان سے ثبوت مانگے گا۔ المنتقم کہے گا: یہاں گناہ کا سرزد ہونا ہی سب سے بڑا ثبوت ہے، کیا یہ آپ کو نشے میں نظر نہیں آ

Marfat.com

رہا، اگر اس نے شراب پی ہو، یا چور یا قاتل یا جو بھی گناہ کیا ہو اس کے کرنے والا نظر نہیں آ رہا۔ الحکم کہے گا: یہ افعال اگرچہ کہ واقع ہوئے ہیں، لیکن یہ شک کی جا ہے۔ اور الحاکم صرف ثبوت سے ہی فیصلہ کرتا ہے۔ بیشک شراب کا پی لینا یہ نہیں بتاتا کہ اس نے کوئی حرام کام کیا؛ ہو سکتا ہے لقمہ اس کے حلق میں اٹک گیا ہو، یا ہو سکتا ہے وہ مریض ہو، اور اس نے بوقت ضرورت وہ کچھ استعمال کر لیا جو اس کے لیے حلال نہ تھا۔ ہو سکتا ہے جس کو قتل کیا گیا وہ اس کے باپ کا قاتل ہو، یا کسی ایسے شخص کا قاتل ہو جس کا ولی یہ شخص بنا۔ سو اس نے بھی اس کے ساتھ وہی کیا جو اس کے ساتھ کیا گیا؛ مجھے تو یہ سب دلیل سے ہی پتا چلے گا ناں۔

المنتقم کہے گا: میرا مخالف یہ مانتا ہے اس حد سے تجاوز کرنے والے نے شراب پی کر، قتل کر کے، یا اس حالت میں جو بھی گناہ کا کام کیا اُس نے حدود اللہ سے تجاوز کیا۔ الراحم کہے گا: ہاں یہ سچ کہہ رہا ہے، لیکن اس جگہ میرے پاس ایک ایسا مضبوط سہارا ہے جو المنتقم کے مقابلے میں میرا حمایتی ہے۔ الحاکم بولا: وہ کون ہے؟ بولا: اسم المومن، یہ اس وقت اس کے پاس یعنی اس کے دل میں تھا، سو اسے امان حاصل ہونی چاہیے۔ الحاکم بولا: اسے حاضر کرو۔ بولا: (اے ایمان!) کیا تو اس کے دل میں ایک مسافر کی طرح تھا یا یہ دل تیرا گھر اور تیری بادشاہت تھا؟ وہ بولے گا: یہ میرا گھر اور میری بادشاہت ہے، اور میری اس بادشاہت میں اس عمل کرنے والے گناہگار نے مداخلت نہیں کی، اللہ اس کو مجھ سے بہترین جزا دے۔ یہ ہر حالت میں مجھے میری حقیقت کے مطابق استعمال کرتا ہے، اور میں اس کا محتاج ہوں۔ پھر الحاکم العدل اسم المنتقم سے کہے گا: اس سے دور ہو جا، جب تک کہ ہم اسم المرید سے مشورہ نہ کر لیں، جو کہ اسم اللہ کا سب سے قریبی دربان ہے، بیشک اس بندے میں اور اس حکم میں اسم اللہ کی مشیت کار فرما ہے۔ سو یہ معاملہ مدت ختم ہونے تک لٹکا دیا جائے گا، اور یہی مقرر وقت یا موت ہے۔ اگر مخالفت پر اس کی موت واقع ہوئی تو اسے المرید کے سپرد کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر موت کے وقت بھی اس نے توبہ کر لی تو المنتقم اس سے پوری طرح کنارہ کش ہو جائے گا اور یہ اسم الراحم اور اس کے ساتھیوں کے سپرد کر دیا جائے گا۔ گناہ گار کے لیے اس مدت کی انتہا موت تک ہے، اور کافر کا ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ یہ جان!۔ (مخطوط: السفر-۹، ص۸۸)

Marfat.com

اسمائے الٰہیہ کی آپس میں فضیلت نہیں

شیخ اکبر اسمائے الٰہیہ کی آپس میں ایک دوسرے پر فضیلت کے قائل نہیں، فرماتے ہیں: فضیلت کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (الاسراء: ۵۵) ہم نے بعض نبیوں کو بعض دیگر پر فضیلت بخشی۔ لیکن ہمارے نزدیک اسمائے الٰہیہ کے درمیان فضیلت دو باتوں کی وجہ سے درست نہیں۔

۱. ایک یہ کہ اسما کی ذات سے نسبت ایک جیسی ہے، اور ان میں کوئی باہمی فضیلت نہیں۔ اگر مراتب ان حقائق الٰہیہ کے حساب سے ایک دوسرے سے افضل ہوتے جن پر وہ بھروسا کرتے تو پھر اسما میں بھی فضیلت ہوتی۔ پھر بعض اسما بعض دیگر سے افضل ہوتے، لیکن شریعت اور عقل دونوں ہی اس کے قائل نہیں، اور اسم کا عموم بھی اس کی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا۔ کیونکہ فضیلت اس کے لیے ہے جس کی شان یہ ہو کہ وہ قبول کرتا ہو، لیکن وہ قبولیت پر عمل در آمد نہ کرے، یا جس کے لیے موصوف ہونا جائز ہو پر وہ موصوف نہ ہو۔

۲. دوسرا یہ کہ اسمائے الٰہیہ ذات باری تعالیٰ کی طرف لوٹتے ہیں، اور وہ ذات ایک ہی ہے، جبکہ فضیلت کثرت کی طالب ہے، اور ویسے بھی کوئی چیز خود سے افضل یا کمتر کیسے ہو سکتی ہے، سو اسما کی آپس میں افضلیت درست نہیں۔

جہاں تک اس کا یہ کہنا ہے کہ: ﴿فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ﴾ (الاسراء: ۵۵) ہم نے بعض نبیوں کو بعض دیگر پر فضیلت بخشی۔ تو اس کا مطلب ہے کہ ہم نے پہلے کو وہ کچھ دیا جو دوسرے کو نہیں دیا، اور اس دوسرے کو وہ کچھ فضل دیا جو پہلے کو نہیں دیا، یہ شرف کے مراتب ہیں۔ ان میں سے کچھ سے اللہ نے کلام کیا، عیسیٰ ابن مریم کو واضح نشانیاں دیں اور روح القدس سے ان کی مدد کی۔ ان میں سے کسی کا فضل یہ ہے کہ اسے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا اور فرشتوں سے اسے سجدہ کروایا، کسی کو بغیر واسطوں کے قدیم خدائی کلام سے فضیلت دی، کسی کو خلیل بنا کر فضیلت بخشی، کسی کو صفی بنایا، اور آپ اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام ہی ہیں۔ (مخطوط: السفر ۱۲- ص، ۳۶ب)

Marfat.com

وجود اسم الٰہی کا مظہر اور مجلیٰ ہے

سعاد الحکیم لکھتی ہیں: وجود اپنی کلیت میں اسمائے الہیہ کا مظہر اور مجلی ہے، اسی لیے ہم اس عالم پر بھی اسمائے الہیہ کا اطلاق کر سکتے ہیں؛ یہ عالم اپنی کلیت میں وہ اسما ہی ہے جن کا اطلاق اللہ تعالیٰ نے خود پر کیا۔ شیخ اکبر تو اس سے بھی ایک ہاتھ آگے بڑھ کر کہتے ہیں کہ ہر اسم حتی کہ بندے کا نام بھی اسمائے الہیہ میں سے ہے اور کائنات پر ان اسما کا اطلاق اس کے اسما کو اپنانے سے ہے۔ (المعجم الصوفی، ص ۶۰۰)

شیخ اکبر فرماتے ہیں: "جب حق تعالیٰ نے اپنے اسمائے الہیہ کی جہت سے -جن کا شمار ممکن نہیں- یہ چاہا کہ ان اسما کے اعیان کو دیکھے ... تو اس کائنات کو تخلیق کیا... یہ کائنات ایک غیر مصیقل آئینے کی مانند تھی... پھر اس معاملے نے چاہا کہ آئینہ عالم کو چمکائے، تو آدم اس آئینے کی صفائی کا باعث بنا... لہٰذا تمام الٰہی صورتوں کے اسما اس انسانی نشأت میں ظاہر ہوئے۔" (فصوص الحکم)

"بیشک اس کی حمد و بڑائی صرف اس کے اسما سے ہی ہوتی ہے، اور اس کے اسما کے مدلولات صرف ہم سے ہی عقل میں آتے ہیں۔" (مطبوع: جلد-۴، ص ۳۱۴)

"یہ عالم سب کا سب اس کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔" (مطبوع: جلد-۳، ص ۴۰۵)

"پھر حق تعالیٰ نے مجھے کہا: اگر تو نہ ہوتا تو نہ مقامات کا ظہور ہوتا اور نہ منازل مرتب ہوتیں،... تو میرے اسما اور میری ذات پر دلیل ہے... جس نے تجھے دیکھا اس نے مجھے دیکھا..." (مشاہد الاسرار القدسیہ، ص ۵۰)

فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں: پھر یہ بھی جان لے کہ تو بھی اس کے جملہ اسما میں سے ہے، بلکہ تو اس کا کامل ترین اسم ہے، حتی کہ جب شیخ ابو یزید بسطامی سے کسی شخص نے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: مجھے اس کا کوئی چھوٹا اسم تو دکھاؤ تاکہ میں تمہیں اعظم دکھاؤں۔ اللہ کے سب اسما عظیم ہیں، سچائی پر ہو جا اور پھر جو اسم الٰہی مرضی چن لے۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں: میں نے مرسیہ میں شیخ ابو احمد سیدبون سے ملاقات کی، آپ سے

Marfat.com

ایک شخص نے اللہ کے اسم اعظم کے بارے میں سوال کیا، تو آپ نے ایک کنکری اس پر پھینکی جو اس کو یہ اشارہ تھا کہ تو اللہ کا اسم اعظم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسما دلالت کے لیے وضع کیے گئے، اور ان میں اشتراک ممکن ہے جبکہ تو اللہ پر سب سے بڑی اور واضح دلیل ہے، اسی لیے تجھے چاہیے کہ تو خود سے اس کی تسبیح بیان کر۔

اگر تو یہ کہے کہ تمام موجودات ہی ایسی ہیں۔ ہم کہیں گے تو نے ٹھیک کہا، لیکن تو اس پر ان تمام موجودات سے بڑی اور کامل ترین دلیل ہے، کیونکہ حقِ تعالیٰ نے تجھے اپنی صورت پر تخلیق کیا، تیری خاطر اپنے دونوں ہاتھوں کو جمع کیا، جبکہ ایسا شرف تیرے بغیر کسی دوسری مخلوق کو حاصل نہ ہوا۔ اگر تو یہ کہے: اس نے خود کو عظمت سے موصوف کیا، ہم کہیں گے: اس نے تجھے بھی عظمت سے موصوف کیا اور تیری توجہ تیری تعظیم کی جانب یوں دلائی: ﴿وَمَنۡ يُعَظِّمۡ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوبِ﴾ (الحج: ۳۲) اور جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے تو یہ قلوب کے تقوی میں سے ہے۔ بیشک تو بڑے شعائر میں سے ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۹، ص ۱۴۴)

اسمائے کائنات بھی اسمائے حق ہیں

محبوب کی صفت یہی ہے کہ وہ اس کے اسما سے اس کی جانب جائے۔ وہ اس طرح کہ اسی نے اسمائے کائنات اور اسمائے حسنیٰ دونوں میں اس بندے پر تجلی کی، اسمائے کائنات کی تجلی پر بندہ یہ خیال کرتا ہے کہ یہ اس کی خاطر حق کا نزول ہے،... اور یہ گمان کرتا ہے کہ اسمائے کائنات تو اس کی خاطر تخلیق ہوئے، اللہ کے لیے نہیں۔ اور ان اسما میں حق تعالیٰ کا قیام ویسے ہی ہے جیسے کہ بندے کا قیام حق تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ہوتا ہے، تو بندہ کہتا ہے: میں اللہ کے سامنے صرف اپنے اسما (یعنی اسمائے کائنات) سے ہی جاؤں گا، اور جب میں اس کی مخلوق کے سامنے آؤں گا تو اس کے اسمائے حسنیٰ کو اپناتے ہوئے۔ پس جب وہ اللہ کے حضور ان اسمائے کائنات کو اپنا سمجھتے ہوئے گیا تو اس نے انفس اور آفاق میں وہ کچھ دیکھا جو کچھ انبیائے کرام نے اپنی اپنی معراجوں میں دیکھا، اس نے دیکھا کہ یہ سب حق تعالیٰ کے اسما ہی ہیں، اور بندے کا کوئی اسم

نہیں، حتی کہ اسم عبد (یعنی یہ نام) بھی اس کا نہیں، اور یہ باقی تمام اسمائے حسنی کی طرح اِس سے بھی متعلق ہے۔ یوں وہ جان گیا کہ اس کی جانب سفر اور اس کے حضور داخلہ صرف اسی کے اسما سے ہے، اور یہ اسمائے کائنات بھی اس کے اسما ہیں ... یہ ایک نادر منظر ہے ... یہ ایک دوسرا طریقہ ہے، میں نے اولیا میں سے کسی کا یہ ذوق نہیں دیکھا یہ صرف انبیا اور رسولوں سے مخصوص ہے ... یہ مشاہدہ بتاتا ہے کہ کائنات کے ہر اسم کی اصل حق کی ایک حقیقت ہے، اور یہ اسم مخلوق کے لیے صرف لفظی طور پر ہے معنوی طور پر نہیں، اور وہ مخلوق اس سے متعلق ہے ... "
(مطبوع: جلد-۲، ص ۳۵۰)

اسمائے اسباب بھی اسمائے الہیہ ہیں

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ ممکنات اپنی ذات سے محتاج ہیں، اور محتاجی ہمیشہ ان کے ساتھ ہے؛ کیونکہ ان کی ذات بھی دائم ہے۔ اِس لیے اللہ تعالی نے اسباب وضع کیے کہ یہ ان سے وہ کچھ حاصل کریں جس کی انہیں ضرورت ہے؛ سو ممکنات اسباب کی محتاج ہوئیں تو اللہ تعالی نے اسباب کے اعیان کو اپنے اسما قرار دیا، یوں اسباب کے اسما اللہ تعالی کے اسما میں سے ہیں؛ تاکہ صرف اُسی (ایک ذات) کا محتاج رہا جائے کہ یہی درست علم ہے۔ لہذا اہل کشف کے نزدیک اُن اسما میں جو عرف اور شرع میں بیان کیے گئے اور اسباب کے اسما کے میں کوئی فرق نہیں کہ یہ سب اللہ کے اسما ہی ہیں، کیونکہ وہ کہتا ہے: ﴿أَنتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللهِ﴾ (فاطر: ۱۵) اور تم اللہ کے محتاج ہو۔ ہم تو خود کو اسباب کا محتاج دیکھتے ہیں، لہذا نتیجہ یہی ہے کہ اسباب کے اسما بھی اللہ تعالی کے اسما ہی ہیں، جن سے ہم اپنے حال سے دعا کرتے ہیں الفاظ سے نہیں۔ جب ہمیں بھوک لگتی ہے تو غذا کھاتے ہیں جو بھوک کا درد مٹاتی ہے، ہم اس (غذا) کے محتاج ہیں اور یہ ہم سے بے پروا، جبکہ حقیقت میں تو ہم صرف اللہ کے محتاج ہیں۔ سو یہ بھی اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے، میرا مطلب ہے غذا کی یہ صورت، اسم الہی کے بولنے یا لکھنے کی صورت میں اترتی ہے۔ اسی لیے اُس نے اسباب کا شکر ادا کرنے کا کہا؛ کیونکہ اس نے اپنا شکر ادا کرنے کا کہا،

اور (یوں شکر ادا کرنا) ان (اسباب) سے اسی کی تعریف ہے۔ (مخطوط: السفر-۲۳، ص ۹۲)

حمد کے پرچم اور اسمائے الٰہیہ

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ مقام محمود- جس میں بروز قیامت نبی کریم ﷺ کو ان کے اسم الحمید سے ٹھہرایا جائے گا- میں اللہ کے سات پرچم ہیں جو حمد کے پرچم کہلاتے ہیں۔ ان پرچموں میں رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے محمدی وارثوں کو اللہ تعالیٰ کے وہ اسما دیئے جائیں گے جن سے آپؐ بروز قیامت مقام محمود میں کھڑے ہو کر اپنے رب کی تعریف بیان کریں گے، یہ آپؐ کا فرمانا ہے جب آپؐ سے شفاعت کے بارے میں پوچھا گیا تو کہا: "میں اس وقت اللہ کی ان تعریفوں سے تعریف بیان کروں گا جو میں ابھی نہیں جانتا" اور یہ اس ٹھکانے کے تقاضوں کے مطابق ان اسماے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی تعریف ہی ہو گی۔

بیشک اللہ تعالیٰ کی تعریف خاص اُس کے اسمائے حسنیٰ سے ہی کی جاتی ہے، اور اس کے اسما کا علم سے احاطہ ناممکن ہے؛ بیشک ہم جانتے ہیں کہ "جنت میں وہ کچھ ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان سے سنا اور نہ کسی بشر کے دل پر خیال گزرا۔" ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمیں نہیں پتا ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کیا چھپایا گیا ہے۔ ان میں سے ہر چیز کسی نہ کسی اسم الٰہی پر ہی تکیہ کرتی ہے کہ اس کے ظاہر کرنے سے اس کا ظہور ہوا۔ وہ اسم الٰہی کہ جس کو ہم پر ظاہر کر کے حق تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا، تو لازم ہے کہ ہم اسے جانیں، اسی اسم سے اللہ کی تعریف اور حمد بیان کریں؛ چاہے یہ ثنائے تسبیح ہو یا ثنائے اثبات۔

(شیخ فرماتے ہیں) جب مجھے یہ سب بتایا گیا تو میں نے ان اسما کی تعداد کے بارے میں سوال کیا کہ مقام محمود پر جن سے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی جائے گی؛ یہ تو میں جانتا ہوں کہ ابھی میں انہیں نہیں جانتا، اور نہ ہی اللہ نے مجھے یہ بتائے ہیں؛ کیونکہ یہ ان تعریفوں میں سے جو بروز قیامت نبی کریم ﷺ سے مخصوص ہیں۔ سو جب ہم بروز قیامت مقام محمود پر آپؐ کی زبانی یہ سنیں گے، اور جب ان سے پرچم کھلیں گے، اور یہ تعریفیں ان پرچموں میں رقم ہوں گی

Marfat.com

تو اسی وقت ہم انہیں جانیں گے۔ پھر مجھے کہا گیا کہ ان اسما کی تعداد: ایک ہزار چھ سو چونسٹھ ہے، ان میں سے ہر پرچم میں ننانوے نام درج ہوں گے اور جس نے وہاں ان کا شمار کر لیا وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، سوائے ان میں سے ایک جھنڈے کے، کہ اس جھنڈے میں سات سو ستر اسم درج ہوں گے اور نبی کریم ﷺ ان تمام تعریفوں سے اللہ کی تعریف کریں گے۔ اور یہ سب تعریفیں اللہ سے شفاعت کی طلب میں ہوں گی۔ (مخطوط: السفر-۲۲، ص۱۰۸ب)

Marfat.com

قراءة في كتاب: كشف المعنى عن سر أسماء الله الحسنى

ذكر الشيخ الأكبر لهذا الكتاب الذي بين أيدينا عنوانين اثنين؛ أوّلهما "كشف المعنى عن سر أسماء الله الحسنى" وجاء ذكر ذلك في كتاب التدبيرات الإلهية، والآخر "شرح الأسماء الحسنى" وفق الفتوحات المكية[١] وهذا الحال انعكس على مخطوطاته، ومنها المخطوطات التي اعتمدنا عليها في التحقيق، فحملت كل منها واحدا من هذين الاسمين[٢].

أنجز تأليف الكتاب في رمضان سنة ٦٢١هـ بجامع دمشق، كما جاء في النسخة الأصلية للكتاب وذكرته النسخة "ج" التي نقلت منها مباشرة. وكان المفهوم السابق أنّ هذا الكتاب هو من مؤلفات الشيخ الأكبر في الفترة المغربية التي تسبق عام ٥٩٩هـ. سبب ذلك الاعتقاد كونه ذكر في كتاب التدبيرات الإلهية الذي تم تأليفه بالأندلس قبل هذا التاريخ الأخير بأعوام[٣] بعبارة هي: وقد ذكرنا معنى التخلّق بالأسماء الربّانية في كتابنا المترجم «بكشف المعنى عن سرّ أسماء الله الحسنى». إلا أنه أمام صراحة القول بتأليفه عام ٦٢١هـ الذي له الحجية الأقوى بلا شك، لنا أن نتوقع أنّ الشيخ كان قد أضاف هذه العبارة المختصرة في كتاب التدبيرات الإلهية في وقت متأخر بقصد التنويه لا أكثر.

أهميّة هذا الكتاب تبدو من كون محتواه يناقش واحدة من أهم قواعد المعرفة الصوفية، وهي التي خصص لها شيخنا، فيما بعد، الباب ٥٥٨ في موسوعته الكبرى الفتوحات المكية، وشرحها بتوسع استغرق السفرين ٣٢، ٣٣ لأهميّتها.

---

١ الفتوحات المكية [ج٦/ ٥٦٦]

٢ النسخة ف عنوانها: "كشف المعنى عن سر...الخ"، والنسخة خ: عنوانها "كشف المعنى في سر...الخ"، والمخطوطة م عنوانها: "شرح الأسماء الحسنى".

٣ انظر د/ عثمان يحيى، مؤلفات ابن عربي؛ تاريخها وتصنيفها، ص ١١٨.

Marfat.com

معلوم لنا أنّ جوهر علم التصوف يبحث عن معرفة الله التي يكون من خلالها الترقي العرفاني في مدارج السلوك والمقامات بهدف الوصول إلى أقصى درجات القربة التي هيّأها الله لأوليائه. وخلال هذه الرحلة، التي تتعدد مساراتها بتعدد السالكين، تحدث مفاجآت ودهشات وجذبات وصعقات، وتنكشف خوافي ظواهرَ كانت تبدو مكتملة الشكل والمظهر، وإذا بها ترفع براقعها وتكشف أسرارها وتبوح عن أمور لم تكن لتخطر على بال، حتى أنّ البعض ليعجز عن امتصاص معاني تلك المشاهد والأسرار ويتوقف عقله لها، ويظل يسبح في أنوارها وهي تقوده في أي اتجاه جرت، ويتحدث أثناء ذلك عما يراه، ويقول بالعجب العجاب، ومع كل ذلك تجده لا يقابَل إلا بالاستنكار من سامعيه، وفي أحسن الأحوال بالعطف والدعاء له بالشفاء، كونه يهذي بأمور لا يرونها أمامهم بتلك العين التي يراها بها.

ومع عودة الواصلين الذين عقلوا معاني ما شاهدوه وتحققوا بالمقامات التي وصلوا إليها، وفي جُعَبِهم الكثير الكثير من الغرائب والأسرار والهدايا التي ينتظرها منهم أحبابهم، تراهم ينقلون تلك المعاني شفاها أو تحريرا وبمنطق يقبل به ذو العقل المحب الباحث عن الحقيقة ليتخذ منه زادا معينا له في رحلته الخاصة.

ومع ذلك لم يسلم هؤلاء الواصلون من الإنكار والرفض من قبل الكثيرين من أهل الظاهر الذين لم يذوقوا لذة شراب الأرواح - وكان قد حدث أكثر من ذلك مع الأنبياء حين أنكر هؤلاء عليهم إسراءاتهم ومعارجهم - وكان إنكارهم مستندا على ما يرونه من مخالفة هذه الأقوال لظواهر الأشياء، وطالما أنبأ مثل هذا الموقف عن جهل أصحابه وسطحية تفكيرهم، وذهبوا يكيلون تهم الزندقة والكفر والخروج عن الدين، وهو ذات الموقف الذي حدث لعيسى عليه السلام من علماء بني إسرائيل.

من أهم التهم التي قوبل بها أولياء الله الواصلين أنّ خلاصة أقوالهم تعني الاتحاد والحلول بعد أن يحل اللاهوت في الناسوت فتنعدم الأجزاء ويبقى الواحد وهو ما لا

Marfat.com

يتوانى الشيخ الأكبر عن رفضه.[1] لقد وقع من يتهمهم ضحية سوء فهمهم لمقاصد أهل الله وفي مقدمتهم الشيخ الأكبر في كثير من تعبيراته مثل العين والذات. وإذ يفرّق الشيخ بين مدلولاتها في أكثر من مناسبة، ويضرب الأمثلة لذلك في مثل قوله: "نقول في الإنسان: إنّه حيوان ناطق بلا شكّ. وإنّ زيدا ليس هو عين عمرو من حيث صورته، وهو عين عمرو من حيث إنسانيّته؛ لا غيره أصلا. وإذا لم يكن غيره في إنسانيّته؛ فليس مثله؛ بل هو هو. فإنّ حقيقة الإنسانيّة لا تتبعّض؛ بل هي في كلّ إنسان بعينها لا بجزئيّتها"[2]. و"في الخبر المرويّ النبويّ عنه: «كنت سمعَه وبصرَه» وكذا جميعَ صفاته، والسمع والبصر وغير ذانك من أعيان الصفات التي للعبد أو الخلق، قل كيف شئت. وعرَّف الحقُّ أنّ نفسَه هي عين صفاتهم، لا صفته. فأنت من حيث صفاتك عينُ الحقّ لا صفته، ومن حيث ذاتِك عينُك الثابتة التي اتّخذها الله مظهرا"[3]. ومع هذا الوضوح إلا أنّ كل ذلك لم يستطع الآخرون استيعابه وأصروا على الخلط بين مفاهيم الألفاظ وساعدهم هنا سوء نظرتهم المسبقة تجاهه.

وانطلاقا من هذه القاعدة التي تميّز بين الذات والعين، وأنّ الأقوال التي تأتي منهم لا تتعلق بالذات، وأنّ "الفكر الذي يعطيك العلم بذاتِ الله - تعالى - لا يُعَوَّل عليه"[4]. و"أنّ علوم المتكلّمين في ذات الله، والخائضين فيه، ليست أنوارا"[5]، فـ "التفكُّر في ذات الله

---

١ هو القائل: "مَن فَصَل بينك وبينَه؛ أثبتَ عينَك وعينَه. ألا تراه -تعالى- قد أثبت عينَك، وفصَل كونَك، بقوله إن كنت تنتبه: «كنتُ سمعَه الذي يسمع به» فأثبتَك بإعادة الضمير إليك؛ ليدلّ عليك. وما قال بالاتّحاد؛ إلّا أهل الإلحاد. وأمّا القائلون بالحلول؛ فهم من أهل التفصيل. فإنّهم أثبتوا حالّا ومحلّا، وعيّنوا حراما وحِلّا". ف. م (١٢/ ١٣٠)

٢ الفتوحات المكية (١/ ٦٢٢)

٣ الفتوحات المكية (٦/ ٤٩٦)

٤ النصائح، ما لا يعول عليه

٥ الفتوحات المكية (٧/ ٥٤١)

Marfat.com

محال"[١]، بل و"ممنوع شرعا. قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم – : «لا تتفكّروا في ذات الله» وقال – تعالى –: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللهُ نَفْسَهُ﴾ يعني أن تتفكّروا فيها، فتحكموا عليها بأمرٍ أنّها كذا وكذا"[٢]، ويشدد شيخنا على أصحابه بالابتعاد عن الخوض في هذا الاتجاه، ويقول: "لا تتعرّض – يا وليّ – للخوض في الماهيّة واللمّيّة والكيفيّة، فإنّ ذلك يخرجك عن الخوض فيما كُلِّفْتَه. والزم طريقة الإيمان، والعمل بما فرض الله عليك، واذكر ربّك بالغدوّ والآصال"[٣]، ويصل إلى النتيجة بتوجيه بوصلة التفكير نحو مسارها الصحيح بقوله: "فلا يبقى إلّا التفكّر في الكون. ومتعلَّقُ الفكرة هي الأسماءُ الحسنى، وسِماتُ المحدثات؛ فالأسماءُ كلّها أصلٌ في الكون على هذا النظر"[٤]، وذلك هو موضوع هذا الكتاب الذي بين أيدينا.

فهذه الأسماء الإلهيّة "هي المؤثّرة في هذا العالَم، وهي المفاتح الأُوَل التي لا يعلمها إلّا هو"[٥]، وهي أخلاق الله، كما "أنّ الله لا يُعقل إلها إلّا من حيث أسمائه الحسنى، لا من حيث هو مُعَرّى عن هذه الأسماء الحسنى؛ فلا بدّ من توحيد عينه، وكثرة أسمائه، وبالمجموع هو الإله".[٦] ومعرفة أسماء الله الحسنى ستقودنا إلى معرفة أنّ الله خلق "الإنسانَ الكامل على صورته، ومكّنه، بالصورة، من إطلاق جميع أسمائه عليه: فردا فردا، أو بعضا بعضا. لا ينطلق عليه مجموع الأسماء معًا في الكلمة الواحدة؛ ليتميّز الربُّ من العبد الكامل. فما من اسم من الأسماء الحسنى، وكلّ أسماء الله حسنى، إلّا وللعبد الكامل أن يُدْعَى بها، كما لَه أن يدعو سَيِّدَهُ بها". وهو ما يسمّى بالتخلق بأخلاق الله وفق التوجيه الحكيم: "تخلقوا بأخلاق الله". ليتنهي إلى توجيه محبّيه بقوله: "فاحفظ – يا وليّ – نفسك

١ الفتوحات المكية (٦/ ٦٠٥)
٢ الفتوحات المكية (٧/ ١١٩)
٣ الفتوحات المكية (٧/ ٥٤٠)
٤ الفتوحات المكية (٦/ ٦٠٥)
٥ الفتوحات المكية (١/ ٣١٩)
٦ الفتوحات المكية (١٢/ ٤١٦)

Marfat.com

في التخلّق بأسماء الله الحسنى، فإنّ العلماء لم يختلفوا في التخلّق بها"[1]، "فالتخلّق بأخلاق الله هو التصوّف"[2].

وفي الأخير، يلفت نظرنا أمر مهم، فعلى الرغم من تبحر المؤلف وسعة علمه وحديثه الموسوعي في علوم التصوف بجوانبها المتشعبة كما لم يُسبق في هذا الاقتدار، فإنّا نجده لا يتردد في القول بعدم العلم إن وجد الأمر كذلك، وهي قضية قلّما يعترف بها فطاحل العلماء. وقصدنا هنا تلك العبارة التي وردت في بداية الكتاب عن عدد الأسماء الحسنى، إذ قال: "وهي تسعة وتسعون كما صحّ في الخبر، ولكن ما وصل إلينا تعيينها على الجملة من طريق نعتمد عليه" وكان يمكنه تجاهل هذه الإضافة الأخيرة لو لا إحساسه القوي بمسئولية الكلمة واستشعاره لأهمية وضوح الأمر له ولقرائه حتى يكون صادقا مع نفسه ومعهم. ولذلك نجده يوضح في نهاية الكتاب أنه شرح هذه الأسماء التي اقتصر فيها على ما خرجه الإمام الغزالي في كتابه "المقصد الأسنى"، لنفهم من كلامه أنّ هذا الحصر لا يعبر بالضرورة عن رؤيته وقناعته الخاصة.

انعكس هذا الأمر على قراءة الشيخ الأكبر للأسماء الحسنى في الباب ٥٥٨ من الفتوحات المكية فيما بعد تأليف كتاب "كشف المعنى"، فقد لاحظنا أنه استبعد عشرة من الأسماء التي وردت هنا، وهي: الشهيد، الماجد، البر، المنتقم، مالك الملك، ذو الجلال والإكرام، المتعالي، المقسط، الباقي، الرشيد. كما أنه دمج اسمين في حضرة واحدة في كل من: الرحمن الرحيم، الغفار والغفور، الغني والمغني، والمقتدر والقادر. فكأنه أنقص ١٤ اسما ليصير العدد الباقي ٨٥ اسما. ثم أضاف ١٥ اسما أو حضرة فتمم العدد مائة، وحضرات الأسماء المضافة هي: حضرة الرب، وحضرة الحياء، وحضرة السخاء، وحضرة الطيّب، وحضرة الإحسان، وحضرة الدهر، وحضرة الصحبة (المعيّة)، وحضرة الخلافة،

---

١ الفتوحات المكية (١/ ٦٤٥)

٢ الفتوحات المكية (٥/ ٤٧٤)

وحضرة الجمال، وحضرة التسعير، وحضرة القربة، وحضرة المعطي، وحضرة الشافي، وحضرة الإفراد، وحضرة الرفق.

وكان قد ذكر في الباب ١٧٧ من الفتوحات المكية أنّ غاية ما وصل إليه الحافظ ابن حزم من إحصاء الأسماء الحسنى هو ٨٣ اسما استخرجها من نصّ القرآن ومما صحّ عن النبي - صلّى الله عليه وسلّم - وبمقارنتها مع الأسماء التي وردت في هذا الكتاب نجدها تتفق مع ٦٠ اسما منها، وتختلف مع ٢٣ اسما لم ترد هنا[١].

عبد العزيز سلطان المنصوب

١ انظر الفتوحات المكية (٥/ ٥٤٨)

منهج التحقيق

اعتمد تحقيق هذا الكتاب على المخطوطات التالية:

١. نسخة الجامع الكبير (Ulu Cami) برقم ١٥٨١، لم يتبين تاريخ نسخها، إلا أنها نقلت من الأصل المؤرخ في رمضان ٦٢١هـ، ولذلك اعتبرناها النسخة الأم لهذا التحقيق.

٢. مخطوطة فاتح برقم ٥٢٩٨، نسخت عام ٧٨٣هـ على يد محمد بن عيسى بن جابر، ومعلوم لدينا أنّ هذه المخطوطة نقلت من نسخة، نقلت بدورها من نسخة بخط الشيخ بدر الدين محمد الزاهدي.

٣. نسخة فخر الدين الخراساني، نسخت سنة ٨١٤هـ.

٤. نسخة الجامع الجديد (Yeni Cami) برقم ٧٠٥، نسخت أوائل رمضان سنة ٨٦٥هـ.

٥. نسخة مجلس شورى ملي، لم يذكر فيها تاريخ نسخها وكاتبها.

٦. أضفنا إلى المخطوطات الخمس السابقة نسخة مطبوعة بتحقيق بابليو بينيتو، الطبعة الأولى ١٤١٩هـ. ق.

Marfat.com

مخطوطات کشف المعنیٰ

عثمان اسماعیل یحییٰ نے اپنی کتاب "تالیفات ابن العربی؛ تاریخ وترتیب" میں کشف المعنیٰ کے ۲۰ سے زائد مخطوطات کا حوالہ دیا ہے، لیکن ان میں سے کوئی بھی تاریخی نہیں۔ مخطوط اولو الجامع ۱۵۸۱ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ نسخہ اصلی سے نقل شدہ ہے کیونکہ اس کے آخر میں اصلی تاریخ نسخ کا ذکر موجود ہے۔ اِس جدید متن کی تحقیق میں ہم نے مندرجہ ذیل مخطوطات کا سہارا لیا ہے۔ اس سلسلے میں ہم ابن عربی سوسائٹی اوکسفورڈ میں محترمہ جین کلارک کے مشکور ہیں کہ انہوں نے نہ صرف ہمیں یہ مخطوطات ارسال کیے بلکہ اپنی مکمل حمایت کا بھی یقین دلایا۔

مخطوط اولو الجامع ۱۵۸۱ (رمز: ج)

یہ اِس کتاب کا ایک بیش قیمت مخطوط ہے، مجموعے کے پہلے صفحے پر تاریخ کتابت ۸۲۶ھ درج ہے۔ گو کہ یہ اِس کتاب کا اصلی نسخہ نہیں لیکن ہمیں یہی نسخہ سب سے قابل بھروسا نظر آیا، اور اس کی وجہ اس کے آخر میں موجود یہ عبارت ہے: «نجز الغرض من الإملاء في هذا الفنّ، واقتصرنا فيه على الأسماء التي خرّجها الإمام أبو حامد الغزاليّ في «كتاب المقصد الأسنى» والحمد لله ربّ العالمين ، وذلك بزاوية الإمام أبي حامد بشماليّ جامع دمشق – حماها الله تعالى – في شهر رمضان المعظّم قدره سنة إحدى وعشرين وستمائة، إسعافًا لمن سألنا في ذلك، وهو صاحبنا الفقيه الإمام شرف الدين أبو محمّد عبد الواحد بن أبي بكر بن سليمان الحمويّ ، نوّر الله تعالى بصيرته، ونفعنا وإيّاه بما قصده ، وصلّى الله على سيّدنا محمّد خاتم النبيّين وعلى آله وورثته أجمعين، ورضي عنّا بهم . هذا تاريخ نسخة الأصل، الحمد لله ربّ العالمين. » لہٰذا اِس سند کے بعد ہماری اس تقسیم میں اسے فوقیت حاصل ہے۔ نسخے کی کتابت میں سیاہ روشنائی کا استعمال کیا گیا ہے، عنوانات جلی حروف سے لکھے گئے ہیں جبکہ متن

Marfat.com

بھی واضح اور نمایاں ہے۔ ہماری رائے میں یہ اس رسالے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔

نسخہ فاتح ۵۲۹۸ (رمز: ف)

خط نسخ میں لکھا یہ نسخہ مکتبہ سلیمانیہ استنبول میں موجود ہے۔ نسخے پر جا بجا حاشیے میں موازنہ کیے جانے کے آثار موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نقل کرنے کے بعد اس کو کسی اور نسخے سے چیک کیا گیا ہے۔ ہم حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ دوسرا نسخہ یا پہلا نسخہ جس سے یہ نسخہ نقل ہوا وہ کون سا ہے، لیکن اس مجموعے میں شامل دیگر کتب و رسائل سے یہی پتا چلتا ہے کہ یہ مجموعہ اچھے نسخوں سے نقل شدہ ہے۔ کاتب کا خط کچھ زیادہ نفیس نہیں لیکن عبارت آسانی سے پڑھی جا سکتی ہے۔ اس نسخے میں جزوی اعراب لگائے گئے ہیں جو الفاظ کو متعین کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ عنوانات سرخ روشنائی میں لکھے گئے ہیں جبکہ باقی متن سیاہ روشنائی سے ممتاز کیا گیا ہے۔

یہ نسخہ ایک بیش قیمت مجموعے کا حصہ ہے جس میں شیخ اکبر ابن العربی کے ۱۳ سے زائد کتب اور رسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ کاتب محمد بن عیسی بن جابر نے یہ سن ۷۸۳ھ میں نقل کیا۔ اسی مجموعے میں موجود دو رسالے كتاب القسم الإلهي، كتاب العظمة کے بارے میں حتما درج ہے کہ یہ شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھے نسخہ اصلی سے نقل شدہ ہیں۔

نسخہ ینی جامع ۷۰۵ (رمز: ی)

خط نسخ میں لکھا یہ نسخہ مکتبہ سلیمانیہ استنبول میں موجود ہے۔ یہ اس رسالے کا ایک قدیمی نسخہ ہے، کاتب کے نفیس خط کی وجہ سے اِسے پڑھنا آسان ہے۔ کتابت میں سرخ اور سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ عنوانات کو سرخ روشنائی سے واضح کیا گیا ہے جبکہ متن سیاہ روشنائی میں ہے۔ کتاب کے اختتام پر یہ عبارت درج ہے: وقع الفراغ وبحمده في أوائل رمضان سنة خمس [= خمسة] وستين وثمانمائة. جس سے پتا چلتا ہے کہ اسے ماہ رمضان المبارک سن ۸۶۵ھ میں نقل کیا گیا۔

Marfat.com

نسخہ فخر الدین خراسانی (رمز: خ)

خط نسخ میں لکھا یہ نسخہ پاکستان کے ایک نجی کتب خانے کی زینت ہے، ابن العربی فاؤنڈیشن کے پاس اس نسخے کا ایک ڈیجٹیل سکین امیج موجود ہے جس کی بنا پر اس سے موازنہ کیا گیا ہے۔ یہ نسخہ سن ۸۱۴ھ میں یمن کے شہر زبید میں نقل کیا گیا ہے اور کاتب نے اسے شیخ اکبر کی دیگر بہت سی کتب و رسائل کے ساتھ نقل کیا جن کی تعداد ۶۰ سے زائد ہے۔ مکمل مجموعہ بڑے صفحے پر نقل کیا گیا ہے۔ اس مجموعے میں "کشف المعنی" صفحہ نمبر ۴۲۲ سے لے کر ۴۳۳ تک ہے۔ انداز کتابت سے معلوم ہوتا ہے کہ کاتب نے یہ نسخہ جلدی میں نقل کیا ہے مگر حواشی میں موازنہ کیے جانے کے آثار بھی واضح ہیں جس سے اس کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے۔ اس نسخے کی عبارت کافی حد تک اصل کے قریب ہے اس لیے یہ اس رسالے کا ایک بہترین نسخہ ہے۔ نسخے میں سرخ اور سیاہ دو طرح کی روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ عنوانات کو سرخ روشنائی سے جلی حروف میں جبکہ متن سیاہ روشنائی سے لکھا گیا ہے۔ اس نسخے میں اشعار کو اصل عبارت کے ساتھ ہی لکھا گیا ہے اور انہیں علیحدہ سے ممتاز نہیں کیا گیا۔ کتاب کے آخر میں تاریخ نسخ درج نہیں لیکن مجموعے میں بارہا تاریخ نسخ کا تذکرہ ملتا ہے۔

شیخ اکبر کی کتب اور رسائل کا یہ مجموعہ بھی تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور کاتب نے بہت تگ و دو کے بعد اِسے نقل کیا جس کا پورا واقعہ ایک رسالے کی شکل میں لکھا ہے۔ امید کی جا سکتی ہے کہ آئندہ کبھی اس رسالے کا بھی ترجمہ کر کے اسے بھی شائع کر دیا جائے گا۔ مکمل مجموعہ ۶۰ سے زائد کتب شیخ پر مشتمل ہے؛ طوالت کے باعث ان کی فہرست دینا یہاں مناسب نہیں۔

نسخہ مجلس شوری ملی (رمز: م)

یہ نسخہ ایران کے کتب خانے میں موجود ہے۔ کتابت میں سرخ اور سیاہ روشنائی استعمال کی گئی ہے۔ عنوانات کو جلی اور واضح کیا گیا ہے۔ حاشیے میں کہیں کہیں موازنہ کیے جانے اور تصحیح کے آثار نمایاں ہیں لیکن یہ واضح نہیں کہ کس نسخے سے موازنہ ہوا ہے اور نہ ہی اس نسخے کا کوئی تذکرہ ہے جس سے اسے نقل کیا گیا۔ نسخے کے اختتام پر نہ تو تاریخ نسخ درج ہے اور نہ ہی کاتب کا نام

Marfat.com

واضح ہے۔ اس نسخے کی عبارت اپنی صحت میں وہ درجہ تو نہیں رکھتی جو باقی نسخوں کو حاصل ہے لیکن ہم نے پھر بھی تحقیق میں اس کو شامل کر لیا تا کہ اس نسخے میں عبارت کے سقم واضح ہو سکیں۔

طبعہ پابلو بانیٹو (رمز: ط)

ہم نے اپنے مدون شدہ متن میں پابلو بانیٹو کے تحقیق شدہ متن کو بھی زیر نظر رکھا ہے۔ آپ نے اس کتاب کی تحقیق میں ان نسخوں کو بھی شامل کیا تھا جن سے ہم نے براہ راست متن اخذ کیا لیکن کچھ وہ نسخے جو آپ کے زیر استعمال رہے وہ ہمیں دستیاب نہ ہو سکے، لہذا ہم نے فیصلہ کیا کہ آپ کی تحقیق کو بھی اس کتاب میں شامل کر لیا جائے۔

Marfat.com

لا تكن شديدا فيما [illegible] فان الله كريم لا [illegible]

111

بسم الله الرحمن الرحيم رب يسر وصل على محمد وسلم

قال سيدنا وامامنا الشيخ الامام العالم العارف المحقق الكامل وحيد وقته وفريد عصره محيي الدين ابو عبد الله محمد بن علي بن العربي الطاي الحاتمي الاندلسي رضي الله عنه

قال الله تعالى ولله الاسما الحسنى فادعوه بها فيه دليل على انه سبحانه قد عينها لنا في كتابه وعلى لسان رسوله صلى الله عليه وسلم وهي تسعة وتسعون اسما لما صح في الخبر ولكن ما وصلنا تعيينها على الجملة من طريق صحيح

وقال اسماوه تعالى على قسمين منها ما علمها اياناا ومنها ما استاثر بها في علم غيبه فلم يعلمها احدا من خلقه وقد ورد هم هذا في الصحيح

وقال والاسما التي علمنا اياها قسمين اسما تجري مجرى الذات كاسمه الله واسما تجري مجرى النعوت والاسما التي تجري مجرى النعوت على قسمين اسما تدل على صفات تنزيه واسما تدل على صفات افعال

وقال الاسما الالهية على قسمين اسما استاثر بها في علمه دون خلقه واسما علمها عباده والاسما التي علمها عباده قسمان قسم يعرفه عامة عباده وهي التي بايدي

الم

نسخه اولو الجامع - ۱۵۸۱ رمز (ج) صفحه اول

Marfat.com

في كتاب المقصد الاسنى والحمد لله رب العالمين وذلك
برواية الامام ابي حامد بشمالي جامع دمشق حماها الله تعالى
في شهر رمضان المعظم قدره سنة احدى وعشرين وستمايه
اسعافا لمن سالنا في ذلك وهو صاحبنا الفقيه الامام
شرف الدين ابو محمد عبد الواحد بن ابي بكر بن سليمان
الحموي نور الله تعالى بصيرته ونفعنا واياه بما قصده
وصلى الله على سيدنا محمد خاتم النبيين
وعلى اله وورثته اجمعين ورضي عنا بهم
هذا تاريخ نسخة الاصل
الحمد لله رب العالمين

وهذه تنبيهات مباركة عظيمة النفع

من كلام الشيخ الاكبر رحمه الله تعالى ورضي عنه
ونفعنا بعلمه وبركته وساير المومنين والمسلمين
انه ارحم الراحمين
الحمد لله رب العالمين

بيان الخمسة ... والاربعة ...

نسخه اولو الجامع - ١٥٨١ رمز (ج) آخری صفحه

بسم الله الرحمن الرحيم

قال سيدنا وامامنا الشيخ الامام العالم العارف المحقق الكامل مجدد دهره وفريد
عصره محي الدين ابو عبد الله محمد بن علي بن محمد العربي الطائي الحاتمي الاندلسي رضي الله عنه
وارضاه قال الله تعالى ولله الاسماء فادعوه بها فهذا دليل على انه سبحانه قد عينها لنا
في كتابه او على لسان رسوله صلى الله عليه وسلم وهي تسعة وتسعون كما صح في الخبر ولكن
ما وصلنا الى تعيينها على الجملة من طريق صحيح وقال اسماء الحق تعالى على قسمين منها
ما علمها ايانا ومنها ما استاثر بها في علم الغيب فلم يعلمها احد من خلقه وقد ورد
هذا في الصحيح وقال الاسماء التي علمنا اياها على قسمين اسماء تجري مجرى الاعلام
كاسمه الله واسماء تجري مجرى النعوت والاسماء التي تجري مجرى النعوت على
قسمين اسماء تدل على صفات تنزيه واسماء تدل على صفات افعال وقال الاسماء الالهية
على قسمين اسماء استاثر بها سبحانه في علمه واسماء علمها عباده والاسماء التي علمها عباده
قسمان قسم يعرفه عامة عباده وهي التي بايدي اكثر الناس وقسم لا يعرفه الا الخواص من
عباده كالاسم الاعظم ومجموع اسماء الاحصاء وشبه ذلك وغيره فالاسماء التي علمها
عباده قد اظهر الله اعيانها واحكامها والاسماء التي استاثر بها دون خلقه اخفى اعيانها
واظهر احكامها في التجليات حيث كانت واليه الاشارة من الشارع بالتحول والتبدل الالهي
في الصور في التجلي في القيمة على ما ذكر مسلم والناس في هذه التجليات على قسمين طائفة تعرف

نسخہ ءینی جامع - ۷۰۵ رمز (ی) پہلا صفحہ

Marfat.com

تعالى على ذلك التخلق الصبور من العباد من حبس نفسه عند اذاة الخلق
اياه عند الانتصار والمجازاة بالانتقام منهم ان كان قادرا والدعاء عليهم
بل يقول اللهم اغفر لقومي فانهم لا يعلمون فهذا هو التخلق ومن غير
التخلق الصبور من حبس نفسه على مشاق العبادات كاسباغ الوضوء على
المكاره ومقاسات الاعداء في الله تعالى ومحاربتهم اياهم ظاهرا وباطنا
والله يقول الحق وهو يهدي السبيل والحمد لله حق حمده واياه نسال
ان يرحم مؤلفه وكاتبه ومالكه ومن طالعه وقرا فيه
ويغفر لهم ويجعلهم من اهل جنته ويعيذهم
من ناره وان يصلي على سيدنا الاولين
والاخرين محمد خاتم النبيين
وعلى آله اجمعين وحسبنا الله
ونعم الوكيل نعم المولى
ونعم النصير
تم الكتاب بحمد الله يا ربنا
ومن الاشكل بعد الموت يحيينا
يا رب فاغفر لعبد كان كاتبه يا قاري
الخط قل بالله امينا والحمد لله وحده

ومن العراقي ... دار ... عثمان ...

SÜLEYMANİYE G. KÜTÜPHANESİ
Yeni Cami
705
Tasnif No 2443

نسخه يني جامع – ٧٠٥ رمز (ى) آخرى صفحه

ثامن

كتاب
كشف المعنى عن سر أسماء الله الحسنى

١٠

من كلام الإمام الغزالي رضوان الله عليه

لا يجلس على مرتبة المبايعة إلا من تمسك باثني عشر وصفا منها من آدم عليه السلام الحزن والسياحة ومن يعقوب الشكر والصبر ومن أيوب البلاء والصبر ومن موسى المناجاة والإخلاص ومن يوسف العفة والأمانة ومن محمد صلى الله عليه وعليهم أجمعين الخلق والعلم فمتى تجرد الشيخ عن شيء من ذلك كانت مبايعته حرام ه ه ه ه ه ه ه ه ه ه

إن لله رجالا فطنا . طلقوا الدنيا وخافوا الفتنا
نظروا فيها فلما علموا أنها ليست لحي موطنا
جعلوها لجة واتخذوا صالح الأعمال فيها سفنا

البر من لا يؤذي الذر ولا يضمر الشر

مخطوط فاتح - ۵۲۹۸ رمز (ف) پہلا صفحہ

Marfat.com

من العباد فهو الذي قد عرف الامور حقيقتها فهو يعمل ما ينبغي لما ينبغي كما ينبغي
ويترك ما ينبغي لما ينبغي كما ينبغي الاسم الصبور التعلق اثمارك البلوى لا تزيل عنك نعمة من عافية لي دينك ودنياك واخرتك التحقق الصبور يلقيه
مبالغة هو الذي يؤذي كثيرا ويمسك عن الانتصار والانتقام فان كان قادرا فالحمل
ان الذين يؤذون الله ورسوله فلم ينتقم في حال اذيتهم مع قدرته تعالى على ذلك التخلق
الصبور من العباد من يحبس نفسه عند اذاية الخلق اياه عن الانتصار والمجازاة
بالانتقام منهم ان كان قادرا او الدعا عليهم بل يقول اللهم اغفر لقومي فانهم لا
يعلمون فهذا هو التخلق ومن غير التخلق الصبور من حبس نفسه على مشاق العبادات
كالسباغ الوضوء على المكاره ومقاساة الاعداء في الله تعالى ومحاربته اياهم ظاهرا وباطنا
والله يقول الحق وهو يهدي السبيل قال شارح الاسما رضي الله عنه نجز الغرض
من الاسما في هذا الفن واقتصرنا فيه على الاسما التي خرجها ابو حامد الغزالي
في كتاب المقصد الاسنى والحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد واله وصحبه وسلم

ومن ملاكيه والنفاسه قدس الله روحه ونور ضريحه

الحول والقوة لله عند الذي يرى من امره وانا التحقيق عبد الذي الحول والقوة لله ومن يرى
الامر في نفسه فهو علي تونه من الله فلا حول منه ولا قوة اذا لم ال وانا الواقع ولا
حول مني ولا قوة اذا لم يكن وانا الجامع اعلم ان لا حول ولا قوة الا بالله من خصايص
من خلقه الله على صورته وهو الانسان الكامل فان الملك ليس من حقيقته ان يكون هذا مقامه
بل هو للتنبه والانه ليس بعبد جامع وانا هو عضو من اعضا العبد الجامع فالعبد الجامع هو الذي
ليس صفة في سبيله الا وهي فيه ومن صورته في الاقتدار على ايجاد قبول لذلك فانه من مطلقة
من واحد دون ما عليه فلما علمنا انا نعلم ذلك شرع لنا ان نستعين به اذا القابل محتاج
الى مقتدر كما ان المقتدر طالب القبول من القابل فصحت القسمة بيننا وبينه والاقتدار منه

نور

والنزل

مخطوط فاتح - ٥٢٩٨ رمز (ف) آخری صفحہ

Marfat.com

كتاب كشف المعنى

في سر أسماء الله الحسنى

[illegible]

من كلام الشيخ الإمام محي الدين بن العربي رضي الله عنه

اعلم أن العالم مجموعه صفة عين الله التي لا تنام والعلويات
جفنها الفوقاني والسفليات جفنها التحتاني والشفرة المليكة في العلويات
أهداب الجفن الفوقاني والسفليات جفنه التحتاني والنفس الكلية سوادها
والروح الكلي بياضها والله تعالى نور هذه العين وأما قلنا إن العلويات
والسفليات إنما هما العين لأنهما كما نظرن على ظهور النور فلو قطع جفني عين
الإنسان لبعد نور عينه والشيء بحيث لا يرى شيئا أصلا وكذلك للعلويات
والسفليات لو ارتفعت لا بدت نور الله شيئا بحيث لا يدرك منه شيئا
أصلا ونوعي عين الله التي لا تنام سبحانه وتعالى فهو العالم مجموعه

مخطوط فخر الدين الخراسانی رمز () پہلا صفحہ

الاسم المانع المتعالي وتبارك اسمه في ان من رد ما للرب عن دينه وجنابه مما يؤدي الى فساده * المتخلق جميع الممكنات
متوجهة بذاتها الى الوجود في حال عدمها او الى عدمها في حال وجودها فيما منع من احداثها واعدامها فهو مانع عن ان يعطيه
المانع الذي هو مطلق فهو يمنع وقوع المفسدة والشرور * المتخلق من يمنع نفسه بحظ الله تعالى ويمنع نفسه من قيام
ما لا يرتضي الله تعالى به ويمنع غيره ايضا فهو المانع خلقا لا من منع المنافع على الخلق فيها فان ذلك بخل وكل من منع من
اهل الطريق منفعة فانما هو لمصلحة تراها فهو حكيم * الاسم الضار النافع المتعالي وتبارك اسمه في دفع من
يضر لك في دينك ودنياك واخرتك واعطا ما ينفعك في دينك ودنياك واخرتك حسا ومعنى * المتخلق الضار معنى الضرر
الذي هو الالم خاصة واسبابه سواء كان شبيه مستلذا او غير ذلك والنافع معنى النفع الذي هو اللذة واسبابها سوا
سواء كان ذلك السبب مؤلما او غير مؤلم حسا ومعنى ان المتخلق لما زمر عباد الله الصالحين من صرم حال الله تعالى
ايضا بالخيار الله تعالى والنافع من نفع عباد الله تعالى بكل ما ينتفع بما امكنه مما له سعادة في ذلك حال استرو [illegible] حسا ومعنى
الاسم النور المتعالي وتبارك اسمه ان جعلك نورا تهتدي بك * المتخلق النور هو الذي بان لذاته وسفر من انتسابه ما يلتقي
به وكشفه ذاته ولذلك قال ان الله لا يغفر ان يشرك به جعله من اكبر الكبائر اذ النور في اللغة هو الظهور ولما كان ضعفا
للابصار سمي نورا [illegible] اذا يعرف من الصابر [illegible] الاشيا عن البصائر والابصار بالنور وكان اصل ظهور
المبنيات [illegible] وجوده [illegible] نورا نوصلا * المتخلق من يعرف عند الاشيا كلها حقوقا على نفسها ان [illegible] العلم
او الحي او الغني [illegible] النور [illegible] اول قال عليه السلام اللهم اجعلني كلي نورا جعله معصوما يهتدي به ويقتدى به * الاسم
الهادي المتعالي وتبارك اسمه في الهداية من عنده [illegible] سعادتك [illegible] البيان والهادي المبين طريق
السعادة من طريق الشقاوة وطريق المنافع من طريق المضار في العلوم والاعمال والاحوال * المتخلق [illegible] من العباد [illegible] الخلق
[illegible] بلسان حق [illegible] حتى يسمع كلام الله ان الله قال على لسان عبده سمع الله لمن حمده في الصلاة [illegible] * الاسم البديع
المتعالي وتبارك اسمه [illegible] المعلم [illegible] في [illegible] البديع [illegible] ويكون البديع المبدع [illegible]
اليه [illegible] * المتخلق [illegible] السعادة من هذا الاسم من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها ورهبانية ابتدعوها [illegible]
[illegible] حق رعايتها مع [illegible] عن الوحي المنزل المعهود الحكيم * الاسم الباقي المتعالي وتبارك اسمه في ان [illegible]
[illegible] اسباب السعادة والنجاة [illegible] * المتخلق الباقي في الحقيقة من كان [illegible] ولا يجوز عليه العدم [illegible] المتخلق
الباقي من العباد [illegible] فهو [illegible] الله [illegible] الذات [illegible] من [illegible] كما ان الحق [illegible] ان يكون
عند ذلك العبد [illegible] عن نفسه [illegible] لا ينبغي ان يكون [illegible] من الوجوه [illegible] من النسب
[illegible] العارف [illegible] الوجد في الدنيا والاخرة [illegible] في كتاب [illegible] والمراد والوجه هنا حقيقته وذاته وعينه *
الاسم الوارث المتعالي وتبارك اسمه [illegible] صلى الله عليه وسلم * المتخلق الوارث من [illegible] الملاك الله تعالى [illegible]
الملاك [illegible] بالموت [illegible] عبد الوارث [illegible] الارض ومن عليها * المتخلق الوارث من العباد من ورث الانبياء علومهم
واعمالهم واحوالهم [illegible] مقامات [illegible] و
[illegible] بالهدى [illegible] الصالح [illegible] * الاسم الرشيد المتعالي
وتبارك اسمه [illegible] * المتخلق الرشيد من العباد من
[illegible] * الاسم الصبور المتعالي وتبارك اسمه [illegible]
[illegible] مبالغة [illegible] والانتقام وان كان [illegible]
[illegible] الله ورسوله [illegible] تعالى [illegible] * المتخلق الصبور من العباد [illegible]
عند اذية الخلق له [illegible] والمجازاة بالانتقام منهم [illegible] اللهم اهد قومي فانهم لا يعلمون [illegible]
[illegible] المتخلق الصبور [illegible] نفسه على [illegible] العبادات [illegible] المكاره [illegible]

مخطوط فخر الدين الخراسانی رمز (خ) آخری صفحہ

شرح الاسماء الحسنى

بسم الله الرحمن الرحيم وبه نستعين

الحمد لله رب العالمين وصلى الله على سيدنا محمد وآله وسلم تسليما [illegible]
قال سيدنا وامامنا الشيخ الامام العالم العارف المحقق الكامل وحيد دهره وفريد
عصره محيي الدين ابو عبد الله محمد [illegible] العربي الطائي الحاتمي رضي الله تعالى عنه
قال الله تعالى ولله الاسماء الحسنى فادعوه بها فهذا دليل على انه سبحانه قد سمّى لنا
في كتابه او على لسان رسوله صلى الله عليه وآله وسلم وهي تسعة وتسعون
كما جاء في الخبر ولكن ما وصلنا الى تعيينها على الجملة من طريق صحيح وقال اسماء
الحق على قسمين منها ما علمناه ومنها ما استاثر بها في علم غيبه فلم يعلمها
احد من خلقه وقد ورد هذا في الصحيح وقال الاسماء التي [illegible] على قسمين
اسماء تجري مجرى الاعلام كاسم الله واسماء تجري مجرى [illegible] ما [illegible]
اسماء [illegible] على [illegible] واسماء تدل على [illegible] الاسماء الا
[illegible] على قسمين اسماء استاثر بها [illegible] في علم غيبه دون خلقه [illegible]
[illegible] الاسماء التي علمها عباده [illegible] [illegible]
ما يدل [illegible] وقسم لا نعرفه الا [illegible] [illegible]
الاسماء الاحصاء وشبه ذلك وهي [illegible] الاسماء التي [illegible]
واحكامها والاسماء التي استاثر بعلمه لخلق [illegible]
[illegible] كانت والتها الاشارة من الشارع بالصلاة
[illegible] على ما ذكره مسلم والناس [illegible]
هذه التجليات عن هذه الاسماء [illegible] لا يعرف [illegible] بالحق تعالى
على [illegible] تا[illegible] بالنسبة اليه سبحانه [illegible] والصلوات
[illegible] فيها على ما يليق به [illegible] اليه سبحانه [illegible] جميع اسمائه
سبحانه [illegible] والتخلق بها الا الاسم الله عند من يجريه مجرى العلمية
[illegible] للتعلق خاصة اذا كان مدلوله الذات كما قلنا لمجموع مراتب
الالوهية وقال [illegible] الحق تعالى القديمة التي يذكر بها نفسه من كونه متكلما
لا تتصف بالاسماء ولا بالعدم والتاخر [illegible] ولا محدثة و[illegible]

نسخہ مجلس شوری ملی ایران رمز (م) پہلا صفحہ

على الحقيقة من كان بهذه الصفة فلا يجوز عليه العدم المتخلق بالباقي من العباد من بقي
في عبوديته مع الله تعالى وأيما سالم الذات لا يخرج بشيء من عبوديته كما أن المتخلق بالـ
ربوبية لا ينبغي أن يكون عبدا كذلك العبد ينبغي أن يكون باقيا في عبوديته عند نفسه
مستصحب الحال فيها لا ينبغي أن يكون بابا بوجه من الوجوه ولا بنسبة من النسب قال
بعضهم العارف مصون الوجه في الدنيا والآخرة مذكور في كتاب الباطن ولمن أراد
هنا حقيقته وغيره وذات الاسم الوارث المتعلق استغاث البدل بو ... الى
الأفئدة بنسبته ... صلى الله عليه وسلم المتحقق الوارث من ترجع الأملاك اليه بعد
انقراض الملاك عنها بالموت وسواء كان المنتفع منه عند الوارث أولا انه
يرث الأرض ومن عليها المتخلق الوارث من العباد من ورث الأنبياء في علومهم و...
ولحوالهم بعد انقراضهم الى ... العلماء ورثة الأنبياء ... التي ورثتموها
مقامات الكفار ... دخلوا النار ... في الدنيا ... الى أبد
وورث الصالحون من الأرض ... وان الأرض لله يورثها من
يشاء الاسم الرشيد المتعلق افتقارك اليه ... الى ... المتحقق
المرشد الى معالي الأمور قال الله تعالى ولقد آتينا ابراهيم رشده المتخلق الرشيد
من العباد هو الذي قد عرف الأمور وحقيقتها ... لما ينبغي كما
ينبغي ويترك ما ينبغي كما ينبغي الاسم الصبور المتعلق افتقارك
له لا يؤاخذك ... من عافيه في دينك ودنياك وآخرتك المتحقق الصبور
... هو الذي ... عن الانتقام والاستعجال فان كان قادرا
فلعلمه أن الذين يؤذون الله ورسوله ... مع قدرته
المتخلق الصبور من العباد من حبس نفسه عند أذية الخلق إياه عن الانتقام
والمجازاة بالانتقام منهم ان كان قادرا والدعاء عليهم بل يقول اللهم اغفر
لقومي فانهم لا يعلمون فهذا هو التخلق ومن التخلق الصبور من حبس نفسه
على مشاق العبادات كاسباغ الوضوء على المكاره ومقاساة الأعداء في الله تعالى
بمحاربته إياهم ظاهرا وباطنا والله يقول الحق وهو يهدي السبيل قال شارح
هذه الأسماء رضي الله تعالى عنه الغرض من الإملاء في هذا الفن واقتصرنا على
الأسماء التي خرجها أبو حامد الغزالي قدس سره في كتاب الإحياء والحمد لله رب العالمين
وصلى الله على خير خلقه سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم تسليما كثيرا طيبا مباركا فيه تمت

بلغ

نسخہ مجلس شوری ملی ایران رمز (م) آخری صفحہ

Marfat.com

كشف المعنى عن سر أسماء الله الحسنى

اسمائے الٰہیہ کے اسرار و معانی

Marfat.com

كشف المعنى عن[1] سرّ أسماء الله الحسنى

[المُقدِّمةُ]

بسم الله الرحمن الرحيم[2]

قال الله تعالى: ﴿وَلِلَّهِ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا﴾[3] فهذا[4] دليل[5] على أنّه سبحانه قد[6] عيّنها لنا[7] في كتابه أو[8] على لسان رسوله - صلّى الله عليه وسلّم -، وهي تسعة و تسعون كما[9] صحّ في الخبر، ولكن ما وصل إلينا[10] تعيينها على الجملة من طريق نعتمد

---

[1] خ: في. والعنوان في م: شرح الأسماء الحسنى.

[2] ج: + ربّ يسّر وصلّ على محمد وسلّم. قال سيّدنا وإمامنا الشيخ الإمام العالم العارف المحقق الكامل، وحيد وقته وفريد عصره، محيي الدين أبو عبد الله محمد بن علي بن العربي الطائي الحاتمي الأندلسي رضي الله عنه.

ف: + ربّ يسّر وأعن يا كريم

خ: + وبه نستعين، وصلّى الله على سيّدنا محمد وآله وسلّم.

م: + وبه نستعين، الحمد لله ربّ العالمين، وصلّى الله على سيّدنا محمد وآله وسلّم تسليما دائما كثيرا. قال سيّدنا وإمامنا الشيخ الإمام العالم العارف المحقق الكامل، وحيد وقته وفريد عصره، محي الدين أبو عبد الله محمد بن العربي الطائي الحاتمي رضي الله عنه.

[3] [الأعراف: 180]

[4] خ: هذا. ج: فيه.

[5] م: دليله.

[6] خ: - قد.

[7] م: عيّنه لها.

[8] ج: و.

[9] ج: وتسعون اسما لما.

[10] ج: ما وصلنا. ف، ي، م (في المتن)، ط: ما وصلنا إلى.

Marfat.com

عليه[١].

و[٢]أسماء الحقّ[٣] - تعالى - على قسمين: منها ما علّمنا إيّاها[٤]، ومنها ما استأثر بها في علم غيبه فلم يعلمها أحد[٥] من خلقه، وقد ورد هذا في الصحيح.

والأسماء[٦] التي علّمنا إيّاها[٧] على قسمين: أسماء تجري مجرى الأعلام[٨] كاسمه الله، وأسماء تجري مجرى النعوت. والأسماء التي تجري مجرى النعوت على[٩] قسمين: أسماء تدلّ على صفات تنزيه، وأسماء تدلّ على صفات أفعال.

و[١٠]الأسماء الإلهيّة على قسمين: أسماء استأثر بها سبحانه في علمه دون خلقه[١١]، وأسماء علّمها عباده. والأسماء التي علّمها عباده قسمان: قسم تعرفه عامّة عباده وهي التي بأيدي أكثر الناس، وقسم لا يعرفه إلّا الخاصّ[١٢] من عباده كالاسم الأعظم ومجموع أسماء الإحصاء وشبه ذلك وغيره[١٣].

---

[١] ج، ي، م، ط: طريق صحيح. ف: طريق صحيحة.

[٢] ج، خ، ي، م: + قال. ف: + قال المصنف.

[٣] ج: أسماؤه.

[٤] ج، خ، ي، م: علّمها إيانا. ف: علمها لنا.

[٥] ج، خ: أحدا.

[٦] ج، ف، خ: وقال والأسماء. ي، م: وقال الأسماء.

[٧] ط: علمها إيانا.

[٨] ج: الذات.

[٩] م: - والأسماء التي تجري مجرى النعوت على.

[١٠] ج، ف، خ، ي، م: + قال.

[١١] ي: - دون خلقه. ج: دون حكمه.

[١٢] ي، ط: الخواص.

[١٣] خ: - وغيره.

فالأسماء التي علّمها عباده قد أظهر اللهُ أعيانها وأحكامها، والأسماء التي استأثر بها دون[1] خلقه أخفى أعيانها وأظهر أحكامها في التجلّيات حيث[2] كانت، وإليها الإشارة من الشارع بالتحوّل والتبدّل الإلهيّ في الصور في التجلّي في القيامة، على ما[3] ذكره مسلم[4]. والناس في هذه التجلّيات على قسمين: طائفة تعرف أنّ هذه التجلّيات عن هذه الأسماء، وطائفة لا تعرف.

و[5]للعبد بأسماء[6] الحق[7] تعالى تعلّق وتحقّق وتخلّق: فالتعلّق افتقارك إليها مطلقًا من حيث ما هي دالّة على الذات. والتحقّق[8] معرفة معانيها بالنسبة إليه - سبحانه - وبالنسبة إليك. والتخلّق أن تقوم فيها[9] على[10] ما يليق بك، كما تُنسَب إليه سبحانه على[11] ما يليق به.

فجميع أسمائه سبحانه يمكن تحقّقها والتخلّق بها، إلّا[12] الاسم "الله" عند من يجريه مجري العَلَميّة، فيقول: إنّه للتعلّق خاصّة؛ إذ[13] كان مدلوله الذات، كما قلنا بمجموع مراتب الألوهيّة.

---

[1] م: - دون.

[2] خ: بحيث.

[3] خ: - على ما.

[4] خ: + بن حجاج.

[5] ف، خ، ي، م: + قال.

[6] ج: - وطائفة لا تعرف وللعبد بأسماء.

[7] خ: الله.

[8] م: - وتخلّق: فالتعلّق افتقارك إليها مطلقًا من حيث ما هي دالّة على الذات. والتحقّق.

[9] ج، ي، ط: أن تنسب إليك.

[10] ج: - على.

[11] ج: - سبحانه على.

[12] ف: و.

[13] م: إذا.

Marfat.com

و[١]أسماء الحقّ تعالى القديمة التي يذكر بها نَفسه[٢] من كونه متكلّمًا لا تتّصف بالاشتقاق ولا بالتقدّم ولا بالتأخّر[٣]، غير مكيّفة[٤] ولا محدودة.

وأمّا الأسماء التي بأيدينا التي ندعوه بها فهي على الحقيقة أسماء تلك الأسماء، وفيها يمكن الاشتقاق من أسماء المعاني لا من المعاني، وقد يُحتمل أن تكون[٥] أسماء المعاني مشتقّة من هذه الأسماء التي هي أسماء الأسماء. وهذه الأسماء التي بأيدينا هي التي تطلب المعاني بحكم الدلالة، لا الأسماء القديمة. فمن قال: إنّ الاسم غير المسمّى أراد هذه؛ أعني أسماء الأسماء، فإنّها ألفاظ وألقاب. ومن قال:[٦] إنّ[٧] الاسم هو المسمّى أراد الأسماء القديمة، إذ الوحدانيّة هناك من جميع الوجوه، فلا تعداد.

---

[١] ج، ف، خ، ي، م: + قال.

[٢] ي: نسبه.

[٣] ج، ف، خ، ي، م: ولا بالتقدم والتأخر. ج، ط: + وهي.

[٤] ف: متكيفة.

[٥] ي، م: يكون.

[٦] ج، ف، خ، ي، م: أراد.

[٧] ج: – إن.

Marfat.com

اسمائے الٰہیہ کے اسرار و معانی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بیشک اللہ کے خوبصورت نام ہیں سو اِن ناموں سے اُسے پکارو﴾ (الاعراف: ۱۸۰) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان اسما کو ہمارے لیے اپنی کتاب یا اپنے رسول ﷺ کی زبانی متعین کر دیا ہے۔ یہ ننانوے نام ہیں جیسا کہ اس بارے میں ایک صحیح خبر ہے، لیکن یہ اسما ہم تک متعین ہو کر کسی ایسے طریقے سے نہیں پہنچ پائے جس پر ہم بھروسا کر سکیں۔

حق تعالیٰ کے اسما دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو اُس نے ہمیں سکھائے، اور دوسرے وہ جو اس نے اپنے غیب کے علم میں چھپائے، جنھیں اُس کی مخلوق میں کوئی نہیں جانتا، ایک صحیح حدیث کا یہی بیان ہے۔

وہ اسما جو اُس نے ہمیں سکھائے، وہ بھی دو طرح کے ہیں: ایک وہ اسما جو خاص پہچان کے لیے ہیں جیسے کہ "اسم اللہ"۔ اور دوسرے وہ اسما جو اضافی صفات کو بیان کرتے ہیں، یہ بھی دو طرح کے ہیں: ایک وہ اسما جو صفاتِ تنزیہ پر دلالت کرتے ہیں، اور دوسرے وہ اسما جو صفاتِ افعال پر دلالت کرتے ہیں۔

سو اسمائے الٰہیہ دو قسم کے ہوئے: ایک وہ جو اُس پاک ذات نے مخلوق سے چھپا کر خود سے مخصوص کیے، اور دوسرے وہ جو اُس نے اپنے بندوں کو سکھائے۔ جو اسما اس نے اپنے بندوں کو سکھائے ان کی بھی دو قسمیں ہیں: ایک وہ قسم جو اُس کے عام بندوں کے علم میں ہے، اکثر لوگ انہی اسما کو جانتے ہیں۔ اور دوسری وہ قسم جسے اس کے خاص بندے ہی جانتے ہیں، جیسا کہ "اسم اعظم" اور سارے "اسمائے احصاء" یا اس جیسے دیگر اسما۔

وہ اسما جو اُس نے اپنے بندوں کو سکھائے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اِن اسما کے اعیان اور احکام کو

Marfat.com

ظاہر کیا ہے۔ اور وہ اسما جو اُس نے خود سے مخصوص کر کے مخلوق سے چھپائے، تو اِن کے اعیان کو تو چھپا لیا، لیکن تجلیات میں — وہ جہاں بھی ہوں — اُن کے احکام کو ظاہر کیا ہے۔ شارع نے بروز قیامت وقت ظہور صورتوں میں ذات الٰہیہ کے تحوّل اور تبدّل (یعنی منتقل اور تبدیل ہونے) سے اسی جانب اشارہ کیا، جسے امام مسلم نے نقل کیا۔ اِن تجلیات کے حوالے سے لوگ دو گروہوں پر مشتمل ہیں: ایک گروہ یہ جانتا ہے کہ یہ تجلیات انہی اسما سے ہیں، جبکہ دوسرا گروہ یہ نہیں جانتا۔

بندے کا اسمائے حق تعالیٰ سے تعلق، تحقق اور تخلق کا رشتہ ہے۔ تعلق اس حیثیت سے تیرا اِن اسما کا مطلق محتاج ہونا ہے جس (حیثیت) سے یہ ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ تحقق حق تعالیٰ کے لحاظ سے اور خود تیرے لحاظ سے اِن کے حقیقی معانی کا جاننا ہے۔ جبکہ تخلق یہ ہے کہ تو ان سے ویسے قائم ہو جو تیرے لائق ہے، جیسا کہ یہ (اسما) اُس پاک ذات سے ویسے منسوب کیے جاتے ہیں جیسا اُس کے شایان شان ہے۔[1]

لہٰذا اس پاک ذات کے تمام اسما سے تحقق اور تخلق کا رشتہ قائم کیا جا سکتا ہے، ماسوائے

[1] شیخ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں اسمائے الٰہیہ سے تخلق کا درست طریقہ یہ ہے کہ ان سے ویسے متخلق ہوا جائے جیسے یہ اللہ کے پاک بندوں کی صفات ہوں، ایسے نہیں جیسے کہ یہ اللہ کی صفات ہیں؛ کیونکہ اصل عارفین کا شرف اسی میں ہے کہ وہ مقام عبودیت سے ذرہ برابر بھی آگے پیچھے نہیں ہوتے۔ جبکہ اکثر عارفین یہ ذوق نہیں رکھتے اور اسمائے حسنیٰ سے اس طرح متخلق ہونا سمجھتے ہیں جیسے کہ یہ اللہ کے اسما ہیں۔ ملا اعلیٰ والے بھی ان سے ویسے متخلق ہوئے جیسا ان کے لائق تھا لہٰذا ایک عارف کو بھی اپنے لائق عبدی خصوصیات کے ساتھ ان سے متخلق ہونا چاہیے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ان اسما کے تقاضوں کے باوجود اس تخلق میں خود میں ربوبیت کا ذائقہ نہیں پاتے۔ جو کوئی ہماری بات سمجھ گیا اور اُس نے اس پر عمل بھی کیا تو اس نے علم تجلی کا وہ مزہ چکھا جو ربوبیت کے ذائقے سے متخلق ہونے والے نے نہ چکھا۔ (ماخوذ از فتوحات السفر-۱۱، ص ۱۴۲)

آپ فرماتے ہیں: ہمارے نزدیک تجلی سے مراد اسمائے الٰہیہ سے تخلق میں ہمیشہ عبودیت کے اوصاف کا ظہور ہے، اگر اس جا عبودیت کے اوصاف کا ظہور نہ ہوا تو اسما سے یہ تخلق اس کے لیے وبال جان بن جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ (غافر: ۳۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور جبّار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۳، ص ۳۰ ب)

Marfat.com

اسم اللہ کے، یہ اُس شخص کی رائے میں جو اِسے "اسم عَلَم" مانتا ہے، اس کا کہنا ہے: یہ اسم صرف تعلق کے لیے ہے[۱]؛ کیونکہ اس کا مدلول ذات باری تعالیٰ ہے، جیسا کہ ہم نے الوہیت کے تمام مراتب میں یہ بات کی ہے۔[۲]

اور حق تعالیٰ کے وہ قدیمی اسما جن سے وہ متکلم ہونے کی حیثیت میں خود اپناذکر کرتا ہے، تو انہیں اشتقاق تقدم اور تاخر سے موصوف نہیں کیا جا سکتا، نہ ان کی کیفیت بیان ہو سکتی ہے اور

---

۱ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں اسمائے الٰہیہ کی اقسام بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "یہ تمام اسما اِسی جہان میں ظاہر ہوئے، اسمائے ذات سے تعلق کا رشتہ ہو سکتا ہے لیکن ان سے متخلق نہیں ہوا جاتا، اسمائے صفات تنزیہ حق تعالیٰ کی پاکی پر دلالت کرتے ہیں، لیکن بندہ اپنے حساب سے ان سے متخلق ہو سکتا ہے۔ جیسے بندہ اللہ جل جلالہ کو اس بات سے پاک تصور کرتا ہے کہ اس میں حادث صفات قائم ہوں اسی طرح اِن اسما سے متخلق ہو کر بندہ خود کو پاک کر سکتا ہے کہ اس میں قدیمی صفات یا غنائے مطلق قائم ہو۔ اسمائے صفاتِ افعال سے بندہ اپنے رب کی توحید پر دلالت کرتا ہے کہ اس کے افعال میں اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کا شریک نہیں ہوتا۔ حاضرت الٰہیہ میں وہی ہے جو ہم نے بتایا، انسان میں بھی وہی ہے جو ہم نے بتایا اور امکان میں بھی وہی ہے جو ہم نے بتایا۔ پس بندہ کبھی اس کا رب نہیں ہوتا جس کا وہ بندہ ہوتا ہے۔ اور رب کبھی بندہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس سے پاک ہے۔ (مخطوط: السفر-۷، ص ۱۴)

۲ "ہمارے پاس اسم اللہ کے سوا ذات کے لیے کوئی خالص اسم عَلَم نہیں، لہٰذا اسم اللہ ذات پر مطابقت سے ویسے ہی دلالت کرتا ہے جیسے "اسمائے اعلام" مسمیات پر دلالت کرتے ہیں۔ یہاں کچھ ایسے اسما ہیں جو تنزیہ پر دلالت کرتے ہیں اور چند اسما صفات کے اعیان کے اثبات پر دلالت کرتے ہیں، حالانکہ ذات حق تعالیٰ نے اعداد کا قائم ہونا قبول نہیں کیا، یہی تو وہ اسما ہیں جو ثبوتی اور ذاتی صفات کے اعیان عطا کرتے ہیں جیسے العالم، القادر، المرید السمیع ... وغیرہ، اسی طرح چند اسما اضافی صفات کا بتاتے ہیں، اطلاق میں یہ صرف نسبتوں اور اضافتوں کا پتا دیتے ہیں جیسا کہ الاول، الآخر... وغیرہ۔ اسی طرح کچھ اسما افعال کا پتا دیتے ہیں جیسا کہ الرازق، الخالق... وغیرہ۔ اسما کی اقسام مکمل ہوئیں، تمام اسمائے الٰہیہ۔ چاہے وہ جتنے بھی ہوں۔ وہ ان اقسام میں سے کسی ایک یا ایک سے زائد کی طرف ہی لوٹیں گے۔ (مطبوع: جلد-۴، ص ۱۹۷)

Marfat.com

نہ یہ محدود ہیں۔

ہاں وہ اسما جو ہمارے علم میں ہیں اور جن سے ہم اُسے پکارتے ہیں، وہ در حقیقت ان "اسما کے اسما" ہیں، اور ان اسمائے معانی میں اشتقاق (اسم کے لفظ سے) ممکن ہے، معانی سے نہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسمائے معانی اِن اسما سے مشتق ہوں جو کہ "اسما کے اسما" کہلاتے ہیں۔ ہمیں معلوم یہ اسما ہی دلالت کے حکم سے معانی کے طالب ہیں، اسمائے قدیمی ایسے نہیں۔ سو جو یہ کہتا ہے کہ "اسم غیر مسمی ہے" تو اس کی مراد یہ "اسما کے اسما[1]" ہی ہیں؛ کیونکہ یہ الفاظ اور القاب ہیں۔ اور جو یہ کہتا ہے کہ "بیشک اسم ہی مسمی ہے" تو اس کی مراد اسمائے قدیمی ہیں، کہ وہاں تمام رخوں سے وحدانیت ہی ہے، لہذا کوئی تعداد (یعنی کثرت) نہیں۔

---

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: "ہمارے پاس جو یہ ملفوظی اور مکتوبی اسما ہیں، یہ اسمائے الہیہ کے اسما ہیں، اور اللہ نے اپنے متکلم ہونے سے خود کو ان سے موسوم کیا ہے۔ (مطبوع: جلد-۴، ص ۲۱۴) شیخ فرماتے ہیں کہ "اسما الاسما" کی بھی وہی حرمت ہے جو مسمی کی اُس کے اسما سے ہے۔ قرآن مجید میں لکھے حروف کلام کے وہ اعیان ہیں جن سے اللہ کا کلام سمجھا جاتا ہے، جس سے وہ موصوف ہے... حق تعالی اپنے متکلم ہونے میں اپنے ان اسما سے اپنا ذکر کرتا ہے، یہ اس حساب سے کہ کلام اُس سے منسوب کیا جائے اور اس نسبت کی کیفیت نہ ہو۔ اِن اسما کے ہمارے ہاں ہر بولی جانے والی زبان میں اسما ہیں۔ عربی زبان میں اس کا وہ اسم جو اُس نے خود بول کر ہمیں بتایا وہ اللہ ہے، فارسی میں خدا، حبشہ کی زبان میں واق، فرانسیسی زبان میں کریئٹر، اور اسی طرح ہر زبان میں۔

یہ اِن اسما کے اسما ہیں، نسبتوں کے متعدد ہونے سے یہ بھی متعدد ہیں؛ ہر گروہ دلالت کے اعتبار سے ان نسبتوں کی تعظیم کرتا ہے۔... لہذا ہمارے ہاتھ "اسما کے اسما" کے سوا کچھ نہیں۔ (مخطوط: السفر-۲۰، ص ۸۰)

Marfat.com

معرفة الأسماء الإلهية
على طريق[1] التعلّق والتحقّق والتخلّق

اسمائے الٰہیہ کی معرفت
براستہ
تعلق تحقق اور تخلق

[1] ف: سبيل.

Marfat.com

(١) الاسم: الله

من[١] رأى أنّ هذه اللفظة[٢]، لفظة[٣] الله، بمنزلة الاسم العلَم واحتجّ بأنّها تُنعت ولا يُنعَت بها، منع من التخلّق بها، إذ التخلّق اكتساب النعوت[٤]. ومن رأى أنّها اسم لمجموع الصفات الإلهيّة جوّز التخلّق بها كسائر الأسماء الإلهيّة.[٥]

التعلّقُ بهذا الاسم: افتقارُك إليه من حيث الجمع ممّا يجوز أن تكون[٦] عليه[٧] على الحدّ المشروع من غير تخصيص شيء بعينه.

التحقّقُ بهذا الاسم: معرفةُ ما يجب لمدلول هذا الاسم وما يستحيل وما يجوز على وجه من يقول: إنّ ثمّ إمكانًا بالنظر إليه سبحانه. ومن التحقّق[٨] أيضًا معرفة ما يُنسَب إلينا من هذا المجموع الذي يدلّ عليه هذا الاسم على الوجه اللائق[٩] بنا.

التخلّق بهذا الاسم: أن تقوم في جمعيّتك بمجموع مدلول هذا الاسم من حيث الأسماء التي لا تُعرَف، ومن حيث[١٠] الأسماء التي[١] تُعرَف، فتكون[٢] في العالم مجهول

[١] ج، ف، خ، م: قال من.
[٢] ج، خ، ي، م: – اللفظة.
[٣] ف: – لفظة.
[٤] ي: + (بين السطرين): لا الذات.
[٥] ي، م: – جوّز التخلّق بها كسائر الأسماء الإلهيّة. م: + (بين السطرين): لأنه دال على الذات الجامعة الصفات الإلهية كلها.
[٦] ج، ف، ي: يكون.
[٧] ج: – عليه.
[٨] ج، ط: + بهذا الاسم.
[٩] خ: الأليق.
[١٠] خ: – حيث.

Marfat.com

النعت والوصف بوجه، وتكون[3] مؤثّرًا في العالم بأسره بوجه[4]، وغير العالم بنسبة[5] خاصّة: ﴿ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾[6] ولكن لا تُطلِق[7]، وتكون[8] مقصودًا للعالم بوجه. فمَن حصّل هذه المراتب فقد تخلّق بالاسم الله، لا من حيث عَلَميّته، بل من حيث[9] مفهوم ما يتّصف به مدلوله لكونه ينعت.

و[10] كما يستحيل أن يُدعَى بهذا الاسم مطلقًا من غير تقييد بحال من الأحوال وإن لم يظهر في النطق، كذلك يستحيل[11] أن يُقصَد التخلّق بهذا الاسم مطلقًا من غير تقييد بحال من الأحوال وإن لم يظهر في نطق القاصد، ولكن من شرط المتخلّق به[12] معرفة حال القاصد[13] على التعيين، وإلّا فما تخلّق به[14].

---

[1] ج: – لا تعرف ومن حيث الأسماء التي.

[2] ج، م: فيكون.

[3] ج: ويكون.

[4] ج: – بوجه.

[5] ي: نسبته.

[6] [غافر: 60]

[7] ج، ف: لا يطلق.

[8] ج، م: ويكون.

[9] ج، ف، ي، م: – حيث.

[10] ج، ف، خ، ي، م: + قال.

[11] ف: – أن يُدعَى بهذا الاسم مطلقًا من غير تقييد بحال من الأحوال وإن لم يظهر في النطق، كذلك يستحيل.

[12] ي: – به.

[13] ج: – ولكن من شرط المتخلق به معرفة حال القاصد.

[14] ف: – به.

Marfat.com

اسم اللہ[1]

جس کی رائے میں لفظ "اللہ" "اسم عَلَم[2]" کی مانند ہے، اور جس کا یہ استدلال ہے کہ یہ لفظ موصوف تو ہو سکتا ہے لیکن اِس سے کسی کو موصوف نہیں کیا جا سکتا، ایسا شخص اس اسم سے متخلق ہونے کا بھی انکار کرتا ہے، کیونکہ تخلق اضافی صفات کا کسب ہے۔ اور جو اِس اسم کو صفات الٰہیہ کا مجموعہ شمار کرتا ہے تو اُس نے باقی اسما کی طرح اِس اسم سے تخلق کو بھی جائز قرار دیا۔

تعلق:

اس اسم سے تیرا تعلق جمع کی حیثیت سے -جو تیرے لیے شرعی حد کے اندر رہتے ہوئے جائز ہو اور جس میں کسی چیز کی اُس کی عین سے کوئی تخصیص نہ ہو- تیرا اِس کا محتاج ہونا ہے۔

تحقق:

اس اسم سے تحقق: اس معرفت کا حصول جو اِس اسم کے مدلول سے واجب، مستحیل اور جائز ہونا بتائے، یہ اس کی رائے میں جو یہ کہتا ہے کہ "حق سبحانہ وتعالیٰ کے پاس امکان ہے (کہ وہ جو چاہے کرے اور جو چاہے نہ کرے)۔" اِس اسم کے تحقق میں یہ معرفت بھی ہے کہ (اسما کے) اس مجموعے میں - جس پر یہ اسم دلالت کرتا ہے - ہم سے ہمارے لائق کیا منسوب ہوتا ہے۔

---

[1] وہ اپنی ہویت اور ذات سے اللہ ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۹۱ ب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: "یہ بھی جان لے کہ اسما اور موجودات کے حقائق پر جامع اسم، جو اِن کا سربراہ، سردار اور اِن پر غالب ہے، وہ صرف "اسم اللہ" ہی ہے؛ یہ ذات، صفات اور اسما کی دلیل ہے۔" (رسالہ القسم الالٰہی)

Marfat.com

تخلق:

اس اسم سے تخلق یہ ہے کہ تو اپنی جمعیت میں اس اسم کے مجموعی مدلول کے ساتھ۔ جس میں وہ اسما بھی شامل ہیں جو نہیں جانے جاتے اور وہ اسما بھی جو جانے جاتے ہیں۔ قائم ہو، لہذا ایک رخ سے تو اس کائنات میں نامعلوم اوصاف اور نامعلوم اضافی صفات والا ہو، ایک دوسرے رخ سے تو اِس ساری کائنات میں اثر کرنے والا ہو، اور ایک خاص نسبت سے اس پر اثر انداز ہو جو غیر العالم ہے[1]: ﴿مجھ سے مانگو، میں تمہیں دوں گا﴾ (غافر: ٦٠) لیکن اطلاق نہ کر، تو ایک رخ سے عالم کا مقصود ہو گا۔ جس نے ان مراتب کو پالیا تو وہ اسم اللہ سے متخلق ہو گیا، اس کے "اسم علم" ہونے کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اس مفہوم کی حیثیت سے جس سے اس کا مدلول متصف ہوتا ہے کیونکہ یہ موصوف ہوتا ہے۔

جیسے اس اسم کو احوال میں سے کسی حال کی قید کے بغیر مطلقاً پکارا جانا ممکن نہیں، چاہے وہ (قید) بولنے میں ظاہر نہ بھی ہو، اسی طرح بغیر احوال میں سے کسی حال کی قید کے اس اسم سے متخلق ہونا بھی ممکن نہیں، چاہے یہ (قید) قصد کرنے والے کے بولنے میں نہ آئے، لیکن اِس سے متخلق ہونے والے کی شرط یہ ہے کہ وہ قصد کرنے والے کا حال بالصراحت جانتا ہو، اگر نہیں تو وہ اس سے متخلق نہ ہوا۔

---

[1] اس مقام پر شیخ اکبر نے اشارات کی زبان میں حقائق کی بات کی ہے۔ غیر العالم تو صرف حق تعالی ہی ہے اور اس پر اثر قرآن مجید کی اس اگلی آیت سے نمایاں ہے: ﴿مجھ سے مانگو، میں تمہیں دوں گا﴾ (غافر: ٦٠) یعنی اس نے خود تجھے دعا مانگنے کی رغبت دلائی اور پھر جب وہ تیری دعا قبول کرتا ہے تو ایک نسبت سے تو نے اس سے اپنا کام نکلوایا۔ یہاں یہ بات غور طلب رہے کہ تاثیر کی یہ قسم حق تعالی نے خود پر واجب کی ہے کسی دوسرے میں یہ طاقت نہیں کہ وہ حق کی مرضی کے برخلاف اس پر اثر انداز ہو سکے۔ یہ انداز بیان اور سمجھ سمجھ کی بات ہے۔ (ماخوذ از فتوحات مکیہ، حاضرت اجابت، السفر۔ ۳۲، ص ۱۱۹۔ استاذ عبد العزیز المنصوب، ابرار احمد شاہی)

(٢) الاسم: الرحمن

التعلّق: افتقارك إلى هذا الاسم في تحصيل الاسم الذي يجهله منك عالَم الخلق دون عالم الأمر.

التحقّق:[١] هذا الاسم يجري في الدلالة مجرى الأسماء[٢] الأعلام كاسمه الله، فيُنعت ولا يُنعَت به. ﴿قَالُوا: وَمَا الرَّحْمَٰنُ؟﴾[٣] فأنكروه، فلو كانت هذه اللفظة من كلامهم بطريق الاشتقاق ما أنكروها، ولو كانت معلومة عندهم مثل الاسم الله ما أنكروها[٤] أيضًا. قيل لهم: ﴿اُعْبُدُوا اللَّهَ﴾ فلم يقولوا: وما الله؟ بل قالوا في حقّ الشركاء: ﴿مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَى﴾[٥] فلهذا أجريناه مجرى الأعلام وإن كان يطلبه الاشتقاق من اسم[٦] الرحمة. فما عرّفت العرب هذه اللفظة بالألف واللام، ولكن قد نُقل مضافًا في «رحمن اليمامة». فلا أدري هل كان له هذا الاسم بعد أن جاء النبيّ - صلّى الله عليه وسلّم - باسم[٧] الرحمن أو قبل ذلك.

فالذي يمنع وجوده بالألف واللام، فإن[٨] قيل[١]: في كتاب سليمان[٢] إلى بلقيس ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾[٣]؟ قلنا: وقع التعريف على المعنى ولا ننكره، وكلامنا إنّما

---

[١] ج، ف، خ، ي، م: + قال.

[٢] خ: أسماء.

[٣] [الفرقان: 60]

[٤] ج، م: - ولو كانت معلومة عندهم مثل الاسم الله ما أنكروها.

[٥] [الزمر: 3]

[٦] ط: الاسم.

[٧] خ: بالاسم. ف: باسمه.

[٨] ف: بأن.

Marfat.com

هو في لفظة[٤] "الرحمن" باللسان العربيّ. ولمّا كتب النبيّ - صلّى الله عليه وسلّم - الكتاب[٥] بينه وبين المشركين كتب: «بسم الله الرحمن الرحيم» قال المشركون: ما نعرف "الرحمن"، وإنّما كانوا يكتبون: «باسمك اللّهمّ».

وممّا يؤيّد إجراءه مجرى الأسماء الأعلام قوله تعالى: ﴿قُلِ ادْعُوا اللَّـهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَـٰنَ أَيًّا مَّا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ﴾[٦] فجعل مدلول اسم الله مدلول اسم الرحمن، ولهذا قال: «فله»، ولم يقل: «فلهما».

ونسبة العبد من هذا الاسم في التحقّق نسبته في الاسم الله، وقد تقدّم الكلام فيه[٧]. فتحقّق العبد من هذا الاسم الذي[٨] يفارق به الاسم الله أن يكون له اسم من طريق وجه الحقّ ممّا[٩] بينه وبين ربّه لا يطّلع عليه غير الله - تعالى - حتّى لو ظهر وقع الإنكار عليه كما وقع على الاسم الرحمن.

قيل لبعض العارفين: كم الأبدال؟ قال: أربعون نفسًا. قيل له[١٠]: لِمَ لا تقول أربعون رجلًا؟ قال: قد يكون فيهم النساء. كلّهم[١١] ينكر بعضهم على بعض،[١٢] يشير إلى

---

[١] م: + من كان.

[٢] خ: + عليه السلام.

[٣] [النمل: 30]

[٤] خ: لفظ.

[٥] ي: - الكتاب.

[٦] [الإسراء: 110]

[٧] م: - فيه.

[٨] خ: - الذي.

[٩] خ: فيما.

[١٠] ج: - له.

[١١] ف: - كلهم. م: + من.

[١٢] م: + بعضا من.

هذا الاسم الخاصّ الذي بين كلّ واحد منهم وبين ربّه إذا ظهر لصاحبه، ومنه ظهور الخضر لموسى – عليهما السلام – بما أنكر[١] عليه.

التخلّق بهذا الاسم كالتخلّق بالاسم الله على السواء، وقد تقدّم في الاسم الله، غير أنّ هذا الاسم لمّا كان[٢] فيه رائحة من الاشتقاق لا يجري[٣] مجرى الاسم الله[٤] الذي ليس بمشتقّ[٥]، فلهذا[٦] الاسم الرحمة العامّة؛ وهي[٧] رحمة الإيجاد، وهو قوله تعالى[٨]: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾[٩] فعمّ. ومن هذه الرحمة العامّة: الرحمة التي تتعاطف بها[١٠] الموجودات بعضها[١١] على بعض، في كلّ حيّ[١٢]، وبها يرحم كلّ موجود نفسه، وقوله: ﴿فَسَأَكْتُبُهَا[١٣]﴾ يأتي في الاسم الرحيم، وهذه مسألة خلاف بيننا وبين المعتزلة. فمن التخلّق أن تكون[١٤] رحمة[١٥] العبد لجميع ما سوى الله من غير[١٦] تمييز ولا تفريق بوجه[١]

---

[١] ف، خ: بما أنكره.
[٢] ج، ي: أن كان. ف: أن
[٣] خ: لم يجره.
[٤] ي: وإن.
[٥] خ: + في الأظهر.
[٦] خ: ولهذا.
[٧] م: – وهي.
[٨] خ: قال تعالى.
[٩] [الأعراف: 156]
[١٠] خ: – بها.
[١١] خ: ببعضها.
[١٢] ط: حين.
[١٣] خ: + للذين.
[١٤] ج، ي: يكون.
[١٥] ج: – رحمة.
[١٦] م: – غير.

Marfat.com

يقتضي لها[2] العموم من غير أن تتعلّق به مذمّة شرعيّة. قال إبراهيم - عليه السلام -: تعلّمت الكرم من ربّي.

[1] خ: بوجهة.

[2] ي، ط: له.

اسم الرحمن[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اُس اسم کا حصول ہے جو "عالم امر" کے سوا "عالم خلق" تجھ میں نہیں جانتا۔

تحقق:

اسم (الرحمن بھی) دلالت میں اسمائے اعلام- جیسے کہ "اسم اللہ"- کی طرح ہے، جو خود تو موصوف ہوتا ہے لیکن اِس سے (کسی دوسرے کو) موصوف نہیں کیا جاتا۔ کافروں نے کہا: ﴿کون الرحمن؟﴾ (الفرقان: ٦٠) سو اس کا انکار کیا، اگر یہ لفظ اشتقاق کے راستے سے اِن کے کلام کا حصہ ہوتا تو کبھی اِس کا انکار نہ کرتے، اور اگر یہ اسم اللہ کی طرح انہیں معلوم ہوتا تو بھی اِس کا انکار نہ کرتے۔ جب اُن سے کہا گیا کہ ﴿اللہ کی عبادت کرو﴾ (المائدہ: ١١٧) تو انہوں نے یہ نہیں کہا: کون اللہ؟ بلکہ شرکاء کے لیے کہا: ﴿ہم تو اِن کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں خدا کا مقرب بنا دیں﴾ (الزمر: ٣) اسی لیے ہم نے اسے (یعنی اسم الرحمن کو) اسمائے اعلام میں شمار کیا ہے، حالانکہ اسم رحمت سے اشتقاق اس کا طالب ہے۔[2] عربوں نے الف اور لام کے

[1] وہ اپنی عمومی رحمت سے -جو ہر چیز پر پھیلی ہے- الرحمن ہے۔ (مخطوط: السفر-٣٣، ص١١٩ ب)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: عربوں نے لفظ "اللہ" کا انکار نہیں کیا کیونکہ ان کا کہنا تھا: ﴿ہم تو اِن کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کا مقرب بنا دیں﴾ (الزمر: ٣) سو وہ اسے (یعنی لفظ اللہ) کو جانتے تھے۔ چونکہ لفظ "الرحمن" رحمت سے مشتق دکھائی دیتا ہے - اور یہ صفت ان عربوں میں موجود تھی - تو وہ ڈر گئے کہ یہ رسول جس معبود کی جانب ہماری رہنمائی کر رہا ہے کہیں وہ اِن کی جنس میں سے تو نہیں، سو انہوں نے انکار کیا، اور بولے: ﴿کون الرحمن؟﴾ (الفرقان: ٦٠) چونکہ ہر کلام

Marfat.com

ساتھ اس لفظ کو نہیں جانا بلکہ یہ "رحمٰن یمامہ" میں مضاف ہی نقل ہوا ہے۔ میں یہ نہیں جانتا کہ اُس کا یہ نام نبی کریم ﷺ کا "اسم الرحمن" بتانے سے بعد کا ہے یا پہلے کا۔

جو الف اور لام سے اِس کے ہونے کا انکاری ہے، اگر کہا جائے: حضرت سلیمان علیہ السلام کی بلقیس کو بھیجی گئی کتاب میں لکھا ہے: ﴿بسم اللہ الرحمن الرحیم﴾ (النمل: ۳۰) ہم کہتے ہیں: یہ تعریف معنی پر واقع ہوئی اور ہم اس کے انکاری نہیں، ہمارا کلام تو عربی زبان میں لفظ "الرحمن" پر ہے۔ جب نبی کریم ﷺ نے اپنے اور مشرکین کے مابین معاہدہ لکھنا چاہا تو لکھا: بسم اللہ الرحمن الرحیم، مشرکین نے کہا: ہم "الرحمن" کو نہیں جانتے، وہ تو اس طرح لکھا کرتے تھے: باسمك اللھم (یعنی اے اللہ تیرے نام سے)۔

اور اس کا "اسمائے اعلام" میں سے ہونے کی تائید اللہ کا یہ قول بھی کرتا ہے: ﴿کہہ دو چاہے اللہ (کے نام سے) پکارو یا الرحمن (کے نام سے)، جس نام سے پکارو اُس کے سب نام اچھے ہیں﴾ (الاسراء: ۱۷) سو اُس نے اسم اللہ کا مدلول ہی اسم الرحمن کا مدلول بنایا، اسی لیے تو کہا: "اس کے سارے نام" یہ نہیں کہا: "ان دونوں کے سارے نام۔"

تحقق میں بندے کی اِس اسم سے نسبت اسم اللہ سے نسبت جیسی ہے، اور اس بارے میں پہلے بات ہو چکی ہے۔ لہٰذا بندہ جب اِس اسم سے -جو اسم اللہ سے جدا ہے- متحقق ہو تو اس کے اور اس کے رب کے درمیان رخِ حق سے وہ اسم ہو جس پر اللہ کے سوا کوئی مطلع نہ ہو، حتی کہ جب وہ ظاہر ہو تو اس بندے کا بھی انکار کیا جائے جیسا کہ اسم الرحمن کا کیا گیا۔

ایک عارف سے پوچھا گیا: ابدال کتنے ہیں؟ وہ بولے: چالیس نفوس۔ ان سے کہا گیا: آپ نے یہ کیوں نہ کہا کہ چالیس آدمی؟ بولے: ان میں عورتیں بھی تو ہو سکتی ہیں۔ ان میں سے ہر ایک دوسرے ابدال کا انکار کرتا ہے۔ اُس نے اِسی خاص اسم کی جانب اشارہ کیا جو اِن میں سے ہر

← بقیہ

کی شرط یہ نہیں کہ اس کا مطلب بھی سمجھ آجائے اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿کہہ دو! چاہے اللہ (کے نام سے) پکارو یا چاہے الرحمن (کے نام سے) پکارو﴾ (الاسراء: ۱۷) کیونکہ یہ دونوں نام اسی ایک ذات کی طرف لوٹتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۲، ص ۵۲ ب)

Marfat.com

ایک کے اور اِس کے رب کے درمیان ہے، جب وہ اس بندے کے لیے ظاہر ہو۔ اور اسی سے خضر، موسیٰ-علیہما السلام- پر حجت میں غالب ہوئے، جس بات پر انہوں نے آپ کا انکار کیا۔

تخلق:

اس اسم سے تخلق بھی اسم اللہ سے تخلق جیسا ہے؛ اسی کے برابر، جو اسم اللہ میں بیان ہو چکا ہے۔ لیکن اِس اسم میں اشتقاق کی بو ہے تو اس کا معاملہ اسم اللہ کی طرح نہیں؛ جو کسی سے مشتق نہیں۔ اِسی اسم کے لیے عمومی رحمت ہے؛ جو کہ رحمتِ ایجاد ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا کہنا ہے: ﴿میری رحمت ہر چیز پر پھیلی ہے﴾ (الاعراف: ۱۵۶) لہذا عمومی بات کی۔ اسی عمومی رحمت میں وہ رحمت بھی ہے جس کی بدولت جاندار موجودات آپس میں ایک دوسرے کا احساس کرتی ہیں، اور اسی کی بدولت ہر موجود خود پر رحم کھاتا ہے، اور اللہ کا یہ کہنا: ﴿میں اِسے لکھ دوں گا﴾ (الاعراف: ۱۵۶) اسم الرحیم سے متعلق ہے، یہ ہمارے اور معتزلہ کے مابین اختلافی مسئلہ ہے۔

اس کے تخلق میں یہ بھی ہے کہ بندے کی رحمت اللہ کے سوا ہر ایک کے لیے بلا امتیاز و تفریق ایسی یکساں صورت پر ہو جس پر اُسے کوئی شرعی مذمت لاحق نہ ہو۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: "میں نے اپنے رب سے کرم سیکھا۔"

Marfat.com

(٣) الاسم: الرحيم

التعلّق: افتقارك إلى هذا الاسم في تحصيل[١] الرحمة الخاصّة التي هي سعادة الأبد.

التحقّق: الذات تقتضي أن يكون في الوجود بلاء وعافية. فليس[٢] رفع المنتقم بأولى من رفع المنعم، فتفطّن. هذا الاسم هو المتعلّق بكلّ خير[٣] في طيّه ضرر، وبكلّ[٤] ضرر في طيّه خير. ويمكن[٥] أن يكون له ﴿فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾[٦] فجعلها مقيّدةً بعد الإطلاق العامّ، ونسبتها للعبد على هذا الحدّ.

التخلّق: رحمة العبد بكلّ ما[٧] أمره الحقّ أن يرحمه. ﴿وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّهِ﴾[٨]. كان عليه السلام إذا غضب لله لا يقوم[٩] لغضبه شيء، وفي الصحيح: «إنّ الله يغضب يوم القيامة».

[١] خ: لتحصيل.
[٢] ف، خ، م: + ليس.
[٣] خ، ي، م: + ليس.
[٤] ف: – خير في طيّه ضرر، وبكل.
[٥] ف: وليس يمكن.
[٦] [الأعراف: 156]
[٧] خ، ي، م، ط: من.
[٨] [النور: 2]
[٩] خ: لم يقم.

Marfat.com

اسم الرحیم[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اُس خاص رحمت کا حصول ہے جو کہ (خود) ابدی سعادت ہے۔[2]

تحقق:

ذات اِس بات کی متقاضی ہے کہ وجود میں آسودگی اور آزمائش ہو، چنانچہ اسم المنتقم کی رسائی اسم المنعم کی رسائی سے بڑھ کر نہیں، یہ سمجھ۔ یہ اسم ہر اُس خیر سے متعلق ہے جس میں ضرر ہے، اور ہر اُس ضرر سے متعلق ہے جس میں خیر ہے۔[3] اور ہو سکتا ہے کہ یہ اسی کے لیے

---

[1] وہ اُس خاص رحمت سے الرحیم ہے جو اُس نے اپنے تائب بندوں سے خود پر لازم کی۔(مخطوط:السفر-۳۳،ص۱۱۹ب)

[2] شیخ فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے "بسم اللہ الرحمن الرحیم" میں "اسم اللہ" "اسم الرحمن" اور "اسم الرحیم" کو جمع کیا۔ ان سب کے الگ الگ معنی ہیں۔ اسم اللہ تمام اسما کا جامع اسم ہے۔ اسم الرحمن عمومی صفت رحمت ہے جو سب کے لیے ہے، اسی لیے اسم الرحیم لایا گیا جو کہ صرف آخرت میں ایمان والوں کے لیے خاص رحمت ہو گی۔ اسی لیے آپ نے یہاں یہ لکھا کہ اس اسم سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے آخرت میں سعادتِ ابدی بخشے۔(ماخوذ:فتوحات مکیہ جلد-۲)

[3] یہاں یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ یہ اسم ہر اُس خیر سے متعلق ہے جس میں تکلیف ہے، یعنی تکلیفیں اٹھائے بغیر نعمت کا ملنا ممکن نہیں اور چونکہ اس اسم کی عطا سعادت ابدی ہے تو جس قدر آزمائش بڑھتی ہے اسی قدر درجات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی اسم کے تعلق میں آپ قرآن مجید کی یہ آیت لائے کہ زنا کرنے والوں کو سزا دیتے وقت تمہیں ان پر ترس نہ آئے کیونکہ یہ سزا ان کو پاک صاف کردے گی، اور یہ تکلیف آخرت میں انہیں بڑی سزا سے بچالے گی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

ہو: ﴿میں اس (رحمت) کو متقیوں کے لیے لکھ دوں گا﴾ (الاعراف: ۱۵۶) لہٰذا اطلاقِ عام کے بعد اُس نے اِس (عام رحمت) پر قدغن لگائی، بندے سے اس کی نسبت بھی اسی حد پر ہے۔

تخلق:

بندے کی رحمت ہر اُس (شے) کے لیے ہے جس پر رحم کرنے کا حق تعالیٰ اُسے حکم دے۔ ﴿اور اللہ کے دین کے مقابلے میں تمہیں ان دونوں پر ترس نہ آئے﴾ (النور: ۲) جب نبی کریم ﷺ اللہ کی خاطر غضب ناک ہوتے تو کوئی چیز آپؐ کے غضب کے سامنے نہ ٹھہر پاتی۔ صحیح حدیث میں ہے: "بیشک اللہ تعالیٰ قیامت والے دن غضب ناک ہو گا۔"[1]

---

[1] اس اسم کے تخلق میں شیخ نے رحمت کی کم اور غضب کی زیادہ بات کی ہے، یہ بڑا عجیب لگتا ہے کہ تخلق اسم الرحیم سے ہے اور بات رحم نہ کرنے کی ہو رہی ہے، آیت بھی وہی بیان کی کہ اللہ کے دین کے معاملے میں تمہیں اِن پر ترس نہ آئے۔ اور نبی کریمؐ جو کہ نبی رحمت ہیں اِن کے بارے میں یہ حدیث بیان کی کہ جب آپؐ اللہ کی خاطر غضب ناک ہوتے تو کوئی بات آپؐ کے غصے کو ٹھنڈا نہ کر پاتی۔
فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں: غضب دو طرح کا ہے: ایک اپنے لیے کسی پر غصہ ہونا اور دوسرا اللہ کے دین اور اس کی حدود قائم کرنے کے لیے غصے کا اظہار کرنا۔ جس غضب کی وجہ اُس کا نفس ہوتا ہے اس میں مغضوب علیہ پر رحمت کی آمیزش نہیں ہوتی لیکن جو غضب و غصہ اللہ کے دین کی خاطر ہوتا ہے وہ رحمت سے عبارت ہوتا ہے۔ اسی کو بیان کرتے ہوئے ابو یزید بسطامی نے کہا: جب آپ نے کسی کو قرآن کی یہ آیت پڑھتے سنا کہ ﴿بیشک تیرے رب کی پکڑ بہت شدید ہے﴾ تو فرمایا: میری پکڑ اس سے بھی سخت ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب انسان اپنے نفس کے لیے غضب ناک ہوتا ہے تو اس میں رحمت کا شائبہ نہیں ہوتا، لیکن جب وہ اللہ کی خاطر اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر غضب ناک ہوتا ہے تو یہ بھی مخفی رحمت کا ظہور ہی ہوتا ہے؛ اِس سزا کے نتیجے میں وہ پاک ہو جاتا ہے، یوں اللہ کا غضب اور عذاب دونوں ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ بیشک اللہ کی رحمت اس کے غضب سے پہلے ہے، یہ تمام وجود پر محیط اور ساری کائنات پر پھیلی ہے۔ جب غضب معرضِ وجود میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ رحمت تو پہلے سے ہی ہر چیز پر پھیلی ہے، اور جب اُس نے کسی چیز میں سمانا چاہا تو وہ رحمت کے ساتھ ویسے ہی مل گیا جیسے دودھ میں پانی مل جاتا ہے۔ پانی دودھ سے جدا نہیں ہو پاتا، اِسی طرح ⇆

Marfat.com

ت ۱ غضب بھی رحمت سے جدا نہیں۔ اللہ کے غضب کی تو انتہا ہے لیکن اُس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔

(ماخوذ از فتوحات مکیہ)

Marfat.com

(٤) الاسم[١]: الملِك

التعلّق: افتقارك إلى طلب التأييد من الملك الحقّ سبحانه فيما استخلفك فيه ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[٢]، «وكلّكم راعٍ».

التحقّق: الملِك هو الذي ينفُذ أمرُه إذا اقترنت به إرادتُه، ولا يعتاص عليه شيء ممّا يريد إجراءه في ملكه، وبهذه النسبة يكون للعَبد.

التخلّق: إذا كانت إرادةُ العبد إرادةَ الحقّ لا بدّ من وقوع المراد، فيصحّ عليه اسم الملِك، «ولا يزال العبد يتقرّب إليّ بالنوافل فأكون سمعَه وبصرَه ويدًا ومؤيِّدًا»، من افتقر إلى الله افتقر إليه كلُّ شيء. حقيقة[٣] الاستخلاف قوله – تعالى[٤] –: ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾[٥] وقوله – عليه السلام[٦] –: «إنّ الله خلق آدم على صورته».

وقد يكون الملِك بمعنى «الشديد»، فيكون على هذا وصفًا خاصًّا من الملك في الملك. قال ابن الخطيم[٧] يصف طعنة:

---

[١] ي: ابتداء من هنا أسقطت النسخة ي لفظة "الاسم" إلى نهاية الأسماء.

[٢] [البقرة: 30]

[٣] ج: حقيقته.

[٤] ف، ي، م، ط: – تعالى.

[٥] [ص: 75]

[٦] م، ط: صلى الله عليه وسلم.

[٧] قيس بن الخطيم الأوسي (؟ – 2 ق. هـ / ؟ – 620 م) أبو يزيد. شاعر الأوس وأحد صناديدها في الجاهلية. أول ما اشتهر به تتبّعه قاتلي أبيه وجدّه حتى قتلهما، وقال في ذلك شعرًا. وله في وقعة بعاث التي كانت بين الأوس والخزرج قبل الهجرة أشعار كثيرة. أدرك الإسلام وتريّث في قبوله، فقتل قبل أن يدخل فيه. والبيت بكامله هو:

مَلَكْتُ بِها كَفِّي فَأَنْهَرْتُ فَتْقَها   يَرَىٰ قَائِمٌ مِنْ دُونِها ما وَراءَها

مَلَكْتُ بِهَا كَفِّي فَأَنْهَرْتُ

أي شددتُ.

اسم الملک[1]

تعلق:

(اس اسم سے) تیری محتاجی بادشاہِ حقیقی سبحانہ وتعالیٰ سے اُس معاملے میں تائید اور توفیق کا طلب کرنا ہے جس میں اُس نے تجھے خلیفہ بنایا: ﴿میں زمین میں ایک خلیفہ بنا رہا ہوں﴾ (البقرۃ: ۳۰) اور تم میں سے ہر کوئی ذمہ دار ہے۔[2]

تحقق:

بادشاہ وہ ہوتا ہے کہ جب وہ چاہتا ہے تو اپنا حکم نافذ کرتا ہے، اور اپنی مملکت میں وہ جو کچھ

---

[1] آسمانوں اور زمین کی بادشاہی کی نسبت اُس کی طرف ہونے سے وہ الملک ہے؛ کیونکہ وہ ہر چیز کا رب اور مالک ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: بادشاہ اپنے نفس پر؛ کیونکہ وہ خود پر بھی حاکم ہے، اور اپنی رعایا پر ذمہ دار ہے کہ وہ انہیں شرعی حدود میں رکھے۔ (نبی کریم ﷺ نے فرمایا): "تم میں سے ہر ایک ذمہ دار ہے اور اُس سے اُس کی ذمہ داریوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" انسان کم سے کم اپنے نفس پر اور پھر بڑھتا بڑھتا دوسروں کے نفوس پر ذمہ دار بنتا ہے۔ اسی لیے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تیرے نفس کا تجھ پر حق ہے، تیری آنکھ کا تجھ پر حق ہے۔" سو جو کوئی وہ ذمہ داریاں نہ نبھا سکے جس کے لیے بیعت کرنے والوں نے اِس کی بیعت کی تو اُس نے خود کو منصبِ حکومت سے معزول کر دیا اور اب وہ بادشاہ نہیں، چاہے وہ منصبِ حاکمیت پر فائز ہی رہے۔ ہر حاکم سلطان نہیں ہوتا؛ سلطان وہ ہوتا ہے: جس کے پاس حجت ہو، نہ کہ وہ: جس پر حجت ہو۔ (مخطوط: السفر-۴، ص ۱۷اب) لہٰذا اس اسم سے تیری محتاجی یہ ہے کہ تو اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے نبھانے کے لیے اس اسم سے توفیق اور تائید طلب کرے۔

Marfat.com

کرنا چاہتا ہے اُس پر دشوار نہیں گرزتا،[۱] اسی نسبت سے یہ (اسم) بندے کے لیے ہوتا ہے۔

تخلق:

جب بندے کا ارادہ ہی حق تعالیٰ کا ارادہ ہو تو مراد کا وقوع پذیر ہونا لازم ہے، تو اس (بندے) پر اسم الملک کا اطلاق بھی درست ہے۔ "بندہ مسلسل نوافل سے میرا قرب حاصل کرتا جاتا ہے کہ میں اس کی سماعت، بصارت، ہاتھ اور حمایتی بن جاتا ہوں۔" جو (صرف) اللہ کی غلامی اختیار کر لے ہر چیز اُس کی محتاج ہو جاتی ہے۔ خلیفہ نام زد کرنے کی حقیقت اُس کا یہ قول ہے: ﴿جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا﴾ (ص: ۷۵) اور نبی کریم ﷺ کا یہ کہنا: "بیشک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا۔"[۲]

---

۱ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے خود کو مشیت اور اختیار سے موصوف کیا، ہمارے نزدیک اس کے لیے یہ شرعاً ثابت ہے عقلاً نہیں... ﴿اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے رہنے دیتا ہے﴾ (الرعد: ۳۹) ﴿اگر وہ چاہے تو تمہیں مٹا دے اور ایک نئی مخلوق لے آئے﴾ (ابراہیم: ۱۹) ﴿اگر اللہ بیٹے کا ارادہ کرتا تو کسی کو چن لیتا﴾ (الزمر: ۴) (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۲ب)

۲ فصوص الحکم میں شیخ فرماتے ہیں: ﴿تجھے کس بات نے اُسے سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا﴾ (ص: ۷۵) یہ اُس کا ان دو صورتوں کو جمع کرنا ہی ہے: ایک صورتِ عالم اور دوسری صورتِ حق؛ یہی حق کے دو ہاتھ ہیں۔ ابلیس کائنات کا حصہ ہے، اور اُسے یہ جامعیت حاصل نہیں، اسی لیے آدم خلیفہ ٹھہرا۔ اگر یہ اُس کی صورت پر ظاہر نہ ہو جس نے اِسے خلیفہ بنایا اور جس بات میں خلیفہ بنایا تو یہ خلیفہ نہیں۔ اور اگر اس میں رعایا- جن پر یہ خلیفہ بنایا گیا- کے تمام امور چلانے کی صلاحیت نہ ہوتی- کیونکہ اِن کا بھروسا تو اِسی پر ہے چنانچہ اِس پر اِن کی تمام ضروریات کا پورا کرنا لازم ہے- تو بھی یہ اِن پر خلیفہ نہ ہوتا۔ لہٰذا صرف انسان کامل کی خلافت ہی درست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کامل کی ظاہری صورت کائنات کے حقائق اور صورتوں سے بنائی جبکہ اِس کی باطنی صورت اپنی صورت پر بنائی۔ اِسی لیے تو اس کے بارے میں کہا: میں اس کی سماعت اور بصارت ہوتا ہوں۔ یہ نہیں کہا: اس کی آنکھ اور کان ہوتا ہوں، سو اپنے اس قول سے دونوں صورتوں کے درمیان فرق کیا۔ (فص کلمہ آدمیہ)

Marfat.com

اسی طرح لفظ ملک کا ایک مطلب "عظیم قوت والا" بھی ہے، اس صورت پر یہ بادشاہت میں بادشاہ کا ایک خاص وصف ہوا۔ ابن خطیم طعنہ دیتے ہوئے کہتا ہے:

مَلَكْتُ بِها كَفِّي فَأَنْهَرْتُ فَتْقَها

یہاں لفظ ملکت شدید (یعنی قوت اور شدت) کے معنی میں ہے۔

Marfat.com

(٥) الاسم: القدّوس

التعلّق: افتقارك إلى هذا الاسم في تقديس ذاتك عمّا قيل لكَ تنزّه عنه[1]؛ خُلقًا وفعلًا.

التحقّق: القدّوس هو المنزَّه الذات عمّا لا يجوز عليه مطلقًا.

التخلّق: تنزيه ذاتك معنىً وحسًّا وجملةً وتفصيلًا عمّا يعطيه سفساف الأخلاق والمذامّ الشرعيّة والهمم القاصرة عن المكانة الزلفى لأجل قوله[2]: «ما وسعني أرضي ولا سمائي ووسعني قلب عبدي[3]».

فالقدّوس[4] لا يكون له التعلّق الاختصاصي إلّا بالمقدَّس؛ فقدِّس ذاتك.

---

[1] ي: – عنه.

[2] خ: لقوله.

[3] م: + المؤمن.

[4] ف، م: والقدوس.

Marfat.com

اسم القدوس[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اپنی ذات کو اُن باتوں سے پاک کرنا ہے جن کے بارے میں تجھے کہا گیا کہ اپنے افعال اور اخلاق میں ان سے پاک ہو۔

تحقق:

قدّوس ہر اُس آلائش سے پاک وہ ذات ہے جو اُس کے لیے مطلقاً جائز نہیں۔[2]

---

[1] وہ اپنے اس قول سے قدوس ہے: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّـهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ (الانعام: ۹۱) اور انہوں نے اللہ کی ویسی قدر نہ کی جیسا کہ اس کا حق تھا۔ اسی طرح یہ ہر اُس (عیب والے وصف) سے بھی پاک ہے جس سے اسے موصوف کیا جائے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

[2] شیخ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: "سبوح قدوس" ناقص اسما سے پاک (ذات) ہے، اور ناقص اسما وہ ہیں جو "صلہ اور عائد" کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ بیشک اللہ سبحانہ کے اسما میں: "الذی" اور "ما" بھی شامل ہیں، وہ فرماتا ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ (الانعام: ۱) جس نے زمین اور آسمانوں کو تخلیق کیا ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ﴾ (الملک: ۲) جس نے زندگی اور موت کو تخلیق کیا۔ جہاں تک اللہ کے کلام میں لفظ "ما" آیا ہے: ﴿وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا﴾ (الشمس: ۵) اور قسم ہے آسمان کی اور جس نے اسے بنایا۔ ... جان لے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسباب کو تخلیق کیا، اپنے بندوں کے لیے انہیں ظاہر کیا، اور مسببات کو ان اسباب کے پاس تخلیق کیا تو دیکھنے والوں نے سوچا کہ یہ انہی اسباب سے تخلیق ہوئے؛ یہی وہ سبب ہے جس نے مخلوق کو راہِ ہدایت و علم سے گمراہ کیا، اور انہیں اس "خاص ربط" سے محجوب رکھا جو اللہ کا ہر موجود سے ہے۔ جان لے کہ یہ مسمّی لفظ اسم ناقص ہے اور یہ "ما" "من" "الذی" یا اس جیسے دوسرا اسما ہی ہیں؛ اس نے انہیں سبب کہا جن کی بدولت اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے اوجھل ہے، کیونکہ اس نے ان مسببات کو تخلیق کیا۔ پس وہ "القدوس" ہے؛ یعنی پاک ہے وہ، کہ اِن ←

Marfat.com

تخلق:

اپنی ذات کو معنوی، حسی، مختصر اور مفصل انداز میں بد کرداری، شرعی برائیوں، اور اس کی قربت کے حصول میں پست ہمتی دکھانے سے اُس کے اِس قول کی خاطر پاک کرنا: "میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہ سما سکا، لیکن اپنے بندے کے قلب میں سما گیا۔"

قدوس کا خصوصی تعلق صرف مقدس سے ہی ہوتا ہے، لہذا اپنی ذات کو پاک کر۔[1]

ناقص اسما کی نسبت اُس کی جانب کی جائے ﴿اُس کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ عزت والا حکمت والا ہے﴾ (آل عمران: ٦) (مخطوط: السفر-٣٢، ص ١٣)

[1] بیشک حق تعالیٰ پاک ہے اور پاکیزگی پسند کرتا ہے۔ یہاں اپنی ذات کو پاک کرنے سے مراد اپنے رب کی معرفت حاصل کرنا ہے کیونکہ بقول شیخ: "جو کوئی اپنے نفس کی وجہ سے اپنے رب سے محجوب ہے وہ پاک نہیں۔" (مخطوط: السفر-٥)

فتوحات میں لکھتے ہیں: اللہ والے مرد اور عورتوں میں (قدوس) پاک لوگ بھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے اسم القدوس سے انہیں پاک کیا، اور ان کی یہ پاکیزگی ذاتی ہے عملی نہیں (یعنی کسی عمل کا نتیجہ نہیں)۔

Marfat.com

(٦) الاسم: السلام

التعلّق: افتقارك إلى هذا الاسم بسلامة ذاتك من وقوع ما يُلحقك بالعيب، وإن وقع فمن بقائه واستحكامه.

التحقّق: السلام [هو] البراءة من كلّ ما يستحيل عليه.

التخلّق: الفرق بين هذا الاسم والقدّوس [هو] أنّ التنزيه في حقّ العبد إنّما وقع بعد حصول ما ينبغي أن يتقدّس عنه، والسلام قد يكون بهذه المثابة وقد يكون ابتداءً يُسلِمه من قيام العيب به[١]. فالثاني الذي هو السلام من استمراره هو[٢] الذي ينبغي أن يكون تخلّقًا، والذي يكون ابتداءً يكون خُلقًا، عناية إلهيّة[٣].

[١] خ: – به.
[٢] خ: وهو.
[٣] م: الإلهية.

Marfat.com

اسم السلام[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اپنی ذات کو اُن چیزوں میں پڑنے سے بچانا ہے جو تیرے لیے شرمندگی کا باعث بنیں،[2] اور اگر تیری ذات ان میں پڑی تو یہ پتا چلتا ہے کہ یہ عیب تیری ذات میں باقی اور مستحکم ہے۔

تحقق:

"السلام" اُس ذات کا ہر اُس چیز سے بے عیب ہونا ہے جو اُس کے شایان نہیں۔

تخلق:

اس اسم (السلام) اور القدوس کے مابین فرق یہ ہے کہ بندے کے حق میں تنزیہ اُس وقت واقع ہوتی ہے جب اُسے وہ نجاست لاحق ہو جاتی ہے جس سے اِسے پاک ہونا ہوتا ہے۔ السلام ایسا بھی ہوتا ہے اور کبھی یہ ابتدا ہی سے اِن عیوب کو اِس بندے میں جڑ نہیں پکڑنے دیتا۔ السلام کا یہ دوسرا مطلب جو اِس (بندے) کے مستقل کرنے سے ہے، یہی بندے کا تخلق ہونا

---

[1] وہ ہر اُس عیب سے پاک ہے جو اُس سے منسوب کیا جائے؛ جو اسے پسند نہیں کہ اُس کے بندے اُس کی جانب منسوب کریں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ عارف کے لیے سلامتی اس کا دعویٰ ربوبیت سے پاک ہونا ہے، ہاں اگر اُس عارف پر (حق تعالیٰ) کی عطایات کا ظہور ہو، جس وقت اس کا شہود یہ ہو کہ حق تعالیٰ اس کی تمام قوتیں ہے؛ تب دعویٰ ہو سکتا ہے، اس وقت اس کی سلامتی اپنے نفس سے خود کو بچانا ہے اور اِسی وجہ سے السلام کو سلام کہا گیا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۴ ب)

Marfat.com

چاہیے،[1] جبکہ وہ السلام جو ابتدا سے حاصل ہو وہ بدولتِ عنایت الٰہی تیری فطرت ہوتا ہے۔

[1] یعنی تیری یہ کوشش ہونی چاہیے کہ تو حتی الامکان خود کو عیوب سے بچائے اور یہی اس اسم سے تخلق ہے۔ کیونکہ اگر اس نے تجھے عیوب سے بچایا تو یہ تجھ پر اللہ کا احسان ہوا تیرا تخلق نہیں۔

Marfat.com

(٧) الاسم: المؤمن

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يُعطيك التصديق[٢] بما جاء عنه وتكون[٣] مصدِّقًا، فإنّ معناه المصدِّق. وافتقارك[٤] أيضًا أن يُعطيك قوّة بها يحصل الأمان[٥] في كلّ نفَس من جهتك على حسب ما يليق من العِرض والمال والدم.

التحقّق: المؤمن هو الذي يُصدِّق أنبياءه فيما ادّعوه من التبليغ عنه بالمعجزة على الطريق الخاصّ؛ إذا[٦] قامت مقام صدق رسوليّ[٧]، فهو مصدِّق. وهو الذي يعطي الأمان أيضًا في نفس من[٨] شاء من عباده، وبهذه النسبة يكون للعبد[٩].

التخلّق: إذا صدّق العبد كلّ[١٠] خبر في العالم فهو مؤمن ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾[١١] فعمّ تصديقه. وإذا[١٢] أمنت النفوس فيما يمكن[١٣] أن تتأذّى منه في حقّه أو

[١] خ: افتقارك إلى هذا الاسم.
[٢] ي: قوة.
[٣] خ: فتكون.
[٤] ج: + إليه.
[٥] خ: الإيمان.
[٦] م: وإذا.
[٧] ف: رسول.
[٨] خ: ما.
[٩] خ: العبد.
[١٠] خ: بكل.
[١١] [الصافات: 96]
[١٢] ج: إذا.
[١٣] م: يكن إلى هذا الاسم.

Marfat.com

حقّ غيره، فقد أعطى الأمان في نفوسهم، فهو مؤمن أيضًا ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّـهَ وَرَسُولَهُ﴾[1].

[1] [الأحزاب: 57]

Marfat.com

اسم المؤمن[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اِس کا تجھے اُس کی جانب سے آنے والی باتوں کی تصدیق کرنے کی توفیق دینا ہے تاکہ تو تصدیق کرنے والا ہو، کیونکہ اس کا مطلب ہی تصدیق کرنے والا ہے۔ اور تیری ایک محتاجی یہ بھی ہے کہ یہ تجھے وہ قوت بخشے جس کی بدولت ہر نفس کو اپنی عزت مال اور جان میں تیری طرف سے -اس کے لائق- امان حاصل ہو۔

تحقق:

اسم المؤمن وہ ہے جو اپنے نبیوں کی ایک خاص طریق پر معجزے سے اُس دعوے میں تصدیق کرتا ہے جو دعوی وہ اس ذات کی طرف سے تبلیغ میں کرتے ہیں، جب یہ معجزہ رسول کی سچائی کا معیار بن جائے، تو اسم المؤمن ہی تصدیق کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنے بندوں کے نفوس میں سے جن کو چاہتا ہے امان دیتا ہے، اور اسی نسبت سے یہ (اسم) بندے کے لیے ہوتا ہے۔

تخلق:

جب بندہ عالم کی ہر خبر کی تصدیق کرے تو وہ مومن ہوتا ہے: ﴿اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو تخلیق کیا﴾ (الصافات: ۹۶) لہذا اس کی تصدیق بھی عمومی ہے۔ اور جب نفوس اس شے سے بے خوفی پاتے ہیں جس سے وہ اپنے یا کسی دوسرے کے حق میں اذیت بھی پا سکتے

[1] وہ المؤمن ہے کہ بندے اُس کی تصدیق کریں، اور جب وہ اس سے کیا گیا عہد پورا کریں تو یہ انہیں امان بخشے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

Marfat.com

ہیں، تو اِن کے نفوس کو امان عطا کیا جاتا ہے، تو وہ بھی مومن ہے[۱]: ﴿جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دیتے ہیں﴾ (الاحزاب: ۵۷)

[۱] شیخ اکبر فرماتے ہیں: میں راہ طریقت میں آنے کے سال یا دو سال بعد اس مقام سے متحقق ہوا، اور میرے علم کے مطابق میرے دور میں میرے علاوہ کسی کو یہ مقام نہ ملا، اور نہ ہی اس میں کسی کی ایسی آزمائش ہوئی جیسی میری ہوئی۔ میں نے اس کو ایسے عبور کیا کہ مجھ سے اس مقام کی کوئی چیز نہ چھوٹی، میرے لیے فضا صاف ہوئی اور میرے اور آسمانی خبر کے مابین کچھ حائل نہ رہا، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے اللہ میں غور و فکر سے بچائے رکھا؛ اور میں نے اسے اسی کے قول، اس کی خبر اور اس کے شہود سے جانا۔ اس حاضرت میں میری فکر معطل رہی، اور اس بات پر میری فکر نے شکر کا کلمہ پڑھا، بولی: "شکر ہے اللہ کا جس نے تیری بدولت مجھے ایسے کام کرنے سے روکے رکھا جو کام کرنا مجھے روا نہ تھا۔" میں نے اپنی فکر کو عبرت پکڑنے میں لگایا۔ اور اِس نے مجھ سے یہ وعدہ لیا کہ میں اِسے صرف ایسے کاموں میں ہی لگاؤں گا جس کے لیے یہ تخلیق ہوئی؛ اِس بارے میں میں نے اِس کی بات مانی۔ میری تمام قوتوں کے بارے میں اِس نے کوتاہی نہ برتی کہ ان قوتوں سے اُس حد سے تجاوز نہ کیا جس پر یہ تخلیق ہوئی۔ اور اس بارے میں اِسے ہماری طرف سے امان ملا۔ میں امید کرتا ہوں کہ اللہ کے ہاں یہ میری شکر گزار ہوگی؛ میری مراد وہ روحانی قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم میں تخلیق کی۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص۷ا ب)

Marfat.com

(٨) الاسم: المهيمن

التعلّق: افتقارك إليه[١] أن يجعلك من أُمّة محمد – عليه السلام – المصدّقين به.

التحقّق: المهيمنيّة؛ الشهادة على الأشياء، ﴿وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾[٢]؛ فلذلك يندرج فيه الحفيظ والرقيب؛ إذا أراد بالشهود الحفظَ ومراعاة الحركات والسكنات.

التخلّق: ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾[٣] وهو كلّ مصوِّت؛ فإنّ النوس [هو] الصَّوت، وبه سُمّي الناس على ما قيل. وأتمّ من هذا أن تكون شاهدًا على من هو شاهد[٤] عليك بأن ترقب أفعاله في العالم فتقف[٥] على مواضع حِكَمه.

---

[١] ف، م: إلى هذا الاسم.

[٢] [المائدة: 48].

[٣] [البقرة: 143]

[٤] خ: من شهد.

[٥] خ: وتقف.

Marfat.com

اسم المہیمن[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے امت محمد ﷺ میں شامل کرے، اور تجھے آپ کی تصدیق کرنے والا بنائے۔[2]

تحقق:

المہیمنیت چیزوں پر نگاہ رکھنا اور ان کی حفاظت کرنا ہے،[3] اسی لیے الحفیظ اور الرقیب اس

---

[1] وہ اپنے بندوں پر نگران ہے: ان کے تمام احوال میں، اُن کے حقوق اور فرائض پر۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: جان لے کہ باقی کتابوں اور صحائف کو چھوڑ کر خاص قرآن کریم اسی حاضرت سے نازل ہوا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کے سوا کسی نبی اور رسول کی امت کو اس حاضرت سے تخلیق نہیں کیا: ﴿خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰) اور یہ بہترین امت ہے جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس امت کے بارے میں فرمایا: ﴿لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ (البقرة: ۱۴۳) تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ رہیں۔ لہٰذا قیامت والے دن قرآن ہمارے آگے چل رہا ہو گا اور ہم سب اہل قیامت کے آگے چل رہے ہوں گے۔ اور ہم میں قرآن کے قاری حضرات ان سے آگے چل رہے ہوں گے جو قاری نہ ہوں گے؛ ہم میں سے جو کوئی قرآن کا زیادہ پڑھنے والا ہو گا وہ اتنا ہی ہم سے آگے ہو گا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۲۰)

[3] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: المہیمن وہ ہوتا ہے جو چیزوں پر (اس حیثیت میں) نظر رکھتا ہے کہ اِس کے کیا حقوق اور فرائض ہیں۔ اللہ کے بندوں پر حقوق ہیں اور بندوں کے اللہ پر ذاتی اور وضعی حقوق ہیں۔ اسی حاضرت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ (البقرة: ۴۰) تم

Marfat.com

اسم میں شامل ہیں؛ اگر نگاہ رکھنے سے مراد حفاظت کرنا، اور حرکات و سکنات پر نظر رکھنا لیا جائے۔

تخلق:

﴿تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو﴾ (البقرۃ: ۱۴۳) یہ ہر پکارنے والا ہے، کیونکہ عربی لفظ "نوس" کا مطلب آواز ہے، اور اسی لیے "الناس" (یعنی لوگ) بھی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ اِس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تو اُس پر نگران یا گواہ بن جو تجھ پر نگران ہے، یعنی تو کائنات میں اُس کے افعال پر نگاہ رکھ تا کہ تو اُس کی حکمت کی جگہوں سے واقف ہو۔

مجھ سے کیا وعدہ پورا کرو میں تم سے کیا وعدہ پورا کروں گا۔ اس حاضرت والا لازماً جانتا ہے کہ اللہ کے اس پر کیا حقوق ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۹ب)

Marfat.com

(٩) الاسم: العزيز

التعلّق: افتقارك إلى[١] أن يكون الحقُّ سمعَك وبصرَك، فإنّ هذا المقام جامع للمنع[٢] والغلبة، وهما[٣] مدلولان لهذا[٤] الاسم.

التحقّق: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[٥] على زيادة الكاف أو فرض المِثل[٦].

التخلّق: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[٧] ﴿إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾[٨] ﴿لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾[٩] «إنّ الله خلق آدم على صورته» والكاف للصفة ووقع[١٠] التنزيه، فنفى المثل عن المِثل[١١]. فالمثليّة[١٢] لغويّة لا عقليّة،[١٣] لأنّ القرآن نزل بلسان العرب. فهذا حظّ العبد من هذا الاسم.

---

[١] ي: إليه في.

[٢] ج: المنع.

[٣] ف: وهو.

[٤] خ: مدلولا هذا.

[٥] [الشورى: 11]

[٦] ج: + {ليس كمثله شيء}.

[٧] ج: - {ليس كمثله شيء}.

[٨] [البقرة: 30]

[٩] [ص: 75]. ج: + {استكبرت}

[١٠] خ: فوقع. ف: ورفع.

[١١] م: المثال.

[١٢] خ: والمثلية.

[١٣] خ: + والمثلية العقلية هو الاشتراك لا الحد والحقيقة التي هي صفة الأنفس.

اسم العزیز

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ حق تعالیٰ تیری سماعت اور بصارت ہو،[1] بیشک یہ مقام منع

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں: حق تعالیٰ کی عزت اس کی ذاتی ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور رسول کی عزت اللہ کے دینے سے ہے، جبکہ مومنین کی عزت اللہ اور اس کے رسول سے ہے۔ اسی لیے رسول کے لیے دو گواہیاں ہیں۔ پر جب عقل والوں نے یہ بات سنی، اور جب مومنین کا ذکر کیا گیا تو وہ چوکنے ہوگئے۔ لفظ مومنین میں اللہ کے لیے بھی عزت ہے؛ کیونکہ وہ بھی "المؤمن" ہے اور لفظ مومنین میں رسول کے لیے بھی عزت ہے؛ کیونکہ رسول بھی مومنین میں سے ہیں۔ لہٰذا مومنین کی عزت میں اللہ اور اس کے رسول کی عزت بھی شامل ہوگئی۔ سو حق تعالیٰ اِن میں شامل ہوا، اور یہ اُس میں شامل نہ ہوئے: اُس کی احدیت اور اُن کی جامعیت کے باعث، اور رسول کی احدیت اور ان کی جامعیت کے باعث؛ سو ان کے لیے جامع حاضرت ہے۔

لیکن اسم اللہ سے "اللہ" کی عزت کی نسبت دوسری ہے، یہ مومنین میں "اسم المؤمن" سے شامل ہونے والی نہیں۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ مومن بندے کی سماعت اور بصارت ہوتا ہے تو اللہ کو وہ عزت حاصل ہوتی ہے جو اس مقام میں اس بندے کو حاصل ہوئی۔ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ اس مقام میں بندے کی نظر سے کوئی چیز اوجھل، اُس کی سماعت سے کوئی چیز چھپی، اور اپنی دیگر قوتوں سے جو وہ طلب کرے اُس سے پوشیدہ نہیں رہتی، کیونکہ اس وقت حق تعالیٰ کی ہویت اس کی طاقت ہوتی ہے اور ساری عزت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسی لیے مخلوق میں سے جس کے پاس یہ قوت نہیں وہ اس غیب کا ادراک بھی نہیں کر سکتا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عزت کا ذکر مومنین سے کیا۔

(مخطوط: السفر-۳۲، ص ۲۳)

Marfat.com

اور غلبے کا جامع ہے،[1] اور یہ دونوں اس اسم کے مدلول ہیں۔

تحقق:

﴿اُس کے مثل جیسی کوئی چیز نہیں﴾ (الشوریٰ: ۱۱) اگر کاف زائد تصور کیا جائے یا مثل فرض کی جائے۔

تخلق:

﴿اس کے مثل جیسی کوئی چیز نہیں﴾ (الشوریٰ: ۱۱) ﴿میں زمین پر ایک خلیفہ مقرر کر رہا ہوں﴾ (البقرۃ: ۳۰) ﴿جسے میں نے اپنے ہاتھوں سے تخلیق کیا﴾ (ص: ۷۵) "اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر تخلیق کیا" کاف صفت کے لیے ہے سو تنزیہ واقع ہوئی، لہٰذا اُس نے مثل سے مثل

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: میں جتنی حاضرات میں بھی داخل ہوا میں نے اس سے زیادہ لذت والی اور دل میں سمانے والی حاضرت نہیں دیکھی۔ یہ حاضرت منع کرنے والی ہے؛ اور اس کی حدود ہیں، نہیں بلکہ اس کی ایسی حدود ہیں جس سے تمیز واقع ہوتا ہے۔ سو ہر محدود- نہیں بلکہ ہر چیز -اس کے غلبے سے مغلوب ہو جاتی ہے۔ یوں ہر چیز "عزیز" یعنی قوت والی ہوتی ہے، اور اس کی عبودیت اسی میں ہے؛ اور وہ خود اپنی غلام ہے۔...

اصل معاملہ یہ ہے کہ اُس سے جو کچھ بھی صادر ہوا، وہ اُس پر اُس کے نفس (یعنی عین ثابت) کی حکومت ہی ہے۔... (حقیقت) یہ نہیں کہ اِس پر باہر سے حکم لگایا جاتا ہے، بلکہ باہر سے لگایا گیا حکم بھی اُس وقت تک اُس پر لاگو نہیں ہو سکتا جب تک کہ اندر سے اس حکم کے نفاذ کی اجازت نہ ملے۔ سو کائنات میں ہر حرکت اور ہر سکون، داخلی حرکت اور داخلی سکون ہے۔

جب بندے کو اس حاضرت کا ذوق ملتا ہے تو اِس کی نشانی یہ ہے کہ اِس پر کسی ایسے معاملے میں کوئی غیر اثر انداز نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بندہ خود نہ چاہے یا جس کی طلب نہ رکھے، سو اُس کی ذات اِس معاملے میں اُس کے ارادے کے برخلاف کسی دوسرے کے اثر کو روکتی ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۲۱ب)

Marfat.com

کی نفی کی۔ لہذا مثلیت لغوی ہے عقلی نہیں [1]، کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔ بندے کا اس اسم سے یہی نصیب ہے۔

[1] نسخہ خ میں زائد عبارت: عقلی مثلیت ہی اشتراک ہے، یہ وہ حد اور حقیقت نہیں جو نفوس کی صفت ہے۔

Marfat.com

(١٠) الاسم: الجبّار

التعلّق: افتقارك إليه في تحصيل الأمر المؤثّر في انقياد الأمر إليك من جوارحك وباطنك وكلّ من[١] تعلّقت إرادتك بحمله على ما تريد.

التحقّق: الجبّار مِن «جبرته» لا مِن «أجبرته»، فإنّ «فعّال» لا يأتي من «أفعلت» في لسان العرب إلّا حرفًا واحدًا[٢] وهو «درّاك» من «أدرك[٣]».

والجبّار هو الذي يُجبر ما[٤] سواه على ما يريد إمضاءه فيه أو[٥] منه، ولا يقف شيء لإجباره.

التخلّق: الفعل بالهمّة؛ ﴿فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي﴾[٦] ﴿ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا﴾[٧].

---

[١] خ: ما.

[٢] خ: حرف واحد.

[٣] خ: أدراك.

[٤] ف: - ما.

[٥] خ: و.

[٦] [المائدة: 110]

[٧] [البقرة: 260]

Marfat.com

اسم الجبار[1]

تعلق:

تیری اِس سے محتاجی اُس موثر معاملے کا حصول ہے جس سے نہ صرف تیرے اعضا اور باطن کا معاملہ تیرا مطیع ہو، بلکہ ہر وہ بھی جس سے تو اپنے ارادے کے مطابق کچھ کروانا چاہے۔[2]

تحقق:

جبار صیغہ جبر (بمعنی اصلاح) سے ہے صیغہ اجبر (بمعنی مجبور کرنے) سے نہیں، کیونکہ عربی زبان میں فعّال صیغہ افعلت سے نہیں سوائے ایک لفظ کے اور وہ لفظ "درّاک" ہے جو "ادرک" سے ہے۔

اور الجبار وہ (بھی) ہے جو اپنے سوا ہر ایک کو اس بات پر مجبور کر دے جو وہ اُس میں یا اُس سے چاہتا ہو، کوئی چیز اس کے جبر کا سامنا نہیں کر پاتی۔

---

[1] وہ اپنے بندوں پر اختیار اور اِجبار سے جبر کرتا ہے؛ کیونکہ یہ اُس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

[2] یعنی اسم الجبار سے حاصل شدہ قوت سے تو ہر ایک کو وہ کرنے پر مجبور کر دے جو تو ان سے کروانا چاہے۔ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جو کوئی اس حاضرت میں داخل ہوتا ہے، اور یہ اس کا حال ہوتی ہے؛ تو کائنات میں اس کے احسانات بڑھ جاتے ہیں، حتی کہ تمام عالم اس سے متاثر ہو جاتا ہے بلکہ یہ سارا وجود ہی اپنے اختیار سے اس کا غلام ہو جاتا ہے، یہ بھی جبر سے ہوتا ہے جس کا شعور ہر کوئی نہیں رکھتا؛ یہ احسان اور انکساری کا جبر ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۲۵)

Marfat.com

تخلق:

توجہ مرکوز کر کے کام کرنا[1] ﴿اور تو جب اس میں پھونک مار دیتا تھا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا﴾ (المائدہ: ۱۱۰) ﴿پھر انہیں بلا، وہ دوڑتے ہوئے تیرے پاس آئیں گے﴾ (البقرۃ: ۲۶۰)

---

[1] شیخ اکبر مواقع النجوم میں فرماتے ہیں: توجہ سے کام کرنا: ہر وہ مقصد جس تک رسائی جسمانی محنت یا ظاہری سبب سے ہو، نبی اور ولی اپنی توجہ سے اس تک - اور اس سے زائد چیز تک - پہنچ سکتا ہے۔ یہ زائد چیز وہ کام ہے جو اصلا انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ (مواقع النجوم)

فصوص الحکم میں آپ فرماتے ہیں: ہر انسان وہم سے اپنے خیال کی قوت میں ہر وہ چیز تخلیق کر سکتا ہے جس کا وجود اسی وہم میں ہوتا ہے، یہ تو عام بات ہے۔ لیکن عارف اپنی توجہ سے وہ چیز بھی تخلیق کر سکتا ہے جس کا وجود توجہ سے باہر ہو، لیکن یہی توجہ اس مخلوق کی حفاظت کرتی ہے۔ (کلمہ اسحاقیہ)

توجہ سے کام کرنا ہی کرامت ہے۔ فتوحات میں آپ فرماتے ہیں: کرامات سے میری مراد وہ تصرف ہے جو توجہ کی طاقت سے ظاہر ہوا۔ (مخطوط: السفر-۳)

اپنی مثال دیتے ہوئے فصوص الحکم میں خود لکھتے ہیں: ہم نے تصرف ایثار کی وجہ سے ترک نہیں کیا، بلکہ ہم نے اسے معرفت کے مکمل ہونے پر ترک کیا؛ کیونکہ معرفت اختیار کے حکم سے اس کی متقاضی نہیں۔ سو جب کوئی عارف توجہ سے کائنات میں تصرف کرتا ہے تو وہ امر الہی اور جبر سے ایسا کرتا ہے، اپنے اختیار سے نہیں۔ (کلمہ لوطیہ) سو یہاں پر عارفین کا توجہ سے کام کرنا بھی جبر الہی سے ہے، اور یہی اس اسم سے تخلق ہے۔

Marfat.com

(١١) الاسم: المتكبّر

التعلّق: افتقارك لهذا[١] الاسم أن ينيلك[٢] هذه المرتبة من حيث أنّها حقيقة لك، مجاز عنده.

التحقّق: ليس كبرياؤه عن تفعُّل، وإنّما لمّا كان ينزل إلينا في ألطافه الخفيّة؛ مثل فرحه بتوبة عبده وما أشبه ذلك، ثمّ ظهر عندك بعد هذا في: ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ﴾[٣] وفي: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[٤] صار عندك متكبّرًا عن مشاهدة هذا المشهد.

التخلّق: اكتساب الكبرياء هو التكبّر، والاكتساب لا يكون إلّا للعبد، فهو أولى بهذا، ﴿كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللَّـهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾[٥]، فوصف العبد به. وحظّ المتخلّق السعيد منه[٦] أن يتكبّر في عبوديّته التي هي محلّ[٧] الآثار عن[٨] أن[٩] يؤثّر فيه كونٌ أصلًا،

---

[١] ف، خ: إلى هذا.

[٢] ج: يثيبك.

[٣] [البروج: 16]

[٤] [الشورى: 11]

[٥] [غافر: 35]

[٦] خ: من هذا الاسم.

[٧] خ: فعل.

[٨] ف: – عن.

[٩] م: – أن.

Marfat.com

فهو[1] متكبّر عنها لا عليها؛ فبـ«عن» يكون محمودًا إلّا أن يكون مشروعًا، وبـ«على»[2] يكون مذمومًا إلّا أن يكون مشروعًا، مع سلامة الباطن ولا بدّ[3].

Marfat.com

[1] خ: وهو.

[2] خ: + بأن.

[3] م: - ولا بد.

اسم المتکبر

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اس کا تجھے اس طرح سے یہ مرتبہ عطا کرنا ہے کہ یہ تیرے لیے حقیقت اور اس کے پاس مجازاً ہو۔[1]

تحقق:

اس کی کبریائی بناوٹی نہیں، یہ اس لیے کہ جب وہ اپنے پوشیدہ لطف و کرم سے ہماری جانب نزول کرتا ہے، جیسے اُس کا اپنے بندے کی توبہ پر خوشی کا اظہار کرنا، یا اس جیسی دیگر باتیں، اور پھر اس کے بعد وہ ﴿جو وہ چاہتا ہے کرتا ہے﴾ (ھود: ۱۰۷) ﴿اور اس جیسی کوئی چیز نہیں﴾ (الشوریٰ: ۱۱) میں جب تیرے سامنے آتا ہے، تو وہ تیرے سامنے اِس دوسرے مشہد کے مشاہدے میں متکبر ہوتا ہے۔[2]

تخلق:

کبریائی کا کسب ہی تکبر ہے، اور کسب کرنا صرف بندے کا خاصہ ہے، سو یہی اِس لائق

---

[1] سلطان عبد العزیز لکھتے ہیں: یہ مرتبہ اس کے پاس اس طرح سے مجازاً ہوتا ہے کہ وہ اکیلا ہی معبود حقیقی ہے اس کے سوا کوئی دوسرا موجود ہی نہیں، اور تکبر تو اپنے جیسوں پر ہی ہوتا ہے جب اس کے مقابل کوئی دوسرا ہے ہی نہیں تو وہ کس پر تکبر کرے، چنانچہ یہ مرتبہ اس کے لیے مجازاً ہے۔

[2] یعنی جب وہ تیرے ساتھ پہلی صورت سے پیش آتا ہے تو اپنے لطف و کرم کا اظہار کرتا ہے لیکن جب اس کے بعد وہ تیرے سامنے اس صورت میں آتا ہے کہ "وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے" اور "اس جیسی کوئی چیز نہیں" تو تیری نظر میں وہ متکبر ہوتا ہے یعنی سب سے بلند تر اور بڑا۔

Marfat.com

ہے۔ ﴿اسی طرح اللہ ہر متکبر سرکش کے دل پر مہر لگا دیتا ہے﴾ (غافر: ۳۵) چنانچہ بندے کو اِس سے موصوف کیا۔[1]

اس اسم سے ایک خوش بخت متخلق کا یہی حصہ ہے کہ وہ اپنی عبودیت میں - جو کہ آثار کی جا ہے - اِس طرح تکبر کرے کہ وجود یا کوئی شے اِس (بندے) میں اثر نہ کر پائے، یوں وہ "اُس سے" تکبر کرے نہ کہ "اُس پر"؛ "اس سے" (تکبر) قابل تعریف ہے، ہاں اگر شریعت کا کوئی حکم ہو، اور "اُس پر" تکبر قابل مذمت ہے، ہاں اگر اس بارے میں بھی شریعت کا کوئی حکم ہو، جب تک کہ باطن درست رہے اور یہ لازمی ہے۔[2]

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۸۰ میں فرماتے ہیں: بندے کو اللہ تعالیٰ کے ان اسما سے دور ہی رہنا چاہیے جو اسے نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسا کہ اس نے کہا: ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ (الدخان: ۴۹) چکھ تو بڑا العزیز اور الکریم بنا پھرتا ہے۔ اور اس کا یہ کہنا: ﴿كَذَٰلِكَ يَطْبَعُ اللهُ عَلَىٰ كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ (غافر: ۳۵) اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ اسے چاہیے کہ ان جیسے اسمائے الٰہیہ سے دور ہی رہے کیونکہ جو بھی ان سے موسوم یا کائنات میں ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ قابل مذمت ہوتا ہے۔ انسان کی حقیقت اس کا محتاج ہونا ہی ہے اور محتاج متکبر نہیں ہوتا؛ کیونکہ وہ ایسی چیز (یعنی تکبر) سے ظاہر ہونے کی کوشش کرتا ہے جو اس کی صفت نہیں، اسی لیے بروز قیامت اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر نہیں کرے گا۔

[2] شیخ فرماتے ہیں: جو کوئی اسمائے حسنیٰ سے تخلق کا قائل ہے اور اِن میں حق کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے؛ کہ وہ بھی اُسی کی صورت پر تخلیق ہوا، تو لازم ہے کہ یہ اُس کے اسما سے بھی ظاہر ہو، اور قابل تعریف مشروع طریقے سے انہیں اپنائے۔ تو یہ عبودیت کا ربوبیت سے مقابلہ ہے، وہ اس طرح کہ جب وہ دیکھتا ہے: اُس کے کچھ ایسے اسما ہیں جو حقیقت میں اسی کے ہیں اور وہ ان سے منفرد ہے، پھر جب وہ دیکھتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ان اسما میں اس کا مقابلہ کیا: جیسا کہ ہنسنا، خوشی، تعجب، محبت، تردد، کراہت، غفلت اور حیا کا اظہار کرنا، یا ان جیسی اور باتیں جن کا ذکر کتاب و سنت میں آیا ہے۔۔۔ تو وہ کہتا ہے: میرے لیے یہی بہتر ہے کہ میں اُس کے اسما کو ترک کروں اور اپنے اسما پر ہی قناعت کروں...

⇆

Marfat.com

یوں یہ سوچنے والا شخص اِن اسمائے حسنیٰ کے تخلق سے دور ہی رہتا ہے، اور اپنی محتاجی، ذلت، حقارت، عاجزی، کوتاہی اور جہالت کو لیے اپنے گھر میں بیٹھا رہتا ہے۔ جب بھی کوئی اسم الٰہی اس کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: یہاں تجھ سے بات کرنے والا کوئی نہیں۔...

یوں یہ بندہ اپنی خصوصیت کی طرف لوٹتا ہے؛ یعنی ایسی عبودیت کی جانب جو ربوبیت سے متصادم نہیں، اِس (عبودیت) سے خود کو آراستہ کر کے اپنی شیئت ثبوت -نہ کہ شیئت وجود- کے گھر میں بیٹھ جاتا ہے، اس میں حق تعالیٰ کا تصرف دیکھتا ہے کیونکہ وہ خود تو اس کی تدبیر سے الگ ہو چکا۔ اگر کسی کی ایسی حالت تھی اور وہ کسی نام سے موسوم ہوا تو اللہ نے اس کا یہ نام رکھا، اس نے خود نہیں، اور نہ ہی اسے یہ اختیار ہے کہ اِس نام کو رد کرے۔ یہ اسماء ہی اس کے بندوں پر حق تعالیٰ کی خلعتیں ہیں۔ یہ شرف والی خلعتیں ہیں؛ ادب کا تقاضا یہی ہے کہ ان کو قبول کیا جائے کیونکہ یہ اس کی جانب سے بغیر کسی طلب اور مطلع ہونے کی خواہش کے آئیں۔ اللہ کے رسول ﷺ نے بھی اسے یہی حکم دیا کہ یہ عطا قبول کی جائے۔ (مخطوط: السفر-۱۳، ص ۸۰ ب)

شیخ عبد الکریم جیلی بھی یہی کہتے ہیں: متکبر وہ ہے جو اسمائے حسنیٰ سے متصف ہو، اللہ تعالیٰ کی صفات سے بڑھ کر کوئی بڑائی نہیں۔ اور یہ بھی جان لے کہ (التکبر عن اللہ) اللہ کو اپنے ساتھ رکھتے ہوئے اس کی معیت میں تکبر کرنا قابل تعریف ہے اور جس تکبر کی مذمت کی گئی ہے وہ (التکبر علی اللہ) اللہ پر تکبر کرنا ہے۔ (موسوعۃ الکسنزان، مادۃ - المتکبر)

Marfat.com

(١٢) الاسم: الخالق

التعلّق: افتقارك إليه في الإصابة في التقدير. وافتقارك إليه[1] أيضًا في المعونة على إيجاد ما كُلّفتَه[2] من الأعمال.

التحقّق: الخالق مقدِّر الأشياء قبل إيجاد أعيانها، ثمّ موجِد أعيانها في الرتبة الثانية من تقديرها، فهذا معنى[3] الخالق.

التخلّق: بعد سؤال ما ذكرناه في التعلّق[4] يعطيه اللهُ تعالى[5] العلمَ بتقدير الأشياء، فيخترعها في نفسه أحسن اختراع على أبدع نظام، ثمّ يظهر أعيانها على يده إيجادًا، فيكون مقدِّرًا موجدًا[6] لما قدّره؛ ولو لم يكن كذلك لبطلت[7] حقيقة التكليف، ولبطل قوله - تعالى -: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ﴾[8] وكلّ[9] عمل أضيف للخلق[10] فِعله لولا ما علِم الله أنّ ثمّ نسبة للعبد في الإيجاد لَمَا أثبت له ذلك ولا أضافه إليه، والله أصدق القائلين. وأيسرها أن يخلق الله تعالى[11] الفعل للعبد عند إرادته[1] ذلك الفعل.

[1] ي: - في الإصابة في التقدير وافتقارك إليه.
[2] ج: كلفك. ط: كلفت.
[3] م: على.
[4] م: - التعلق.
[5] خ،م: - تعالى.
[6] خ: مُقَدِّرًا موجودا. ي: فيكون موجودا.
[7] خ: لبطل.
[8] [الجاثية: 15]
[9] م: فكل.
[10] خ: أضيف إلى الخلق. ي: أضيف للحق.
[11] خ، ي، م: - تعالى.

Marfat.com

[1] ي: إرادتك.

Marfat.com

اسم الخالق[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی تخمینے یا اندازے میں درست ہونا ہے۔ اور اسی طرح اس سے تیری محتاجی اُن اعمال کی ایجاد میں اس کی مدد حاصل کرنا ہے جن کا اُس نے تجھے مکلف کیا۔

تحقق:

خالق وہ ہوتا ہے جو چیزوں کے اعیان میں ظہور پذیر ہونے سے قبل ان کا تخمینہ لگائے (یہ ہے "خلق تقدیر")، پھر دوسرے درجے میں ان کے اعیان کو اسی تخمینے پر وجود بخشے (یہ ہے "خلق ایجاد") یہ ہے خالق کا (اصل) مطلب۔[2]

---

[1] وہ تخمینے اور ایجاد سے خالق ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: اس حاضرت والا شخص "عبد الخالق" کہلاتا ہے۔ تخلیق دو طرح سے ہے: (خلق تقدیر) تخمینہ لگانا؛ یہ امر الٰہی سے قبل ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے اِسے پہلے رکھا اور امر کو پیچھے کیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف: ۵۴) اور دوسری تخلیق جو کہ ایجاد ہے، وہ امر الٰہی کے ساتھ ہے، اگرچہ امر الٰہی رتبے میں اِس سے آگے ہے۔ لہٰذا ایجاد کرنے والا امر الٰہی ان دونوں قسموں کے مابین ہے: ۱- (خلق تقدیر) تخمینہ لگانا، ۲- (خلق ایجاد) ایجاد کرنا۔ امر الٰہی کا تعلق "خلق ایجاد" سے ہے، اس کا ذکر آگے آئے گا، اس کا تعلق حاضرت الباری سے ہے۔ جبکہ "خلق تقدیر" کا تعلق ممکن کے ظہور کے لیے وقت کا تعین کرنا ہے، سو یہ امر اس (وقت) تک ٹھہر جاتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۲۹)

Marfat.com

تحقق:

تعلق میں ہم نے جس طلب کا ذکر کیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے اشیا کے درست تخمینے کا علم دیتا ہے، اور یہ اپنے ذہن میں انہیں خوبصورت ترین شکل اور بہترین نظام پر تشکیل دیتا ہے۔ پھر اس کے ہاتھوں اِن کے اعیان کا ظہور ایجاد کی شکل میں ہوتا ہے، اور وہ جس شے کا تخمینہ لگاتا ہے اس کا تخمینہ لگانے والا اور موجد کہلاتا ہے؛ اگر ایسا نہ ہو تو تکلیف کی حقیقت باطل ہو جائے، اور اللہ کا یہ قول بھی (نعوذ باللہ) باطل ٹھہرے: ﴿جس نے اچھا کام کیا تو اپنے لیے﴾ (الجاثیہ: ۱۵) اور ہر وہ عمل جس کا کرنا مخلوق سے جوڑا جائے اگر اس عمل کے بارے میں اللہ یہ نہ جانتا ہو کہ (اس کی) ایجاد میں بندے کی بھی ایک نسبت ہے تو وہ اِس کے لیے یہ ثابت نہ کرتا اور نہ ہی اس عمل کو اس بندے سے جوڑتا، بیشک اللہ سب سے زیادہ سچ کہنے والا ہے۔ اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ جب بندہ کسی کام کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس ارادے کے پاس اللہ تعالیٰ بندے کے لیے یہ کام تخلیق کر دیتا ہے۔

Marfat.com

(١٣) الاسم: البارئ

التعلّق: افتقارك إليه كافتقارك إلى «الخالق» الذي هو بمعنى «الموجِد»، وافتقارك إليه أيضًا كافتقارك إلى «السلام»، فهو[١] جامع.

التحقّق: مثل [تحقّق] «الخالق» بمعنى «الموجِد»، وقد يكون أيضًا الذي لم يَرجع إليه مِن خَلقِه الخلقَ[٢] وصفٌ لم يكن[٣] عليه، ولذلك قال: ﴿الْخَالِقُ الْبَارِئُ﴾[٤] أي السالم مّا ذكرناه. فإنّ العادة جرت[٥] في المخلوقين أنّ[٦] من اخترع شيئا لم يُسبَق[٧] إليه في غاية الإبداع والإتقان[٨] يجد في نفسه أثرًا لذلك من فرح وابتهاج، والحقّ[٩] برئ من[١٠] ذلك وبارئ[١١].

التخلّق: دخل عمر بن الخطّاب[١٢] على أبي بكر الصدّيق - رضي الله عنهما - وأبو بكر مريض[١٣]. قال: كيف أصبحت؟ فقال: «بارئًا إن شاء الله تعالى» أراد: سالماً من

[١] خ: وهو.
[٢] ي: الخلق. ج: التخلق.
[٣] ف: تكن.
[٤] [الحشر: 24]
[٥] م: فإن البارئ منه جار. - جرت.
[٦] خ: أنه.
[٧] م: - يسبق.
[٨] خ: + أن
[٩] ي: فالحق.
[١٠] ف: عن.
[١١] ي: وبادي.
[١٢] ف: + رضي الله عنه.
[١٣] ج: وكان أبو بكر مريضا.

Marfat.com

المرض. فتخلُّق العبد من هذا الاسم أن يكون بارئًا من أن تؤثِّر فيه الأكوان والأغيار، بل هو المؤثِّر فيها لتحقّقه بربّه.

اسم الباری[1]

تعلق:

"اسم الباری" سے تیری محتاجی "اسم الخالق" جیسی ہے جو "موجد" کے معنوں میں ہو، اسی طرح اس سے تیری محتاجی "اسم السلام" جیسی بھی ہے، اور وہ جامع ہے۔

تحقق:

اس کا تحقق بھی "اسم الخالق" کے تحقق جیسا ہے جب وہ "موجد" کے معنوں میں ہو۔ اور یہ (تحقق ایسا) بھی ہوتا ہے کہ مخلوق کی تخلیق پر اس کی طرف ایسا کوئی وصف نہ لوٹے جس پر وہ پہلے سے نہ ہو، اسی لیے تو کہا: ﴿وہی الخالق الباری ہے﴾ (الحشر: ۲۴) یعنی اس بات سے پاک جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا۔ کیونکہ مخلوق میں عادت اس طرح جاری ہے کہ (مخلوق میں سے) جو کوئی نہایت مہارت سے بہترین صورت پر کوئی نئی چیز تخلیق کرتا ہے تو وہ اس تخلیق سے اپنے دل میں خوشی اور فرحت کے اثرات محسوس کرتا ہے، جبکہ حق باری تعالیٰ اس (خوشی) سے پاک اور بری ہے۔[2]

---

[1] وہ الباری ہے کہ اس نے ارکان کے مولّدات کو ایجاد کیا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: حق تعالیٰ کے بارے میں اہل خرد کے مقالات بھی تفکیر کے اختلافات کی زد میں ہیں۔ ہر مفکر اسی کا اعتقاد رکھتا اور اسی کی عبادت کرتا ہے جو اس نے اس غور و فکر سے تخلیق کیا ہوتا ہے، اور جو چیز اس کے دل میں تخلیق ہوتی ہے وہ مخلوق ہی ہوتی ہے، لیکن وہ اس صورت میں -یعنی اس مقالے میں جس نے اس پر تجلی کی- حق ہی ہوتا ہے۔...

انبیائے کرام حق کے بارے میں ایک بات لے کر آئے، جس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں؛ بلکہ جو پہلے نبی نے کہا وہ اس کے بعد آنے والے ہر نبی اور رسول نے کہا، ... اور ان سب کا دعویٰ یہ تھا کہ یہ

Marfat.com

تخلق:

حضرت عمر بن خطاب اس وقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما کے پاس آئے جب آپ حالت مرض میں تھے، پوچھا: کیا حال ہے؟ آپ نے فرمایا: ٹھیک ہوں اللہ کے کرنے سے، آپ نے مرض سے ٹھیک ہونے کے لیے "باریا" کا لفظ استعمال کیا۔ لہذا اس اسم سے بندے کا تخلق یہی ہے کہ وہ ایسا ہو جائے کہ موجودات اور اغیار اس پر اثر انداز نہ ہوں سکیں، بلکہ وہ ان پر اثر انداز ہو کیونکہ وہ اپنے رب سے متحقق ہے۔

ان پر وحی کیا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اہل خرد کی طرح حق تعالیٰ میں ان کا بھی اختلاف ہوتا۔ سو یہ حق کے قریب ہیں، بلکہ اس بارے میں وہ صرف حق بات ہی لے کر آئے؛ تاکہ پچھلا پہلے والے کی تصدیق کرے، اور پہلا آخری کی۔۔۔

ان میں راہ ہدایت پر وہ گروہ ہے جو اللہ کے بارے میں وہ عقیدہ رکھے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبان سے خود اپنے بارے میں بتایا؛ ہم جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ سچی بات کرتا ہے۔ اگر یہ بات اس کے لیے ایک رخ سے درست نہ ہوتی تو وہ تمام بندوں تک یہ بات نہ پہنچاتا اور اگر ہر اعتقاد میں اس کا ایک رخ نہ ہوتا تو اپنے رسولوں کی زبانی وہ خود کو اعتقادات اور صورتوں میں تبدیل ہوتا نہ بتاتا۔ چنانچہ وہ ہر اعتقاد رکھنے والے کے دل میں حق کی ہر اس صورت سے بری اور پاک ہے جسے دیکھ کر کوئی یہ کہے: "یہی وہ حق ہے کہ اپنے وجود میں ہم جس کے محتاج ہیں۔" لہذا مخلوق نے مخلوق کو ہی دیکھا؛ کیونکہ اُس نے اپنے اعتقادی خدا کو دیکھا، جبکہ حق تعالیٰ اس سے ماورا ہے کہ اُس کی حقیقت اِس صورت کے دیکھنے والے کے سامنے آسکے۔۔۔ ﴿بیشک اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے﴾ (آل عمران: ۹۷) (ماخوذ از فتوحات مکیہ مخطوط: السفر - ۳۲، ص ۳۲ ب) یعنی حق تعالیٰ اس بات سے پاک اور بری ہے کہ اس اعتقادی خدا کی صورت کو اس کی حقیقی صورت سمجھا جائے، کیونکہ یہ صورت مخلوق کی تخلیق ہے۔ اسم البارئ کے تحقق کا یہ بھی ایک رخ ہے۔

Marfat.com

(١٤) الاسم: المصوّر

التعلّق: افتقارك إليه في تصوّر المعاني التي إذا قامت بك أنزلتك عليه.

التحقّق: هو الموجد الأعراض[١]، وهي الرتبة[٢] الثالثة من التقدير وإيجاد الأعيان[٣]، أعني الجواهر[٤]، ولهذا جاءت في القرآن على الترتيب: ﴿الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ﴾[٥].

التخلّق: هو معلوم في العبد بالصورة[٦]، فلم يبق إلّا أن يُنبَّه على إيجاد[٧] صور مخصوصة تكون[٨] فيها سعادته، وهي صور العبادات والمعارف التي كُلّف فعلها.

---

[١] م: للأعراض.
[٢] ج، خ: المرتبة.
[٣] ج: والإيجاد للأعيان.
[٤] خ: وإيجاد أعيان الجواهر.
[٥] [الحشر: 24]
[٦] ف، خ، ي، م، ط: بالضرورة.
[٧] خ (في المتن): تصوير.
[٨] ج، ي: يكون.

اسم المصور

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی ان معانی کے تصور میں ہے کہ جب وہ تجھ میں قائم ہوں تو تجھے اس (کے نائب) کا مرتبہ عطا کریں۔

تحقق:

یہ (اسم) اعراض کا موجد ہے، یہ تخمینہ لگانے اور ایجادِ اعیان - یعنی جواہر کی تخلیق - کا تیسرا مرتبہ ہے[1]؛ اسی لیے قرآن میں یہ سب ایک ترتیب سے آیا ہے: ﴿وہی اللہ الخالق الباری اور المصور ہے﴾ (الحشر: ۲۴)

تخلق:

یہ بندے میں صورت سے معلوم ہے، اب صرف یہی باقی ہے کہ اِسے اُن مخصوص صورتوں کی ایجاد کا بتایا جائے جن میں اس کی سعادت ہے؛ یہ عبادات اور معارف کی وہی

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: لوگوں میں مصور وہ شخص ہے جو تخلیق خدا کی طرح تخلیق کرنے کی کوشش کرے لیکن نہ کر سکے۔ (یہ ایک رخ سے خالق ہے) کیونکہ حق تعالیٰ نے اسے خالق کہا: ﴿تو پرندے کے شکل پر جسم بناتا﴾ (المائدہ: ۱۱۰) اس کے لیے صرف پرندے کی ہیئت بنانا ہی تھی، اور یہ ہیئت ہی اُس کی شکل تھی۔ ہر صورت حسی حیات کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے؛ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے مصور کی مذمت کی اور اسے ڈرایا؛ کیونکہ اُس نے اِس تخلیق کو تکمیل نہ بخشی؛ جو کہ اس میں حسی حیات کا ظہور ہوتا، اور جس کی اسے قدرت بھی نہیں۔ (مخطوط: السفر - ۳۲، ص ۳۴)

Marfat.com

صورتیں ہیں جن کے کرنے کا اِسے مکلف کیا گیا۔[1]

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: بندے کو اعمال کی وہ صورتیں تخلیق کرنی چاہئیں جن کو مکمل طرز پر قائم کرنے کا حق تعالیٰ نے اسے مکلف کیا، اور اسے یہ قوت بخشی کہ وہ اپنے عمل سے بنائی گئی ہر صورت میں روح پھونک سکے؛ اور یہ اس میں حضوری اور اخلاص ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی ایسے شخص کی مذمت نہیں کی جس نے کوئی صورت بنائی اور اپنے رب کی اجازت سے اس میں روح پھونکی؛ اور پھر وہ صورت اللہ کی تسبیح اور تقدیس بیان کرنے لگ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی مذمت کی ہے جو کوئی ایسی صورت تخلیق کرے جس میں زندہ ہونے کی استعداد ہو؛ لیکن وہ خالق ہونے کے ناتے اسے زندہ نہ کر سکے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۳۵)

شیخ صدر الدین القونوی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں لکھتے ہیں: مصور دو قسم کے ہیں:

۱- ایک وہ جو کوئی ایسی جسمانی صورت تخلیق کرتے ہیں جو حیات کو قبول کر سکے، لیکن قدرت نہ رکھنے کے باعث اسے زندہ نہیں کر پاتے۔ اللہ کی وعید ایسے لوگوں کے لیے ہی ہے۔

۲- دوسرے وہ جو روحانی صورتیں بناتے ہیں یا پھر ان اعمال کی صورتوں کو تخلیق کرتے ہیں جن کے کرنے کا انہیں مکلف کیا گیا، اور جن میں روح پھونکنے کی انہیں قدرت اور قوت بخشی گئی، اور یہ روح اخلاص اور حضوری ہی ہے۔

i. ان میں سے کچھ ان روحانی صورتوں میں یہ روح نہیں پھونک پاتے، تو ایسے لوگ بھی وعید میں شامل ہیں، اور یہ ان سے جا ملے جنہوں نے نقصان والے عمل کیے۔

ii. اور ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو ان اعمال کو تخلیق کر کے ان میں بہترین صورت پر اللہ کے حکم اور اس کی توفیق سے روح پھونکتے ہیں،... لہٰذا مخلصین عارفین ہمیشہ صورتوں کی تخلیق میں ہوتے ہیں، سو یہ مصور ہیں؛ جو اپنی تخلیق کی ہوئی صورتوں میں روحیں پھونکتے ہیں، لہٰذا ان کے اعمال دائم اور ان کا شہود قائم ہے۔

(١٥) الاسم: الغفّار

التعلّق: افتقارك إليه في سترٍ يحفظك من شقاوة الأبد.

التحقّق: هو بالنظر إلى إيجاد الخلق ما[١] سترهم به عن[٢] أن تُفني مُهجَهم وأعيانَهم سبحاتُ وجهه، ثمّ أنزِل[٣] إلى كلّ ستر يمنع وجوده من ضرر.

التخلّق: كمثله، وأن تستر[٤] من[٥] غيرك ما[٦] تحبّ[٧] أن يُستَر منك، وأن تستر نفسك من المخالفة بستر الموافقة ظاهرًا وباطنًا، وأن تستر مقامك في الموطن[٨] الذي لا تعطي[٩] الحقيقة كشفه. وهذا التخلّق يُحتاج إليه في الدار الآخرة في وقت التجلّي في صورة الإنكار، وأنت[١٠] تعرفه. فيلزمك الأدب أن تستره في ذلك الموطن، ولا تنبّه عليه حتى توافق الحقّ فيما أراده.

---

[١] خ: وما.
[٢] خ: - عن.
[٣] خ: ينزل.
[٤] ي: ستر.
[٥] خ: عن.
[٦] خ: مما.
[٧] ي: يجب.
[٨] ج: - في الموطن.
[٩] خ: في المواطن التي تأتي.
[١٠] م: وكنت.

اسم الغفار[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اُس اوٹ میں جانا ہے جو تجھے ابدی بد بختی سے بچائے۔[2]

تحقق:

یہ مخلوق کو ایجاد کرنے کی غرض سے اِس (مخلوق) کو بچانا ہے کہ اُس کے چہرے کی پاکیزگیاں اِن کے اعیان اور قلوب کو فنا نہ کر دیں۔[3] پھر اس کا اطلاق ہر اُس پردے پر ہوتا ہے

---

[1] وہ الغفار ہے کہ اپنے مومن بندوں میں سے جسے چاہے ڈھانپ لے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰)

[2] شیخ صدر الدین القونوی شرح اسماء اللہ الحسنیٰ میں لکھتے ہیں: جان لے کہ اس اسم کے احکام میں بچانا اور حفاظت کرنا ہے، اس ٹھکانے میں تین طبقات کے مستور ہیں۔

1. ایک وہ جو گناہ کر لینے کے بعد اس کی سزا سے اوٹ میں ہیں، یہ مغفور کہلاتے ہیں۔
2. دوسرے وہ جو عدم رغبت کی بنا پر گناہ سے ہی اوٹ میں ہیں، یہ محفوظ کہلاتے ہیں۔
3. اور تیسرے وہ جو صفات کی امواج کے تلاطم میں ایسے مستغرق ہیں، ذات کے انوار کی تجلیات میں ایسے مستہلک ہیں، کہ انہیں گناہوں کا پتا بھی نہیں، تو یہ معصوم ہیں۔ (شرح اسما اللہ الحسنیٰ)

اس اسم سے تیرا تعلق یہ ہونا چاہیے کہ تو ان کردہ گناہوں کے بعد بھی اپنی مغفرت کروانے میں کامیاب ہو جائے اور یہ اسم تجھے ابدی بد بختی سے بچا لے۔

[3] شیخ اکبر انہیں رحمت اور عنایت کے حجابات قرار دیتے ہیں، فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: حجابات میں عنایت اور رحمت کے حجابات بھی ہیں، آپ ﷺ کا قول ہے: "بیشک اللہ تعالیٰ کے نور اور ظلمت کے ستر ہزار یا ستر حجابات ہیں، اگر وہ انہیں ہٹا دے تو اُس کے چہرے کی پاکیزگیاں اُس کی مخلوق میں سے ہر اُس چیز کو جلا کر رکھ دیں جو اُس کی نظر کے ادراک میں آئے۔"

←

Marfat.com

جس کا وجود مانع ضرر ہے۔

تخلق:

اس کا تخلق بھی اسی (تحقق) جیسا ہے، وہ یہ کہ تو اپنے غیر سے وہ چھپا جو تو چاہتا ہے کہ تجھ سے چھپایا جائے، اور تو اپنے نفس کو ظاہری اور باطنی طور پر مخالفت سے موافقت کے پردے میں رکھ، اور تو اس جگہ اپنے مقام کو چھپا جہاں حقیقت اِسے عیاں نہیں کرتی۔ اِس تخلق کی ضرورت دار آخرت میں تجلی کے وقت پڑے گی جب ایک صورت میں اس کا انکار کیا جائے گا، تو اُسے جانتا ہے لیکن ادب کا تقاضا یہی ہے کہ اس جگہ تو اس کا پردہ رکھ، اور اس کی جانب اشارہ نہ

جب شیخ اکبر سے پوچھا گیا کہ چہرے کی یہ پاکیزگیاں کیا ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: (عربی لفظ وجہ) چہرہ یا رخ سے مراد کسی ذات کی حقیقت ہوتی ہے، لہذا چہرے کی یہ پاکیزگیاں ذاتی روشنیاں ہیں، یہ ہمارے اور ان کے درمیان اسمائے الٰہیہ کے حجابات ہیں، اسی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ (القصص:۸۸) ہر چیز فنا ہونے والی ہے سوائے اس کی حقیقت کے، اگر ہم یہاں (عربی لفظ) "وجہ" کو حقیقت کے معنوں میں لیں۔ یہ پاکیزگیاں عام زبان میں تنزیہ کے انوار ہیں؛ تنزیہ سے مراد اُس پاک ذات سے ہر اُس چیز کی نفی کرنا ہے جو اس کے لائق نہیں۔ پس یہ عدمی احکام ہیں کیونکہ در حقیقت عدم ہی اس ذات کے لائق نہیں۔ یہیں پر تو حیرت ہے! چونکہ وہ ذات وجود کا عین ہے تو وہ کسی وجودی امر سے منزہ نہیں ہو سکتا، اور اسی لیے اگر تو سمجھے تو یہ اسمائے الٰہیہ نسبتیں ہیں اور ان نسبتوں نے ہی مخلوق کے ان اعیان کو اُس ذات سے کچھ خاص حالتوں کے اکتساب سے موجود کیا... لہذا اگر یہ اسمائے الٰہیہ اٹھ جائیں تو یہ حجابات بھی اٹھ جائیں اور اگر یہ حجاباتِ اسما اٹھ جائیں تو "احدیت ذات" ظاہر ہو جائے گی لیکن وجود سے متصف کوئی عین اس کی احدیت کا ادراک نہیں کر سکتی کیونکہ یہ (احدیت) ممکنات کے اعیان کے وجود کو زائل کر دیتی ہے۔ پھر یہ وجود سے موصوف نہیں رہیں گیں؛ کیونکہ اعیان نے وجود سے متصف ہونا صرف انہی اسما سے قبول کیا، عقلاً اور شرعاً یہ احکام سے متصف ہونا بھی انہی اسما سے قبول کرتی ہیں۔ لہذا سب ممکنات حاضرتِ امکان کے ان حجابات کے پیچھے ہیں۔... یوں عقلاً اور شرعاً ممکنات کے اعیان کا علم باللہ سے تعلق صرف انہی اسما سے ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۲، ص ۱۵۳)

Marfat.com

کرتا کہ ارادۂ حق میں تو اس کی موافقت کرے۔[1]

[1] یہاں اس حدیث نبویؐ کی جانب اشارہ ہے: بیشک حق تعالیٰ قیامت والے دن مخلوق کے سامنے ایسی صورت میں آئے گا جسے وہ نہ جانتے ہوں گے، اور کہے گا: میں تمہارا رب ہوں، وہ کہیں گے: تجھ سے اللہ کی پناہ، پھر وہ ان کے اس عقیدے کی صورت میں ان کے سامنے آئے گا تو سب اس کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ شیخ فرماتے ہیں: عارف اس انکار والے مقام پر بھی اُسے پہچانتا ہو گا لیکن وہ یہ بھی جانتا ہو گا کہ حق تعالیٰ اس حاضرت اور اس مقید صورت میں اپنی پہچان نہیں کروانا چاہتا لہذا عارف کے ادب کا تقاضا یہی ہے کہ وہ اس انکار میں ان کا ساتھ دے لیکن زبان سے کوئی لفظ ادا نہ کرے؛ کیونکہ وہ اسے جانتا ہے۔ (فتوحات مکیہ: باب-۲۷۹) اسم الغفار سے تخلق بھی یہی ہے کہ تو اس کا پردہ رکھ اور اس کے بارے میں وہی کچھ ظاہر کر جو وہ ظاہر کرنا چاہتا ہے۔

Marfat.com

(١٦) الاسم: القهّار

التعلّق: افتقارك إليه في النصرة[1] والتأييد.

التحقّق: هذا الاسم في مقابلة ما خلق الله في خلقه من الدعاوىٰ في الربوبيّة.

التخلّق: لمّا كُلّف العبد ردع شهواته وأعدائه بالاستيلاء عليهم، فردعهم وأسَرَهم وظهر[2] عليهم؛ صحّ له[3] نصيب من هذا الاسم، وهو الذي يكثر منه القهر في مقابلة المنازعين.

[1] ي: النصر.

[2] ي: فظهر.

[3] ي: لهم.

Marfat.com

اسم القہار[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی نصرت اور امداد (کے حصول) میں ہے۔[2]

تحقق:

اللہ نے جو اپنی مخلوق میں ربوبیت کے دعووں[3] کو تخلیق کیا ہے تو یہ اسم اِن

[1] وہ اپنے بندوں میں سے ان پر القہار ہے جو جہالت کے باعث اس کا مقابلہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جنہوں نے توبہ نہ کی۔

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: الحمد للہ حق تعالیٰ نے کبھی میرے نفس میں اس اسم سے تجلی نہیں کی، اور میں نے اسے (ہمیشہ) کسی دوسرے کے آئینے میں ہی دیکھا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار اور اضطرار کے حال میں اس سے محفوظ رکھا؛ سو میں نے کبھی جھگڑا نہیں کیا۔ اگر کبھی کسی حریف سے میں نے تکرار کی بھی ہے تو مقصد اس کو سکھانا تھا، تکرار کرنا نہیں۔ میں نے خود میں کبھی قہر الٰہی کو محسوس نہیں کیا، اور نہ ہی اس حاضرت میں اُس کا مجھ میں کوئی حکم رہا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۴۰ب)

[3] ربوبیت کے دعوے: شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: مخلوقات میں کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ربوبیت کا دعویٰ نہ ہو، کیونکہ اس چیز سے وجود میں نفع بھی ہے اور نقصان بھی، لہٰذا اس کائنات کی ہر چیز نفع بخش اور نقصان دہ ہے۔ اور یہی اس میں عمومی ربوبیت ہے۔ فرماتے ہیں: دنیا کا ٹھکانہ ہی ایسا ہے کہ یہاں غلام بھی ربوبیت کے دعوے دار، اور حق تعالیٰ کی عظمت اور کبریائی میں اُس کے مقابل ہیں۔ فرعون کہتا ہے: ﴿میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں﴾ اس نے تکبر کیا، اِس کی وجہ یہ تھی کہ اِس دنیا کا تقاضا یہی ہے کہ خالق مخلوق سے چھپا رہے؛ کیونکہ اگر دنیا میں ہی اس نے اپنا جلوہ دکھا دیا پھر تو قضا اور قدر کا یہ کھیل ہی تمام ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کا یوں چھپا رہنا ان پر رحمت اور ان کی بقا کے

بقیہ

Marfat.com

(دعووں) کے مقابل ہے۔[1]

تخلق:

چونکہ بندے کو اپنی شہوات اور اپنے دشمنوں پر غلبہ پاکر انہیں روکنے کا حکم ہے، لہٰذا جس کسی نے ان کو روکا، انہیں قیدی بنایا اور ان پر غالب ٹھہرا تو اُسے اِس اسم سے حصہ ملا، یہ ایسا شخص ہے جو فساد برپا کرنے والوں کا مقابلہ قہر کی کثرت سے کرتا ہے۔[2]

لیے ہے؛ کیونکہ اس کی پاک تجلی اپنی ذات سے قہر ڈھاتی ہے، اور اِس تجلی کے سامنے کوئی دعوی نہیں ٹھہر سکتا۔ (ماخوذ از فتوحات مکیہ)

[1] در حقیقت یہ اسم مخلوق کے دعووں کو ختم کرنے کے لیے ہے۔

[2] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: عارف ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے نفس سے غافل نہیں ہوتا؛ کیونکہ اگر وہ اپنے نفس سے غافل ہو گا تو اپنے رب سے غافل ہو گا، اور جو اپنے رب سے غافل ہوا تو اس نے باطنی طور پر اپنے رب کی مخالفت کی۔ اس موقع پر قہر الٰہی اس کو مغلوب کرتا ہے۔ اگر کثرت سے اس کے ساتھ ایسا ہو تو وہ "عبد القہار" اور اگر کم ہو تو "عبد القاہر" کہلاتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۴۲ب) کیونکہ القاہر صرف مخالفت کرنے والوں پر قہر ڈھاتا ہے، جبکہ عارفین کی مخالفت اپنے رب سے غافل ہو جانا ہے۔ اس اسم سے تخلق کی صورت میں یہ شخص اپنی شہوات اور اپنے اُن دشمنوں پر قہر ڈھاتا ہے جو اِسے رب سے غافل کر دیں۔

Marfat.com

(١٧) الاسم: الوهّاب

التعلّق: افتقارك إليه في رفع الأغراض[١] في نفس الأعمال.

التحقّق: هو المعطي النعم[٢]، معرّىً عن جميع المقاصد المتعلّقة بالعطاء من المعطي، وهذا يُتصوّر حقًّا وخلقًا.

التخلّق: يتصوّر هذا المقام من العبد، فإذا قام به سُمّي وهّابًا، وهو الذي تكثر[٣] هباته على هذا الحدّ، لا لِعوض[٤] ولا لِغرض.

[١] ي: الأعراض.
[٢] ف،م، ط: لينعم. خ: المنعم.
[٣] ي،م: يكثر.
[٤] ج: بعوض.

Marfat.com

اسم الوہاب[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اعمال میں اغراض کا خاتمہ کرنا ہے۔[2]

تحقق:

وہی نعمتیں عطا کرنے والا ہے؛ اُن تمام اغراض سے پاک ہے جو عطا کرنے والے کی عطا سے متعلق ہوتی ہیں، یہ حق تعالیٰ اور مخلوق دونوں کے لیے متصور ہے۔

تخلق:

یہ مقام (یعنی تخلق) بندے کے لیے ہے، اور جب وہ اس میں ٹھہرے تو وہاب کہلاتا ہے؛ یہ ایسا شخص ہے جس کی اکثر عطایات اسی صورت پر ہوتی ہیں، نہ بدلے کی طلب میں اور نہ غرض

---

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الوہاب" کہلاتا ہے۔ وہب انعام کی صورت میں واہب کی عطا ہے، جس پر شکر طلبی کا خیال نہ آئے۔ اگر اس عطا پر طلب شکر کا خیال آیا تو یہ وہب نہیں؛ بلکہ عطائے تجارت ہے؛ جو منافع یا نقصان کی طلب ہے۔

[2] شیخ فرماتے ہیں: اس حاضرت میں بندہ اپنے احسانات، اپنے بدنی اور مالی انعامات میں اپنی تمام اغراض سے آزاد ہوتا ہے۔ یہاں بدنی سے مراد یہ ہے کہ وہ جسمانی سفر کرے یا اللہ کے بندوں میں سے انسان یا حیوان کے حق میں کسی بھی قسم کی کوئی بدنی حرکت کرے، تو وہ اس میں اجر کا طالب نہیں ہوتا، بلکہ اس نے کسی کے حق میں جو تکلیف اٹھائی؛ جس میں مقصد اس کو نفع پہنچانا یا ضرر دور کرنا تھا، یہ اس پر مجرد انعام ہوتا ہے۔ اللہ اس کو اس بات کا اجر دے تو یہ اللہ کی مرضی ہے اس کی نہیں، ایسا شخص یہ سب صرف اس صفت کے اس میں قائم ہونے اور اس اسم الٰہی کے اس پر حکم لگانے سے کرتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۴۳)

کے حصول میں۔[1]

[1] شیخ صدر الدین القونوی لکھتے ہیں: اسی طرح عبادت میں سرگرم، اگر اس کی غرض اور نیت اپنی عبادت کے ظہور سے کسی ایسی روحانی صورت کا ایجاد کرنا ہو جو اللہ کی تسبیح بیان کرے، یا ملکوت کی فضاؤں کو اللہ کی تسبیح کرنے والی مخلوق سے مزین کرنا ہو تو ایسا شخص بھی اسی حاضرت میں شامل ہے۔ (شرح اسما اللہ الحسنیٰ)
شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت والے شخص کا مقصد صرف احسان سے اِس عبادت کو ظاہر کرنا اور اللہ کی تسبیح بیان کرنے والوں میں اضافہ کرنا ہوتا ہے؛ وہ اس پر کسی قسم کی حمد، ثنا یا جزا کا طالب نہیں ہوتا، ہاں یہ وہی چاہتا ہے جو حق تعالیٰ نے اس کائنات کو ایجاد کرتے وقت چاہا۔ جیسے حق تعالیٰ کی چاہت یہ تھی کہ وہ اس کی عبادت کریں، جیسا کہ اس نے فرمایا: ﴿میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے تخلیق کیا﴾ (الذاریات: ۵۶) ﴿اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی تسبیح بیان نہ کرتی ہو﴾ (الاسراء: ۴۴) اسی طرح یہ بندہ بھی عبادات کی صورتوں کو تشکیل دیتے وقت یہی نیت کرتا ہے؛ کہ یہ اللہ کی ویسے عبادت کریں جیسے اللہ تعالیٰ چاہتا ہے، اور یہ سب اس بندے کی جانب سے اس صورت کی تشکیل اور ایجاد پر انعام کی نیت کو باطل نہیں کرتا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۴۵)

Marfat.com

(١٨) الاسم: الرزّاق

التعلّق: افتقارك إليه في قيامك في العالَم به ليحتاجوا إليك في بقاء ذواتهم.

التحقّق: هو الذي يوصِل إلى كلّ موجود سِواه ما به بقاؤه، وهو الذي يُسمّى[١] رزقه، سواء كان من غذاء الأرواح أو[٢] الأشباح.

التخلّق: إذا أثّر كلام العبد في قلب السامع بما تعطيه[٣] سعادته، وأعطاه ممّا في يده[٤] ممّا هو مستخلَف فيه، فاستعمله[٥] ذلك المعطى له[٦] في نفسه لبقاء بنيته[٧]، وكَثُرَ[٨] هذا منه، فقد تخلّق بهذا الاسم.

---

[١] ي: سمي.

[٢] ج، ي: و.

[٣] ي: يعطيه.

[٤] خ: وأعطاه ما بيده.

[٥] خ: واستعمله.

[٦] ي: – له.

[٧] ف: تثبته.

[٨] ج: ومن كثر.

Marfat.com

اسم الرزاق[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اس جہان میں اس (اسم) سے تیرا ایسا قیام ہے کہ سب (جہان والے) اپنی ذوات کی بقا میں تیرے محتاج ہوں۔[2]

تحقق:

وہی تو ہے جو اپنے سوا ہر ایک موجود تک وہ چیز پہنچاتا ہے جس سے اس کی بقا وابستہ ہے، اور یہی اس چیز کا رزق کہلاتا ہے، چاہے یہ ارواح کی غذا ہو یا اجسام کی۔[3]

---

[1] الرزاق وہ ہے جو ہر غذا خوار کو ـ چاہے وہ جمادات، نباتات، حیوانات اور انسانوں میں سے ہو ـ بغیر کفر اور ایمان کی شرط کے غذا دیتا ہے۔ (مخطوط: السفر ـ ۳۳، ص ۱۲۰ ب)

[2] فتوحات میں شیخ فرماتے ہیں: جب بندہ اس حاضرت میں جاتا ہے... اور اس چیز کو دیکھتا ہے جو اس سے تخلیق ہوئی؛ تو ایسے رزق سے اس کی امداد کرتا ہے جس سے اس کی بقا ہے؛ کیونکہ یہ اس چیز کا خالق ہے، اور رزق تخلیق کے تابع ہے؛ کسی چیز کا خالق ہی اس کا رازق ہوتا ہے۔ (مخطوط: السفر ـ ۳۲، ص ۴۸)

[3] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ رزق معنوی بھی ہے اور حسی بھی، یعنی محسوس بھی اور معقول بھی، یہ ہر وہ چیز ہے جس سے مرزوق کی عین کے وجود کی بقا ہے؛ یہی اس کا رزق اور غذا ہے۔ اور اس کا یہ کہنا: ﴿تمہارا رزق آسمان میں ہے﴾ (الذاریات: ۲۲) اور زمین کے بارے میں فرمایا: ﴿اور اس میں اس کا دانہ پانی رکھا﴾ (فصلت: ۱۰) یہ ارزاق ہی ہیں۔ اس کا تخمینہ دو طرح سے ہے: ایک رخ اس کی مقدار اور دوسرا اس کے اوقات کا ہے۔ پس زمین میں موجود رزق اجسام کی غذا ہے جبکہ آسمان میں موجود رزق ارواح کو قائم کرنے والا ہے۔ یہ سب رزق کہلاتا ہے تاکہ ہر مخلوق کی محتاجی درست ہو اور صرف اکیلا حق تعالیٰ ہی بے نیاز ہو۔ (مخطوط: السفر ـ ۳۲، ص ۴۶ ب)

Marfat.com

تخلق:

جب سننے والے کے دل پر بندے کی بات اِس طرح سے اثر کرے کہ اِس (سامع کو) خوش بختی دے یا یہ (بندہ) اُسے وہ کچھ دے جو اُس تک پہنچانے کا اسے کہا گیا، اور جسے یہ دیا گیا اُس نے اِس عطا کو خود میں ایسے استعمال کیا کہ اپنے وجود کی حفاظت کی، اور اگر کثرت سے ایسا ہوا تو ایسا شخص اِس اسم سے متخلق ہے۔

Marfat.com

(١٩) الاسم: الفتّاح

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يهبك المفاتيح على اختلاف صنوفها ويعطيك الإذن باستعمالها[٢].

التحقّق: السبب الموجب لإظهار ما كان خلف هذه[٣] المغاليق على مراتبها لأعين الناظرين على مراتبهم[٤] حسًّا ومعنىً.

التخلّق: بعد ما تحصل للعبد هذه المفاتيح من أيّ اسم كان[٥]: الوهّاب والكريم والجواد[٦] وإخوانه[٧] من الأسماء، أن يفتح بها[٨] مشكلات الأُمور المعنويّة الإلهيّة والروحانيّة والطبيعيّة المتعلّقات[٩] بالأغراض وغير الأغراض لأعين البصائر والأبصار على قدر حاجة[١٠] المفتوح له. فمن حصل له[١١] هذا المقام فهو الفتّاح لا الفاتح.

---

[١] ج، ف، خ، م: - في.

[٢] ف: في استعمالها.

[٣] خ: - هذه.

[٤] ط: مراتبها.

[٥] ج، ي، م: + فإن.

[٦] خ: الوهاب أو الكريم أو الجواد.

[٧] ف، ط: وأخواته.

[٨] م: فيها.

[٩] ي، ط: المتعلقة. خ: للتعلقات.

[١٠] خ: حاجته.

[١١] ج: - له.

Marfat.com

اسم الفتاح[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تیرے ہاتھ نہ صرف مختلف اقسام کی چابیاں تھمائے بلکہ ان کے استعمال کی اجازت بھی دے۔

تحقق:

وہ سبب جو اِن تالوں کے مراتب پر اِن کے پیچھے چھپی چیزوں کا دیکھنے والوں کے مراتب پر حسّی اور معنوی طور پر ظاہر کرنے کی وجہ بنے۔

تخلق:

جب بندے کو کسی بھی اسم مثلاً: الوہاب، الکریم، الجواد یا ان جیسے دیگر اسما سے یہ چابیاں

---

[1] شیخ صدر الدین قونوی لکھتے ہیں: الفتاح وہ ہے جو انعام اور عذاب کے در کھولے۔ حاکم کو بھی فاتح اور فتاح کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے حکم سے دو جھگڑا کرنے والوں کا معاملہ کھل جاتا ہے۔ حق تعالیٰ قیامت والے دن اپنے بندوں میں فیصلہ کرے گا، اور وہی اپنے بندوں میں معیشت کے بند دروازے کھولتا ہے، سو فقیر کو غنی کرتا ہے اور غم زدہ کو غم سے آزادی دلاتا ہے۔ (شرح اسما اللہ الحسنیٰ)
شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الفتاح" کہلاتا ہے؛ اس حاضرت کی ایک صورت، ایک معنی اور ایک برزخ ہے۔ اس حاضرت کا کمال حضرت آدم علیہ السلام کو اسما کے علم اور نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جامع کلمات سے حاصل ہوا۔ ان دو اشخاص کے سوا ہمیں کسی کے بارے میں نہیں بتایا گیا۔ یہ دو آیات بھی اسی حاضرت سے نازل ہوئیں: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّـهِ وَالْفَتْحُ﴾ (النصر: ١) ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (الفتح: ١) (مخطوط: السفر-٣٢، ص ٤٩ ب)

Marfat.com

ملتی ہیں، جن سے وہ معنوی خدائی، روحانی اور طبعی امور کی وہ مشکلات جو دیکھنے والے کی نظر یا بصیرت پر اس کی حاجت کے مطابق اغراض اور غیر اغراض سے تعلق رکھتی ہوں۔ جسے یہ مقام حاصل ہو اتو وہ الفتّاح ہے الفاتح نہیں۔

Marfat.com

(٢٠) الاسم: العليم

التعلّق: افتقارك إلى[١] تعيين ما يصحّ[٢] أن تكون[٣] به متخلّقًا من هذا الاسم.

التحقّق:[٤] العليم بِنية مبالغة؛ وهو التعلّق بحقائق الأُمور[٥] على ما هي[٦] عليه: وجودًا وعدمًا، ونفيًا وإثباتًا، على جهة[٧] الإحاطة بها حقيقةً لا على التناهي فيكون جهلًا.

التخلّق: هو ما يقع للعبد بحكم الكسب[٨] من العلوم التي تكون عن الاستنباط خاصّةً من غير أن يعلّمه غيره، وإن كانت مستفادةً من نظره، ولكن نظره[٩] راجع إلى ذاته، فبهذا يصحّ التخلّق بهذا الاسم، إذ عِلم الله[١٠] لا يكون له مستفادًا من الغير، ومن طريق الخلق[١١] ما فُطر عليه من العلوم، فما استفادها من الغير.

---

[١] ي: إليه في.

[٢] خ: ما يفتح.

[٣] ج، ي: يكون.

[٤] ف، م: + الاسم.

[٥] ي: الخلق.

[٦] ي: هو.

[٧] ي: - جهة.

[٨] ج: السبب.

[٩] ي: - ولكن نظره.

[١٠] ي: أنه.

[١١] ي: - الخلق.

Marfat.com

اسم العلیم[۱]

تعلق:

تیرا اس تعیین کا محتاج ہونا جس سے تیرا اس اسم سے متخلق ہونا درست ہو سکے۔[۲]

---

۱ معلومات کی کثرت پر وہ العلیم ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰ ب)
شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد العلیم" کہلاتا ہے۔ علم والے اس حاضرت میں تین مراتب پر ہیں: ۱- وہ عالم کہ اس کی ذات ہی اس کا علم ہے، ۲- ایسا عالم جس کے پاس وہبی علم ہے، ۳- ایسا عالم جس کے پاس کسبی علم ہے۔ بیشک وجود اپنی ذات سے علم کو قبول کرتا ہے۔ اس کے لیے ذاتی علم وہ علم ہے جو وہ خاص اپنے وجود کی عین سے اخذ کرے، اور اس کے حصول میں اپنے وجود کے سوا کسی دوسری چیز کا محتاج نہ ہو۔ ... کسب کرنے والا وہ ہے جس کا اس علم کے حصول میں کسی قسم کا بھی کوئی عمل دخل ہو، یہ کسبی علوم ہیں۔ اور وہبی علم وہ ہے جو ذہن میں نہ آئے اور نہ ہی کہیں سے حاصل کیا جائے؛ جیسا کہ افراد کا علم، اور یہی علم خضر ہے، حق تعالیٰ نے انہیں علم لدنی عطا کیا، جو ان پر اللہ کی رحمت سے تھا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۵۳)

۲ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ اس جہان میں ایسا کوئی موجود نہیں جس کا اپنے موجد سے "خاص تعلق" نہ ہو؛ اگر وہ عالم خلق سے ہو۔ لیکن اگر وہ عالم امر سے ہو تو اس کے پاس اس "خاص رخ" کے سوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر موجود پر اِسی "خاص رخ" سے تجلی کرتا ہے؛ اور اسے وہ علم عطا کرتا ہے جسے صرف یہ موجود ہی سمجھتا ہے، چاہے یہ موجود اس "خاص رخ" کو جانے یا نہ جانے، کہ اللہ تعالیٰ اس خاص رخ سے اسے علم دیتا ہے۔ اہل اللہ کا فضل بھی تو یہی ہے کہ وہ یہ رخ جانتے ہیں۔

پھر اس بارے میں اہل اللہ میں بھی فضیلت ہے: ان میں سے کچھ یہ جانتے ہیں کہ اللہ کی اس خاص رخ سے اس موجود کے لیے تجلی ہے، لیکن کچھ یہ نہیں جانتے۔ جو لوگ یہ جانتے ہیں ان میں سے کچھ

بقیہ

Marfat.com

تحقق:

العلیم مبالغے کا صیغہ ہے؛ یہ حقائق الامور سے ویسا تعلق ہے جیسے وہ (امور) وجود، عدم، نفی اور اثبات میں در حقیقت ہیں، [1] یہ تعلق اس رخ سے کہ حقیقتاً (علم) ان حقائق کا احاطہ کر لے، یہ نہیں کہ انہیں متناہی بنادے کہ یہ جہل ہو گا۔

تخلق:

یہ علوم کا وہ حصہ ہے جو بندہ کسب سے حاصل کرتا ہے، جو خاص استنباط کا نتیجہ ہو اور کسی دوسرے نے اسے یہ (علوم) نہ سکھائے ہوں۔ اگرچہ یہ اس کی سوچ سے حاصل شدہ ہوں، لیکن اِس کی سوچ بھی تو اِسی کی ذات کا حصہ ہے، اسی صورت میں اس اسم سے تخلق درست ہے؛ کیونکہ اللہ کا علم اُس کے لیے کسی غیر سے حاصل شدہ نہیں، یا پھر اپنی تخلیق کے راستے سے جن علوم کے ساتھ وہ تخلیق ہوا، لہذا اِس (بندے) نے غیر سے یہ علوم نہیں سیکھے۔

وہ علم بھی جانتے ہیں جو اس تجلی سے حاصل ہوا، اور ان میں سے کچھ یہ علم نہیں جانتے۔ میرا مطلب ہے تعیین سے۔ اور علم سے میری مراد "متعلق العلم" ہے۔ (مخطوط: السفر۔ ۳۲، ص ۵۴ب)

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: پھر یہ جان کہ مسمی علم صرف عین سے ایک خاص تعلق ہی ہے جس کی بنا پر وہ عالم کہلاتی ہے۔ یہ اس ذات کی معلوم سے نسبت ہی ہے۔ لہذا علم معلوم کے بعد ہے؛ کیونکہ یہ اس کے تابع ہے، اور یہی اس کی تحقیق ہے۔ سو حقیقتاً حاضرت علم معلومات ہی ہیں، جو کہ عالم اور معلوم کے مابین ہیں۔ محقق کی نظر میں علم کا معلوم میں اصلاً کوئی اثر نہیں؛ کیونکہ علم معلوم کے بعد ہے۔ بیشک تو محال کو محال جانتا ہے اور تیرے اس کو جاننے سے اِس میں کوئی اثر نہیں اور نہ ہی تیرے علم کا اس میں کوئی اثر ہے۔ بلکہ محال نے تو خود تجھے یہ علم دیا کہ وہ محال ہے۔ یہاں تجھے معلوم ہوا کہ علم کا معلوم میں کوئی اثر نہیں۔ (مخطوط: السفر۔ ۳۲، ص ۵۵)

Marfat.com

(۲۱) الاسم: القابض

التعلّق: افتقارك إليه في حسن الأدب فيما تقبضه[١] منه[٢] من العطايا والمواهب حسًّا ومعنىً. وافتقارك[٣] أيضًا فيما تقبضه[٤] للغير ممّا أنت مستخلَف فيه على الحدّ المشروع.[٥]

التحقّق: قال الله تعالى: ﴿وَأَقْرِضُوا اللَّـهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾[٦] فيقبضه منك ليعود به عليك مضاعفًا، و﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾[٧] موضع تعلّم الأدب، «الإحسان أن تعبد الله كأنّك تراه». فهو المعطي والآخذ[٨]، «الصدقة تقع بيد الرحمن»، ومن هذا الباب: ﴿ثُمَّ قَبَضْنَاهُ إِلَيْنَا قَبْضًا يَسِيرًا﴾[٩] في الظلّ الممتدّ.

ووجه آخر في التحقّق؛ وهو[١٠] الذي يقبض، أي يطوي ما لا يُريد نشره عمومًا في الأرواح والأجساد.[١١]

التخلّق: حظّ العبد من هذا الاسم أن يكون قابضًا[١] ما يعطيه الله من[٢] يده، لا من يد غيره؛ إذ لا مِلك لغير الله ولا معطي إلّا الله تعالى. ثمّ إنّ العبد إذا تخلّق[٣] بهذا الاسم

[١] ج: يفيضه.
[٢] خ: عنه. ج، ف: – منه.
[٣] م، ط: + إليه.
[٤] ج: تفيضه.
[٥] ي: + فيه.
[٦] [المزمل: 20]
[٧] خ: – فيقبضه منك ليعود به عليك مضاعفًا، و ﴿قَرْضًا حَسَنًا﴾.
[٨] ف: الآخذ.
[٩] [الفرقان: 46]
[١٠] خ: هو.
[١١] خ: والأجسام. ي: والأشباح.

يقبض بكلامه[٤] قلوب مَن شاء مِن خلق الله - تعالى[٥]- إلى جناب الحقّ مِن بسطها في الأكوان والأغيار[٦] عمومًا أيضًا حسًّا ومعنىً.

---

[١] خ: + على.

[٢] خ: في.

[٣] ف، خ، ي، م: تحقق.

[٤] ج: كلامه.

[٥] خ: - تعالى.

[٦] خ: والأعيان.

اسم القابض[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اُس سے حاصل حسی اور معنوی عطایات اور مواہب کو حسن ادب سے لینا ہے۔ اور تیری دوسری محتاجی اُس دوسرے کے لیے شرعی حد کے مطابق لینا ہے جس کی ذمہ داری تجھ پر ڈالی گئی۔

تحقق:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور اللہ کو قرض حسنہ دو﴾ (الحدید: ۱۸) وہ تجھ سے لیتا ہے تاکہ کئی گنا بڑھا کر تجھے واپس کرے، یہاں "قرض حسنہ" ادب سکھانے کا مقام ہے،[2] "احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی ویسے عبادت کر جیسے تو اُسے دیکھ رہا ہے۔" دینے والا بھی وہی ہے اور لینے والا بھی وہی ہے، "صدقہ تو الرحمن کے ہاتھ میں جاتا ہے۔" اسی بارے میں ہے: ﴿پھر ہم اسے آہستہ سے اپنی

---

[1] تمام اشیا اس کے قبضے میں ہیں ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ﴾ (الزمر: ۶۷) ساری زمین اس کے قبضہ میں ہے، اور صدقہ الرحمن کے ہاتھ جاتا ہے اور وہی اِسے لیتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰ ب)

[2] شیخ فرماتے ہیں: اسی حاضرت سے اللہ نے تجھ سے جو قرض مانگا وہ تو اللہ کو دیتا ہے، اور جانتا ہے اس نے تجھ سے اس لیے یہ مانگا تاکہ وہ اسے بڑھا چڑھا کر تجھے لوٹائے، یہ اس صورت میں جو تو اسے مخلوق کی شکل میں دے۔ لہٰذا جو کوئی اللہ کی مخلوق کو قرض دیتا ہے تو وہ اللہ کو قرض دیتا ہے۔ اور قرض کی اس سے بڑھ کر خوبی کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ کا ہاتھ اسے لینے والوں میں ہو، کسی اور کا نہیں۔ یوں تجھے معلوم ہو گا کہ تو نے کس کے ہاتھ اسے تھمایا، اور وہ حفاظت کرنے والا اور کریم ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۵۷)

Marfat.com

طرف سمیٹ لیتے ہیں﴾ (الفرقان:۴۶) یعنی پھیلے سائے کو۔[1]

تحقق کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ وہی تو اس چیز کو سمیٹتا ہے جسے وہ ارواح اور اجسام میں عمومی طور پر نہیں پھیلانا چاہتا۔

تخلق:

اس اسم سے بندے کا حصہ یہ ہے کہ اللہ جو اِسے اپنے ہاتھ سے دے - نہ کہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے - یہ اُسے لے لے؛ کیونکہ اللہ کے سوا کسی کی ملکیت نہیں اور اللہ کے سوا کوئی دینے والا بھی نہیں۔[2] پھر جب بندہ اس اسم سے متخلق ہوتا ہے تو اپنے کلام سے خلقِ خدا

---

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں: اس حاضرت کا محدث اور قدیم دونوں میں اثر ہے، اور اس کا بندہ "عبد القابض" کہلاتا ہے، ممکن جو اپنے اعمال پیش کرتا ہے تو وہ حق تعالیٰ اخذ کرتا ہے، جیسا کہ آیا ہے: "بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے صدقات لیتا ہے اور پھر انہی کے لیے انہیں بڑھاتا ہے" ﴿اور تمام معاملہ اسی کی جانب لوٹتا ہے﴾ (ہود:۱۲۳) وہ اسے ایسے لیتا ہے کہ اس قبضِ الٰہی کے بعد غیر اللہ کا اس میں تصرف نہیں رہتا، ہاں اگر حق تعالیٰ اِسے باقی رکھے؛ یوں بندہ اپنے رب سے اخذ کرتا ہے۔ سب سے پہلی چیز جو مخلوق نے اپنے رب سے اخذ کی وہ اُس کا وجود ہی تھا۔ اور حق تعالیٰ نے ممکن سے اس کا علم لیا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص۵۶)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: ادب اس حاضرت اور حاضرت بسط کے ساتھ ہے۔ سو جب بندہ حق کی عطایات میں سے کچھ لے؛ تو چند امور میں اُس کے ہاتھ سے لے اور چند امور میں اس کے غیر کے ہاتھ سے لے؛ یہ چند امور خیر اور شر ہیں۔ خیر سب کی سب اس کے ہاتھ ہے؛ سو اسی سے لے، لیکن اُس ادب سے جو اس خیر کے لائق ہو۔ اور اول تو کوشش کر کہ تو شر کو نہ لے۔ لیکن اگر حق تعالیٰ تجھے اندھا اور بہرا کر دے اور شر اخذ کرنے پر تجھے استعمال کرے؛ تو ادب کا تقاضا یہی ہے کہ تو اسے اللہ کے ہاتھ سے نہ لے، بلکہ اسے اس مخلوق کے ہاتھ سے لے جس کا نام "شیطان" ہے، بیشک شر اسی کے ہاتھوں تجھ تک پہنچتا ہے، اگر شر کا یہ ڈاکیا مٹ جائے تو وجود میں شر کا حکم بھی نہ رہے۔ اور شرعی تکلیف نے ہی شیطان سے بھی شر کے عین کو ظاہر کروایا۔ سو جب تکلیف اٹھ گئی تو حکم بھی اٹھ گیا، اور صرف غرض اور مناسبت باقی بچی۔

جاری

Marfat.com

میں سے جن کے دلوں کو چاہتا ہے حسی اور معنوی طور پر موجودات اور اغیار کی غلامی سے نکال کر اللہ کے حضور لا کھڑا کرتا ہے۔

---

۱ شر کی نسبت حق تعالیٰ کی جانب ادب کی بنا پر نہیں کی جاتی کیونکہ اس نے خود کو اس سے منسوب نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "اور شر تجھ سے نہیں۔" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور جو شر تجھ تک پہنچتا ہے وہ تجھ سے ہے﴾ (النساء: ۷۹) ہر وہ چیز جو تجھے نہ بھائے وہ تیرے لیے شر ہی ہے۔ اگر اس پر لفظ شر کا اطلاق نہ ہوتا تو وہ اسے تجھ سے منسوب نہ کرتا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۵۶ ب)

Marfat.com

(٢٢) الاسم: الباسط

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يجري على يديك ما فيه أفراح العباد بما لا[٢] تنتهك فيه حرمة مشروعة.

التحقّق: البسط لا يكون إلّا في مقبوض، بخلاف القبض؛ فإنّه قد يكون عن بسط وعن لا[٣] بسط. فالباسط، الذي هو الحقّ، يعمّ نفعه بما تقتضيه[٤] ذوات[٥] المبسوط عليهم، ويخصّ بما تقتضيه سعادة بعض العباد. وقد يكون في البسط[٦] العامّ مكر خفيّ. فهذه أحوال مختلفة؛[٧] منها: ﴿وَلَوْ بَسَطَ اللَّـهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهِ﴾[٨] ومنها[٩]: ﴿اللَّـهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ﴾[١٠]، ومنها[١١]: ﴿إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا﴾[١٢]، وقوله - عليه السلام[١٣] -: «أغيثْ كغيث[١] الكفّار».

---

[١] م: - في.

[٢] ي: - لا.

[٣] خ: غير.

[٤] ي: يقضيه.

[٥] خ: ذات.

[٦] ج: البساط.

[٧] ف، ي، م: + الحال. خ، ط: + بحال.

[٨] [الشورى: 27].

[٩] ف، ي، م: والحال منها. خ، ط: وبحال منها.

[١٠] [العنكبوت: 62]. ج: - ومنها: ﴿اللَّـهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ﴾.

[١١] ف، ي، م: والحال منها. خ، ط: وبحال منها.

[١٢] [آل عمران: 178]

[١٣] م، ط: صلى الله عليه وسلم.

Marfat.com

التخلّق: «لا تمنعوا الحكمة أهلَها فتظلموهم». البسط العامّ الذي به يكون العبد باسطًا[2] لا يصحّ للحدود المشروعة، وإن كان له أن يمكر بالأعداء في الله ببسطٍ يكون فيه هلاكهم، ولكن فيه ما فيه، ولكن[3] يكون باسطًا عامًّا في مقام الحقيقة والتوحيد وصيغة[4] الإرشاد والدعاء إلى الله – تعالى –؛ فيدعو الخلق إليه من باب الرغبة لكلّ جنس بما يليق به[5]. وهذا متصوَّر، وقد أقمنا فيه، وتخلّقنا[6] به، ورأينا له بركة، فهذا هو الباسط تخلّقًا.

---

[1] ي: لغيث.

[2] خ: الذي يكون العبد به باسطا.

[3] خ: لكن.

[4] ف، ط: وصنعة. م: وضعة. ي: – صيغة.

[5] م: – به.

[6] ي: وتحققنا.

Marfat.com

اسم الباسط[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تیرے ہاتھوں وہ جاری کرے جو بندوں کی خوشی کا باعث بنے، اور تُو اس عمل میں کسی شرعی حرمت کو پامال نہ کرے۔[2]

---

[1] وہ الباسط ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کا رزق پھیلایا، تاکہ یہ بندے اس میں ظلم نہ کرنے لگ جائیں؛ اور یہ ایک معلوم مقدار پر رزق دینا ہی ہے۔ وہ رزق تنگ کرتا ہے کہ اس میں بھی آزمائش اور مصلحت ہے اور رزق کشادہ کرتا ہے کہ اس میں بھی آزمائش اور مصلحت ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۰ اب)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اللہ نے اپنے بعض بندوں کو یہ توفیق دی ہے کہ وہ دوسروں کی خوشی کا باعث بنتے ہیں۔ اس کے پہلے درجے پر وہ ہے جو اللہ کی رضا میں لوگوں کو ہنسائے، یا اس بات پر ہنسائے جس میں نہ اس کی رضا ہو نہ غضب، اور یہ مباح عمل ہی ہے۔ بیشک یہ خدائی صفت ہے جس کو نہیں سمجھا گیا، بلکہ کوئی جاہل ہی اس کا مذاق اڑا سکتا ہے، جس کے ہاں اس ہنسانے والے کا کوئی مرتبہ نہیں؛ عرف عام میں اسے مسخرہ کہتے ہیں۔ اس جاہل کو اللہ کے اس قول سے اس کی اصل قدر کا کیا اندازہ: ﴿بیشک وہی ہنساتا اور رلاتا ہے﴾ (النجم: ۴۳) اور نبی کریم ﷺ کو نعیمان بن عمرو ہنسایا کرتے تھے۔... اسی حاضرت سے رسول اللہ ﷺ بچوں اور بوڑھوں سے مذاق کرتے، اور آپؐ کا مقصد ان کی دلجوئی کرنا اور ہنسانا ہوتا۔

کیا تو نے بادشاہوں کو نہیں دیکھا کہ وہ کیسے اپنی اولاد کو ہنسانے کے لیے ان کے سامنے عجیب وغریب حرکتیں کرتے ہیں۔ میں نے اس بارے میں محفل عام میں اپنے امرا کے سامنے اپنے کم سن بچوں کی دلجوئی کرنے والا عادل بادشاہ ابو بکر بن ایوب سے بڑھ کر کوئی نہ دیکھا۔ اس وقت میں ایک جماعت کے ہمراہ آپ کے پاس میافارقین (سیلوان) میں موجود تھا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۵۹)

Marfat.com

تحقق:

بسط یا پھیلاؤ صرف (مقبوض یعنی) سمیٹے ہوئے میں ہی ہوتا ہے، برخلاف قبض؛ جو کہ بسط سے بھی ہوتا ہے اور اس کے بغیر بھی۔[1] سو الباسط -جو کہ حق تعالیٰ ہی ہے- کا نفع مبسوط علیہم ذوات (یعنی جن ذوات پر یہ بسط واقع ہوا) کے تقاضوں کے مطابق ان پر پھیلا ہے، اور یہ بعض بندوں کی سعادت کے تقاضوں سے مخصوص ہے۔ بعض اوقات بسط عام میں مکر خفی بھی ہوتا ہے۔[2] یہ مختلف احوال ہیں؛ ان میں سے ایک حال یہ ہے: ﴿اگر اللہ اپنے بندوں کے رزق میں فراخی کر دے﴾ (الشوریٰ: ۲۷) اور ایک حال یہ ہے: ﴿اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کر دیتا ہے﴾ (العنکبوت: ۶۲) تیسرا حال یہ ہے: ﴿ہم جو انہیں لمبے عرصے تک عیش کرواتے ہیں یہ اس لیے تا کہ یہ گناہوں میں بڑھتے جائیں﴾ (آل عمران: ۱۷۸) اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "کیا کافروں کی سی بارش چاہتے ہو۔"

---

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: جان لے کہ قبض اور بسط کے درمیان فرق یہ ہے کہ قبض صرف بسط کے بعد ہی ہوتا ہے جبکہ بسط قبض سے بھی ہو سکتا ہے اور ابتدا سے بھی ہو سکتا ہے۔ ابتدا سے رحمت الٰہی کا غضب الٰہی سے پہلے ہونا ہے، رحمت بسط ہے اور غضب قبض ہے۔ اور وہ بسط جو قبض کے بعد ہو یہ وہ رحمت ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر عذاب واقع ہونے کے بعد ان پر رحم کرے؛ یہ ہے قبض کے بعد والا بسط۔ اور اس دوسرے بسط کے بعد دوبارہ سے تکلیف دینے والا قبض نہیں ہو سکتا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۶۰)

[2] شیخ فرماتے ہیں: بسط عام نفع والا ہے، اور بعض اوقات دنیا میں اس میں مکر خفی بھی ہوتا ہے: جو کہ مخالفت خداوندی پر بھی نعمتوں کی بارش ہونا ہی ہے، وہ انہیں ڈھیل دیتا ہے تا کہ یہ گناہ میں بڑھتے جائیں، یہ اس کا فرمانا ہے: ﴿اور کافر لوگ یہ خیال نہ کریں کہ ہم جو انہیں مہلت دیئے جاتے ہیں تو یہ اِن کے حق میں اچھا ہے۔ (نہیں بلکہ) ہم اِن کو اس لیے مہلت دیتے ہیں کہ اور گناہ کر لیں۔ آخر کار ان کو ذلیل کرنے والا عذاب ہو گا﴾ (آل عمران: ۱۷۸) یہ ڈھیل عمر اور دنیا میں مہلت دینا ہے سو وہ ان دونوں میں ایسے تصرف کرتے ہیں جس میں ان کی بد بختی چھپی ہوتی ہے۔ (مخطوط: السفر - ۳۲، ص ۶۰)

Marfat.com

تخلق:

حکمت کو اس کے اہل سے مت روکو کہ یہ ان پر ظلم ہو گا۔ وہ عام بسط جس کی بدولت کوئی بندہ باسط کہلاتا ہے وہ شرعی حدود میں درست نہیں، حالانکہ وہ اللہ کے دشمنوں کی ایسی دلجوئی کر سکتا ہے جس میں ان کی ہلاکت ہو، اس میں تو جو ہے سو ہے، لیکن اسے مقام حقیقت، توحید، دعوہ الی اللہ اور رہنمائی کی ہیئت میں خود کو ایسا فراخ کرنا چاہیے کہ مخلوق میں سے ہر جنس کو اس کے لائق رغبت سے اس جانب بلائے۔[1] یہ قابل تصور ہے، ہم اسی مقام پر ٹھہرے اور اس سے متخلق ہوئے ہیں، اور ہم نے اس کی برکت کا مشاہدہ بھی کیا ہے، یہ ہے اسم الباسط سے متخلق ہونا۔

[1] شیخ فرماتے ہیں: جو بھی اللہ کی جانب بصیرت سے بلاتا ہے وہ اسی حاضرت سے بلاتا ہے۔ جس کسی کے بارے میں یہ جانتا ہے کہ بسط اجابت میں مددگار ہو گا تو اُسے بسط سے بلاتا ہے اور جس کے بارے میں جانتا ہے کہ قبض اجابت میں مددگار ہو گا تو اُسے قبض سے بلاتا ہے۔ ایسا داعی اگرچہ مباسطہ حق کے مقام میں ہوتا ہے لیکن وہ قبض اور بسط دونوں سے بلاتا ہے، وہ مصلحت کو دیکھتا ہے اور بہتر طریقے کو استعمال میں لاتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۶۰ ب)

Marfat.com

(٢٣، ٢٤) الاسم: الخافض الرافع

التعلّق: افتقارك إليه في التوفيق في إقامة الوزن لك وعليك؛ في[١] العالم، وبينك وبين الحقّ.

التحقّق: الخافض الرافع يخفض للسعداء موازينهم بثقلها[٢] إلى أسفل[٣] ليرفعهم[٤] في درجاتهم إلى علّيّين، الرافع [يرفع] موازين الأشقياء بالخفّة إلى أعلى ليخفضهم في سجّين إلى أسفل سافلين[٥]. فهو الخافض الرافع أولياءه، والخافض الرافع أعداءه[٦]. فكلّ مخفوض في العالم دنيًا وآخرةً، حسًّا ومعنىً؛ فبخفضه، وكلّ مرفوع في العالم دنيا وآخرة، حسًّا ومعنًى؛[٧] فبرفعه.

التخلّق: إذا خَفَضَ العبدُ مَن خفضه الله، وإن كان مرفوعًا عظيم السلطان عليّ الشأن، ماضي الكلمة[٨]؛ فهو الخافض تخلّقًا. وإذا رفع العبدُ مَن رفعه[٩] الله، وإن كان مخفوضًا حقيرًا مهانًا في عشيرته غير منظور إليه؛ فهو الرافع تخلّقًا. فإنّه يحتاج إلى كشف

---

[١] ف، خ، ي، م: وفي.

[٢] ج: بتعلقها. ف: يثقلها.

[٣] خ: + سافلين.

[٤] ج، ي: لرفعهم.

[٥] ي: السافلين.

[٦] ي: أعداء.

[٧] خ: + كذلك أيضا. – دنيًا وآخرةً، حسًّا ومعنىً.

[٨] ي: الحكمة.

[٩] ي: رفع.

يعلم به الرفيعَ عند الله - تعالى - والوضيعَ، يُنتج[١] له التخلّقُ ذلك الكشف. فليس كلّ مَن أثّر الرفعةَ في العالم[٢] أو ضدَّها يكون متخلّقًا.

---

[١] ج: يفتح.

[٢] م: العلم.

اسم الخافض الرافع[1]

[1] وہ الخافض ہے کہ جس سے چاہتا ہے حکومت چھین لیتا ہے، جسے چاہتا ہے ذلیل کرتا ہے، اور جسے چاہتا ہے محتاج بنا دیتا ہے، اسی کے ہاتھ بھلائی ہے؛ اور یہ میزان ہے؛ چنانچہ وہ حق داروں کو پورا حق دیتا ہے۔ وہ اسی حیثیت میں الرافع بھی ہے؛ اس کے ہاتھ میزان ہے، وہی پلڑے کو جھکاتا اور اٹھاتا ہے۔ جب اٹھاتا ہے تو جسے چاہتا ہے حکومت دیتا ہے، عزت دیتا ہے اور بے نیاز کرتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۱)

شیخ فرماتے ہیں: جان لے کہ وجود اپنی ذات میں دو طرح سے تقسیم ہے: ۱- جس کا اول ہے، یہ حادث ہے، ۲- جس کا اول نہیں، یہ قدیم ہے۔ قدیم کو فوقیت حاصل ہے اور جسے فوقیت حاصل ہے اسے رفعت حاصل ہے، جبکہ حدوث کو تاخر لاحق ہے، اور جو بعد میں ہے وہ قدیم کو حاصل رفعت سے نیچے ہے۔ بیشک آگے والا تمام حاضرات میں تصرف کرتا ہے؛ کیونکہ اس کا مقابل مخالف اور حریف نہیں ہوتا، وہ مراتب کو دیکھتا ہے تو ان میں سے بلند کو اخذ کرتا ہے۔ جبکہ حادث کا مراتب میں ایسا تصرف نہیں؛ کیونکہ اسے پتا ہے کہ وجود میں قدیم اِس سے آگے ہے، اس قدیم نے تصرف کر کے مقام رفعت کو پالیا۔ اب جو اس سے نیچے ہے وہ نگوں ہے؛ اس کا تصرف بھی صرف حاضرتِ خفض میں ہے۔ پس جب حق نے چاہا کہ اس (حاضرت) میں محدث جیسا تصرف کرے، تو اس نے اس (محدث) کی طرف نزول کیا اور اس نزول میں اُس پر اِس حاضرت کے احکام لگے۔ پھر جب اس نزول کے بعد وہ بلند ہوا تو یہ خاص بلندی متکبر کہلائی۔ اس کا کہنا: ﴿العزیز الجبار﴾ پہلی رفعت ہے جبکہ ﴿المتکبر﴾ (الحشر: ۲۳) نزول کے بعد والی رفعت ہے۔ سو حاضرت خفض کی جہت محدث میں ہے، چاہے یہ محدث کچھ بھی ہو۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۶۲)

اسی طرح رفعت کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: ﴿بلند درجات والا عرش کا مالک﴾ (غافر: ۱۵) لہٰذا حق تعالیٰ کو اپنی ذات سے رفعت حاصل ہے، جبکہ بندے کے لیے یہ (رفعت) عارضی ہے، یہ حاضرت حکم میں حاضرت خفض کے الٹ ہے؛ کیونکہ اصلاً بندے کو پستی اور حق تعالیٰ کو رفعت حاصل ہے۔

Marfat.com

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اس توفیق کے حصول میں ہے جو تیرے لیے یا تجھ پر وزن قائم کرے؛ چاہے یہ کائنات اور تیرے مابین ہو، یا تیرے اور حق تعالیٰ کے درمیان ہو۔

تحقق:

الخافض سعادت مندوں کے لیے ان کے میزانوں کو اپنے وزن سے اس طرح نیچے کی طرف جھکاتا ہے تاکہ انہیں علیین میں ان کے درجات میں بلند کرے، الرافع بدبختوں کے پلڑے کو اس طرح ہلکا کر کے اٹھاتا ہے تاکہ وہ سجین میں اسفل سافلین تک گرتے چلے جائیں۔ چنانچہ وہ اپنے دوستوں کو اٹھانے اور گرانے والا بھی ہے اور اپنے دشمنوں کو اٹھانے اور گرانے والا بھی ہے۔ اِس کائنات میں دنیا اور آخرت میں حسی اور معنوی طور پر جو کوئی گرا تو اِس کے گرانے سے گرا، اور جو کوئی اٹھا تو وہ بھی اِس کے اٹھانے سے اٹھا۔

تخلق:

جب بندہ اسے نیچا کرتا ہے جسے اللہ نے نیچا کیا، چاہے وہ کتنا ہی بلند، عظیم قوت، عالی شان اور حتمی بات والا ہی کیوں نہ ہو؛ تو ایسا شخص اسم الخافض سے متخلق ہے۔ اور جب بندہ اُسے بلند کرتا ہے جسے اللہ نے بلند کیا، چاہیے وہ اپنے خاندان والوں میں کم حیثیت، حقیر، نیچ اور ایسا ہی کیوں نہ ہو جس کی جانب نظر تک نہیں کی جاتی؛ تو ایسا شخص اسم الرافع سے متخلق ہے۔ ایسا شخص اُس کشف کا محتاج ہے جس سے وہ اللہ کے ہاں بلند اور نیچ کی پہچان کر سکے، یہ تخلق اُسے اِس کشف تک پہنچاتا ہے۔ لہذا ہر وہ شخص جو کائنات میں بلندی یا پستی کی وجہ بنے وہ اِس سے متخلق نہیں ہوتا۔

Marfat.com

(٢٥، ٢٦) الاسم: المعزّ المذلّ

التعلّق: افتقارك إليه في إقامة جاه[١] مَن استند إليك، وإذلال مَن تكبّر على الله لا عليك.

التحقّق: المعزُّ مفيدُ العزَّ مَن[٢] استند إليه، وإن كان ذليلًا. والمذلُّ مُلبِسُ الذلَّ مَن تعاظم عليه، وإن كان عزيزًا.

التخلّق: إذا حمى العبد نفسه بهمّته، لا بسبب ظاهر، كان عزيزًا. وإذا[٣] عُظِّم غيره من أجله، بصرف خاطره إليه وهمّته حتّى يُلبسه عزًّا، يعظّمه من أجله ذلك المحترِم له؛ كان معِزًّا. والمذلّ على هذا المجرى. فإن أثّر فيه فليس بمعزّ، ويستأنف أحكام هذه الصفة. ولا بدّ في[٤] جميع هذه التخلّقات من الميزان المشروع، ومهما اختلّ فليس هو مقصود أهل طريق الله في التخلّق[٥] بالأسماء[٦].

---

[١] م: – جاه.

[٢] ط: لمن.

[٣] خ: وإن.

[٤] ي: من.

[٥] ي: الخلق.

[٦] م: بالاسم.

Marfat.com

اسم المعز المذل[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اُس کی قدر و منزلت قائم کرنا ہے جو تجھ پر بھروسا کرے، اور اس کو ذلیل وخوار کرنا ہے جو اللہ کے سامنے تکبر کرے، نہ کہ تیرے سامنے۔

تحقق:

المعز اُسے عزت بخشتا ہے جو اِس پر بھروسا کرتا ہے، چاہے وہ ذلیل ہی کیوں نہ ہو۔ اور المذل اسے ذلیل کر دیتا ہے جو اِس پر تکبر کرے، چاہے وہ صاحب عزت ہی کیوں نہ ہو۔

تخلق:

جب بندہ اپنی توجہ سے -نہ کہ کسی ظاہری سبب سے- اپنے نفس کی حفاظت کرتا ہے تو وہ صاحب عزت ہوتا ہے۔[2] اور جب کسی دوسرے کی قدر و منزلت اس کی وجہ سے کی جائے، کہ یہ

---

[1] اس نے اپنی فرمانبرداری سے عزت بخشی اور نافرمانی سے ذلیل کیا۔ دنیا میں اس نے کسی کو مال سے عزت بخشی تو کسی کو یقین سے، اور کسی کو ریاست، سرداری اور حاکمیت دے کر؛ کہ وہ اپنی قوت سے اپنی بات کا نفاذ کرے۔ اسی طرح اس نے متکبرین اور جبارین کو ذلیل بھی کیا، اور بعض اوقات دنیا میں مومنین کو بھی ذلیل کروایا؛ تاکہ انہیں آخرت میں عزت دے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۲۱)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت والا "عبد المعز" کہلاتا ہے، یہ حاضرت بندے کو "مُنیع الحمیٰ" بناتی ہے (یعنی اُس مقام پر پہنچاتی ہے کہ کوئی اس تک نہیں پہنچ سکتا)۔ اور اسے اس شخص پر غلبہ اور قہر بخشتی ہے جو جھوٹے دعوے سے اس کا مقابلہ کرتا ہے جس کی حق میں کوئی صورت نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص۶۸)

جاری

Marfat.com

اپنی توجہ اور خیالات کا رخ اُس کی طرف پھیر کر اُسے بھی عزت والا کر دے، کہ اُس کا احترام کرنے والا اسی عزت کی وجہ سے اس کا احترام کرے جو اسے اوڑھائی گئی؛ تو وہ عزت بخشنے والا (یعنی المعز) ہے۔ المذل بھی اِسی طرح سے ہے۔[۱] لیکن اگر وہ اس پر اثر انداز ہوا تو عزت بخشنے

فصوص الحکم میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: جب حق تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو اسم العزیز عطا کرتا ہے تو وہ خود "المعز" کہلاتا ہے اور جسے یہ اسم عطا ہوا وہ العزیز کہلاتا ہے۔

[۱] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت والا "عبد المذل" کہلاتا ہے، اور یہ حقیر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی حاضرت سے مخلوق کو تخلیق کیا، ہاں مگر اپنی جملہ مخلوقات میں جب انسان کو تخلیق کیا تو اسے امام بنایا، اِسے اسماء عطا کیے، اور فرشتوں سے سجدہ کروایا، اِس کے بارے میں فرشتوں کو وہ کچھ بتایا جو وہ نہیں جانتے تھے۔ یہ ہمیشہ اپنے خالق کے شہود میں رہا، پھر بھی عزت اِس سے نہ جڑی، بلکہ یہ ذلت اور محتاجی والی اپنی اصلیت پر ہی قائم رہا۔ اور پھر جب اس نے بار امانت اٹھایا، چاہے عارضی ہی سہی، اور اس کے بعد جو کچھ ہوا، اور پھر ان دونوں میاں بیوی نے کہا...: ﴿اے رب ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا﴾ کہ انہوں نے یہ بار امانت اٹھایا۔

پھر اس کے بیٹوں نے اللہ کے ہاں اپنے باپ کی قدر و منزلت سے معیار عزت بنایا، جب ان کے باپ کو اللہ نے منتخب کیا اور اس سے جس کو چاہا ہدایت دی، اور اس کو اسی صفت کی طرف لوٹایا جو شروعات میں اس کے ساتھ تھی؛ یعنی وہ قرب اور مہربانی جس نے اِس کو اللہ کی مخلوق میں خلیفہ بنایا، اور اِس سے اور اِس میں اس جہان کا وجود مکمل ہوا، اسے دو صورتیں اور دو درجے ملے: ایک عزت کا وہ درجہ جو اس کو سجدہ کروانے سے ملا، اور دوسرا ذلت کا وہ درجہ جو اسے اپنے نفس کے علم سے ملا۔ اب اس کے بیٹوں میں سے جو یہ بات نہ جان سکے کہ ان کے باپ کو کیا دو درجے ملے، اور وہ کن دو صفات سے ظاہر ہوا تو وہ جاہل ہی رہے۔

پھر اسم المذل نے انہیں حاضرت اذلال سے ریاضت کروائی، اور اس ادلال (یعنی شوخی) سے باہر نکالا، اور یہ بھی آدم کے اُن بیٹوں کے لیے جن کا خیال اللہ نے رکھا، اور انہیں اِن کی عبودیت کا مشاہدہ کروایا؛ سو وہ اس عبودیت سے اس کے قریب ہوئے، اور اللہ کے قریب صرف اسی (عبودیت) سے ہوا جاسکتا ہے؛ کیونکہ یہ ان کی اصلیت ہے، اللہ کا اس میں کوئی حصہ نہیں، جیسا کہ ابو یزید بسطامی اور دیگر ساتھیوں کو رب تعالیٰ نے کہا: "میرے پاس اس چیز سے آ جو میری نہیں: یعنی

ذلت اور محتاجی۔ اور اس ادھاری عزت کو اتار دینے کا کہا، آپ نے رب تعالیٰ سے پوچھا: اے رب! میں تیرا قرب کیسے پاسکتا ہوں؟ رب تعالیٰ نے کہا: اے ابو یزید! اپنے نفس کو چھوڑ دے اور چلا آ۔

(شیخ فرماتے ہیں) یہاں نفس سے مراد وہ عزت ہی ہے جو اسے اپنے باپ کے رتبے سے ملی: کہ اس کی تخلیق رحمن کی صورت پر ہوئی۔ کاش یہ بات کرنے والا یہ بھی جانتا کہ کائنات کی ہر چیز میں صورت الہی کا کچھ حصہ ہے، اور یہ ساری کائنات ہی صورت الہی پر ہے، انسان کامل کا امتیاز تو صرف مجموعی طور پر اس صورت پر ہونے سے ہے کیونکہ یہ کائنات کا کوئی جزو نہیں۔...

جب یہ انسان کائنات سے ممتاز ہوا تو یہ عزت اس کے بیٹوں -میرا مطلب ہے چند بیٹوں- میں سرایت کر گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس شریعت سے ان کو سیدھا کیا، ان سے کہا: اگر تم اس بات سے عزت محسوس کرتے ہو کہ فرشتوں نے تمہارے باپ کو سجدہ کیا، تو میں نے تمہیں کعبہ کو سجدہ کرنے کا کہا، سو اگر تمہارے ہاں معیار عزت سجدہ ہے تو کعبہ تم سے زیادہ عزت والا ہوا۔ تمہارا یہ دعوی ہے کہ تم فرشتوں سے بہتر ہو کہ انہوں نے تمہیں سجدہ کیا، یعنی تمہارے باپ کو، اور بہتر ہونے کے باوجود تم جمادات میں سے ایک چیز کعبہ کو سجدہ کرتے ہو، اور تم میں سے جو کوئی اس کو سجدہ کرنے سے انکار کرے تو وہ ابلیس سے جاملتا ہے جس نے تمہارے باپ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ لہذا کعبہ کو سجدہ کرتے وقت تمہیں اس سجدے سے کوئی عزت نہیں ملتی۔... اور اگر تم علم سے عزت دار ہونا سمجھتے ہو؛ کہ تمہارے باپ نے تمام فرشتوں کو اسما سکھائے؛ تو بیشک جبرائیل علیہ السلام فرشتوں میں سے ہیں اور وہ تمہارے بڑے بڑوں -یعنی رسولوں اللہ کی ان پر رحمت اور سلامتی ہو- کے استاد ہیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جب شب معراج لے جایا جا رہا تھا اور اوپر سے موتیوں اور یاقوت سے مزین رفرف نیچے آیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام اس وقت سجدے میں گر پڑے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ نہ کیا۔ (جب بعد میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپؐ کو یہ بتایا کہ یہ تجلی حق تھی) تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس وقت مجھے پتا چلا کہ جبرائیل علم میں مجھ سے برتر ہیں۔ پھر تم لوگ فرشتوں کے بتانے سے ہی تو اللہ کی رضا کے کام کرتے ہو وہی تو قربت اور سعادت کے کاموں میں تمہاری رہنمائی کرتے ہیں؛ سو تم کس لیے خود کو فرشتوں سے بہتر سمجھتے ہو؟ اپنے باپ جیسے بن جاؤ خوش بخت ہو گے۔ یہاں صرف سجود اور علم کی فضیلت ہی ہے جو تمہارے ہاتھ سے نکل گئی۔ نبیوں میں سے جنہیں عزت حاصل ہے وہ رسول اور مومنین ہی ہیں۔ سو جو کوئی اللہ کی ریاضت سے راضی رہا تو وہ کامیاب ہوا اور خوش بخت بنا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۰۷ب)

Marfat.com

والا نہیں[1] اور (ایسی صورت میں) اس صفت کے احکام دوبارہ سے شروع ہوں گے۔ تخلق کی ان تمام اقسام میں شرعی میزان کا پاس لازم ہے، اور جب جب اس میں خلل واقع ہوا تو وہ اسما سے تخلق میں اہل طریق اللہ کا مقصود نہیں۔

Marfat.com

[1] سلطان عبد العزیز المنصوب لکھتے ہیں: عزت بخشنے والا (یعنی المعز) وہی ہے جو کسی دوسرے کو اپنی توجہ سے عزت بخشے کسی سبب سے نہیں، لیکن اگر وہ اس دوسرے پر اس طرح سے اثر انداز ہوا کہ اسے علم دیا اور اس دوسرے نے اس علم سے مثلاً عزت کمائی تو وہ پہلا المعز نہیں کہلائے گا کیونکہ اس دوسرے نے عزت کسی سبب سے کمائی، اس کے اوڑھانے سے نہیں۔

(٢٧، ٢٨) الاسم: السميع البصير

التعلّق: افتقارك إليه في نفوذ[١] هاتين القوّتين إطلاقًا[٢] من غير تقييد.

التحقّق: السميع المطلق [هو] المدرِك كلَّ مسموع حيث كان، والبصير [المطلق هو] المدرِك كلَّ مُبصَر حيث كان، لا على حدّ معلوم مِن قُرب وبُعد ووجود وعدم.

التخلّق: أن يُقام العبد في اكتساب نفوذ[٣] هاتين القوّتين على الإطلاق[٤]، من غير تقييد ولا تحديد، لأن[٥] يسمع ما أُمِر[٦] أن يسمع فيه ومنه، وأن يبصر كما[٧] أمِر أن يُبصر[٨] فيه وإليه[٩]، ندبًا ووجوبًا. فإذا تحقّق بهذه النعوت[١٠] أحبّه الله تعالى، وإذا أحبّه الله كان سمعَه وبصرَه، كما ورد في الصحيح. فمن أبصر بحقّ وسمع بحقّ لم يَخْفَ عليه مسموع ولا مبصَر.

---

[١] ي: تفرّد.

[٢] ج: إطلاق.

[٣] ي: تفرد.

[٤] ج: إطلاق.

[٥] ط: بأن. (في جميع المخطوطات: لأن)

[٦] م: أمن.

[٧] ط: لما.

[٨] م: - كما أمِر أن يبصر.

[٩] ي: كان.

[١٠] خ: بهذا النعت.

Marfat.com

اسم السمیع[1] البصیر[2]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی ان دو طاقتوں (یعنی سماعت اور بصارت) میں مطلق ۔یعنی بغیر کسی قید کے ۔نفوذ کا حصول ہے۔

تحقق:

مطلق سماعت والا جگہ کی قید کے بغیر ہر سنی جانے والی بات کو سن سکتا ہے، اِسی طرح مطلق بصارت والا کہیں سے بھی ہر دیکھی جانے والی چیز کو دیکھ سکتا ہے، اور ایسا کسی معلوم حد یعنی قربت، دوری، وجود یا عدم کا محتاج نہیں۔

---

[1] جب مشکلات میں اُس کے بندے اُسے پکاریں تو وہ ان کی دعائیں سنتا ہے؛ اور اسم السمیع سے انہیں جواب دیتا ہے۔ حد سماعت کے بارے میں حق تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ (الانفال:۲۱) اور ان لوگوں جیسے مت ہو جاؤ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم سنتے ہیں لیکن درحقیقت وہ سنتے نہیں۔ یہ تو معلوم ہے کہ انہوں نے حق کی طرف بلایا جانا اپنے کانوں سے سنا، لیکن جس جانب بلایا گیا اپنے عمل سے اس کا جواب نہ دیا، جبکہ حق تعالیٰ سمیع ہونے کی حیثیت سے نہ صرف اپنے بندوں کی بات سنتا ہے بلکہ اس کا جواب بھی دیتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۱)

[2] وہ اپنے بندوں کے معاملات پر نظر رکھتا ہے، جیسا کہ اس نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون سے کہا: ﴿إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَىٰ﴾ (طٰہٰ:۴۶) میں تمہارے ساتھ ہوں، سنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی۔ سو اس کی نظر بے خوفی بخشتی ہے؛ بصیر ہونے کا یہی مطلب ہے، یہ نہیں کہ وہ فقط دیکھتا اور سنتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۱)

Marfat.com

تخلق:

جب بندے کو بغیر کسی قید اور تحدید کے اِن دو طاقتوں کے مطلق نفوذ اکتساب کے لیے کھڑا کیا جائے، کہ یہ وہ کچھ سنے جو کچھ اِسے اُس میں اور اُس سے سننے کا حکم ہے[۱]، اور وہ کچھ دیکھے جو اِسے اس میں یا اُس کی جانب دیکھنے کا حکم ہے،[۲] چاہے یہ واجب ہو یا مستحب۔ جب بندہ ان

---

[۱] سامع مختلف درجات پر ہیں:

۱. ایک وہ عام سماعت والا جو صرف آواز اور پکار سنتا ہے لیکن اس کا مطلب نہیں سمجھتا: یہی بہرا ہے؛ کیونکہ ہر صورت کی ایک روح ہوتی ہے اور سماعت کی روح وہ سمجھ ہے جو اس سننے سے حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں، سو لوٹنے والے نہیں﴾ (البقرۃ:۱۸) اللہ نے ان کو اندھا بہرا اور گونگا کہا حالانکہ وہ دیکھتے بھی تھے، سنتے بھی تھے اور بولتے بھی تھے، لیکن سمجھتے نہیں تھے۔

۲. دوسرے وہ سامع جو اپنی استعداد کے باعث اس سنی ہوئی بات کو سمجھتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی سماعت اور بصارت حق تعالیٰ ہو۔ کامل سننے والے کی نشانی ہی یہی ہے کہ اس کا سننا ہی اس کا سمجھنا ہوتا ہے۔ سننے والا یا تو صاحب کشف عارف ہو گا یا نہیں ہو گا۔

۰۱. جو صاحب کشف نہیں وہ اللہ کا کلام اللہ کی کتاب، اُس کے رسول کی زبانی یا خواب میں سنتا ہے۔ پھر جو سنتا ہے اس کے مطابق اس پر عمل کرتا ہے۔

۰۲. جبکہ عارف جب حق تعالیٰ کا خطاب سنتا ہے تو اپنے نفس کو ہی مخاطب سمجھتا ہے، لہذا اِس فہم کے مطابق اِس پر عمل کرتا ہے۔ (ماخوذ از فتوحات مکیہ، باب:۵۵۸ حضرۃ السمع)

[۲] شیخ اکبر فرماتے ہیں: ایسا شخص "عبد البصیر" کہلاتا ہے، روئیت اور مشاہدہ اسی حاضرت سے ہے۔

۱. عبد البصیر یا تو اللہ کی عبادت ایسے کرتا ہے جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہے، یہ مشبہہ کی عبادت ہے۔

۲. یا پھر وہ اللہ کی عبادت ایسے کرتا ہے کہ اللہ اسے دیکھ رہا ہے، یہ منزہ کی عبادت ہے۔

۳. یا پھر وہ اللہ سے اللہ کی عبادت کرتا ہے، یہ علما باللہ کی عبادت ہے۔ وہ تنزیہ کے قائل ہیں اور تشبیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں لیکن اس پر ایمان نہیں رکھتے؛ کیونکہ ان کے پاس اس کی خبر نہیں؛ ←

اضافی صفات سے متحقق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے، اور جب اللہ اِس سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کی سماعت اور بصارت ہوتا ہے، جیسا کہ ایک صحیح حدیث میں آیا ہے۔ پس جو کوئی حق سے دیکھتا اور حق سے سنتا ہے تو اُس سے کوئی چیز یا کوئی بات پوشیدہ نہیں رہتی۔[1]

یہ تو صرف دیدار ہے جبکہ ایمان خبر کا باب ہے۔ (ماخوذ از فتوحات مکیہ، باب:۵۵۸ حضرۃ البصر)

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں: جب ان کی بصارت حق کی بصارت ہوتی ہے تو وہ حق کی نگاہ سے اشیا کو دیکھتے ہیں، اس وقت انہیں وہ کچھ معلوم ہوتا ہے جو وہ نہ جانتے تھے، کیونکہ نگاہ حق سے تو کچھ پوشیدہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّـهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ﴾ (آل عمران: ۵) اللہ سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "میرا بندہ میری کسی محبوب چیز سے میرا اتنا قرب حاصل نہیں کر سکتا جتنا وہ میرے فرض کیے ہوئے فرائض سے کر سکتا ہے۔ اور میرا بندہ ہمیشہ نوافل سے میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پس جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سماعت ہوتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی بصارت ہوتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔" (الحدیث)
پس نوافل کے لزوم نے اِسے صفات حق عطا کیں اور فرائض کی ادائیگی نے اِسے سارے کا سارا نور کر دیا، سو وہ اپنی ذات سے دیکھتا ہے نہ کہ اپنی صفت سے اور اس کی ذات ہی اس کی سماعت اور بصارت کا عین ہوتی ہے۔ (ماخوذ از فتوحات مکیہ، جواب سوال حکیم ترمذی، سوال نمبر ۳۵)

Marfat.com

(٢٩) الاسم: الحَكَم

التعلّق: افتقارك إليه ليوقِفك[١] على سرّ القدر وتحكّمه[٢] في الخلائق.

التحقّق: الحَكَم ذو الحُكم والقضاء والقدر على الإطلاق. فالقضاء سبق الحكم[٣] أزلًا[٤]، والقدر تعيين الوقت، والحُكم إظهار القضاء في المقضيّ وفي المقضيّ به حالة وجوده[٥] في زمان تقديره عن سابقة قضائه.

التخلّق: إذا وفِّقتَ للأسباب الموصّلة إلى تحصيل هذا الاسم بتمشية الحكم الصحيح المشروع في ذاتك؛ بينك[٦] وبين نفسك، وفي غيرك. وحكمت[٧] للحقّ على نفسك، وحكمت للعالم على نفسك أيضًا، ولم تحكم لنفسك على أحد؛ حينئذٍ يكون جنى[٨] ثمرتك تحصيل هذا الاسم في ذاتك؛ فيصير الاسم وصفه، وهو الذي استوهبه في التعلّق؛ فتحكم في الأشياء بحكم الله بمشاهدة قضاء الله في أوان تقدير الله، كلّ ذلك عن معاينة وتحقيق[٩]. فإن نُصبت[١٠] حَكمًا يومًا مّا من[١١] قوله - تعالى -: ﴿فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ

[١] ي، م، ط: ليوفقك.

[٢] ج: بحكمه.

[٣] ي: بالحكم.

[٤] ج: - والقدر على الإطلاق. فالقضاء سبق الحُكم أزلًا.

[٥] خ: في المقضي به وجوده

[٦] ج: وبينك.

[٧] م: حكمته.

[٨] م: - يكون جنى.

[٩] ف: وتحقق.

[١٠] خ: + يوما.

[١١] ف: - من.

وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا﴾[١] فلتعلم[٢] أنّ الله – تعالى – قد ابتلاك بأن أنزلك في خلقه منزلته. وهذا الاسم هو[٣] الذي أعطى المجعولين[٤] خلفاءَ في الأرض ابتلاءً وتكريمًا. فابتلاؤه لمن لم يُحكِم ما[٥] ذكرناه في التخلّق، وإكرامه لمن أشهده[٦] الحقّ تعالى من نفسه[٧] ما ذكرناه، فهو الحَكَم سبحانه. ويتعلّق بهذا الاسم أيضًا ترتيب الحكمة؛ وهي بالاسم الحكيم أظهر[٨]، فلنتركها إلى الاسم الحكيم[٩].

---

[١] [النساء: 35]

[٢] خ: فتعلم.

[٣] خ: – هو.

[٤] ج: المجهولين. ي: بالمجهولين.

[٥] م، ط: بها.

[٦] خ: أشهد.

[٧] م: بصير.

[٨] م: – أظهر.

[٩] ج: – إلى الاسم الحكيم.

اسم الحکم[1]

تعلق:

اس اسم سے تیری محتاجی اس کا تجھے رازِ قدر[2] سے آشنا کرنا ہے، کہ مخلوقات پر کیسے اس کا کنٹرول ہے۔

تحقق:

الحکم (حاکم) علی الاطلاق بڑے حکم والا، فیصلے والا اور وقت متعین کرنے والا ہوتا ہے۔ قضا ازل والا پہلا حکم ہے اور قدر وقت کا تعین ہے۔ بیشک حکم مقضی اور مقضی بہ (یعنی جس نے اس پر حکم لگایا اور جس بارے میں حکم لگایا) کا اُس کے وجود کی حالت میں ایک مقرر وقت پر اس

[1] وہ الحکم (یعنی فیصلہ کرنے والا) ہے کہ بروز قیامت اپنے بندوں کے مابین فیصلہ کرے گا، اور اس نے دنیا میں شرعی احکام اور وضعی نوامیس اتاریں؛ یہ سب اسم الحکم سے ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۱ب)

شیخ اکبر فرماتے ہیں: معاملات میں قاضی الحکم کہلاتا ہے: چاہے ان کے حالات کے حساب سے ہو یا ان کے اعیان کے حساب سے؛ یہ اشیا پر انہی کی حدود سے حکم لگاتا ہے۔ سو در حقیقت یہ اشیا ہی خود پر حکم لگاتی ہیں؛ کیونکہ یہ اسم بھی تو ان پر انہی سے حکم لگاتا ہے۔ اگر یہ اِن اشیا پر ایسا حکم لگائے جو ان سے نہیں تو یہ قاضی ظالم اور انصاف نہ کرنے والا کہلائے گا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۷۹ب)

[2] شیخ اکبر فصوص الحکم میں فرماتے ہیں: جان لے کہ "قضا" اشیا میں اللہ کا حکم ہے، اور اشیا میں اللہ کا حکم انہی اشیا کے علم سے ہے۔ اشیا میں اللہ کا علم وہ ہے جو یہ معلومات اُسے دیں؛ جو ان کی حقیقت ہے۔ جبکہ "قدر" وقت کا وہ اندازہ ہے جس پر یہ اشیا اپنی عین میں کسی زیادتی کے سوا موجود ہیں۔ سو اشیا پر حکم قضا انہی اشیا سے ہے۔ اور یہی در حقیقت "رازِ قدر" ہے ﴿جو اسے سمجھے، کان لگا کر سُنے اور دیکھے﴾ (ق:۳۷) [فصّ حكمة قَدَرِيّة في كلمة عُزيريّة]

Marfat.com

کی سابق قضا یا حکم کا ظہور ہے۔[۱]

تخلق:

اس اسم سے تخلق یہ ہے کہ تجھے ان اسباب کی توفیق ملے جو تجھے اِس اسم تک پہنچائیں؛ کہ تو اپنی ذات پر، اپنے اور اپنے نفس کے درمیان، اور دوسروں پر صحیح شرعی حکم لاگو کر سکے۔ اور تو اپنے نفس پر حق کا حکم لگائے، اور خود پر کائنات کا بھی حکم لگائے، لیکن کسی پر اپنے نفس کا حکم نہ لگائے؛ اُس وقت تیرا اثر تیری ذات میں اس اسم کا حصول ہو گا؛ پس یہ اسم اُس کا وصف ہو گا اور اُسی نے اِسے تعلق میں ہدیتاً طلب کیا؛ کہ تو اشیا پر اللہ کے فیصلے کے مشاہدے اور اللہ کے مقرر کردہ وقت کے مطابق اللہ کا حکم لاگو کرے، یہ سب آنکھوں دیکھا اور حقیقت پر مبنی ہو۔

اگر تجھے کبھی اللہ کے اس قول کے مطابق حاکم بنایا جائے: ﴿تو ایک والی مرد کے خاندان میں سے لاؤ اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے﴾ (النساء: ۳۵) تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں تجھے اپنا منصب دے کر تیری آزمائش کی ہے۔ یہی وہ اسم ہے جو زمین میں بنائے

---

۱ شیخ اکبر فرماتے ہیں: مرتبہ حکم یہ ہے کہ کسی چیز کے لیے یا کسی چیز پر حکم لگایا جائے۔ یہ حاضرت قضا ہے، جو شہود سے اس حاضرت کی حقیقت سے واقف ہوا؛ وہ رازِ قدر جان گیا: اور وہ راز یہ ہے کہ اشیا پر حکم بھی انہی اشیا سے ہے؛ باہر سے کوئی چیز نہیں آئی، حدیث میں آیا ہے: "تمہارے اعمال ہی تم پر لوٹائے جاتے ہیں۔"

جان لے کہ اس حاضرت کی حقیقت معلومات کی جانب سے عجیب و غریب ہے؛ کیونکہ یہ حاضرت علم جیسی ہے۔ وہ اس طرح کہ جو حکم کیا گیا وہ وہی تھا جو اس چیز کی عین کا تقاضا تھا جس پر حکم لگایا گیا۔ لہٰذا حکم کرنے والے نے جس پر حکم لگایا اس کے لیے خود سے کوئی بات نہیں کی، اگر اس نے عدل و انصاف سے کام لیا۔ لیکن اگر اس نے انصاف سے کام نہ لیا تو وہ اس حاضرت سے نہیں۔ (مخطوط: السفر ۳۲، ص ۹۷ ب)

Marfat.com

گئے خلفا کو آزمائش اور تکریم[1] کے لیے دیا جاتا ہے۔ اِس کا آزمانا اُس کے لیے ہے جو اِس طرح سے حکم نہ لگائے جیسا کہ ہم نے اِس کے تحلق میں ذکر کیا، اور اس کا عزت بخشنا اس کے لیے ہے جسے حق تعالیٰ خود میں یہ سب دکھائے جس کا ہم نے تذکرہ کیا، پس حق سبحانہ تعالیٰ ہی الحکم ہے۔ ترتیب حکمت کا بھی اس اسم سے ایک تعلق ہے، لیکن یہ حکمت اسم الحکیم سے قریب تر ہے، لہذا ہم اس کا تذکرہ اسم الحکیم میں کریں گے۔

[1] آزمائش اس کے لیے جو عدل اور انصاف سے فیصلہ نہ کرے اور تکریم اس کے لیے جو اس کے تقاضوں پر پورا اترے۔

Marfat.com

(٣٠) الاسم: العدل

التعلّق: افتقارك إليه في تحصيله وتعيين محالّ تصريفه.

التحقّق: العدلُ الميلُ إلى الحقّ الحُكميّ والحِكَميّ، كما أنّ الجورَ الميلُ[١] عنهما، وكلاهما ميل. فلهذا لا يكون إلّا ميلًا خاصًّا؛ وهو إعطاء[٢] كلّ ذي حقّ حقّه بعد وجود الطلب من المستحقّ لحقّه؛ إمّا بالطلب بالنطق، وإمّا بالحال، وإمّا بحصول شرطِه إن كان له شرطٌ من زمان أو مكان أو حال.

التخلّق: [هو] أن تميل إلى الحقّ على ما ذكرناه، ولكن بالحقّ لا بنفسك. فكما أنّك تطلب من الحقّ العدلَ في حكمه عليك، كذلك يطلب منك العدلُ في حكمك عليه بما تطلبه منه على حدّ[٣] ما شرعه لك؛ ثمّ تُمضي في العالم[٤] هذه الصفة على هذا النحو، فمن كان بهذه المثابة فقد تخلّق باسمه[٥] العدل[٦].

---

[١] خ: ميلٌ.

[٢] م: إعطاؤه.

[٣] ي: - حد.

[٤] ج: + على.

[٥] خ: باسم.

[٦] ج: + والله أعلم.

Marfat.com

اسم العدل[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اِس کا حصول اور اس کی عملداری کی جگہوں کا تعین کرنا ہے۔

تحقق:

عدل حکمی اور حکمتی حق کی طرف جھکنا ہے، جیسا کہ ظلم اِن دونوں سے دور ہٹنا ہے، یہ دونوں ہی جھکاؤ ہیں۔ اسی لیے یہ ایک خاص قسم کا جھکاؤ ہے؛ اور یہ ہر حقدار کو اِس کا حق دینا ہے، بعد اِس کے کہ وہ حق دینے والے سے اپنے حق کا مطالبہ کرے، چاہے یہ مطالبہ بول کر کیا جائے یا حال سے واضح ہو، یا پھر اس کی شرط پوری ہونے سے ہو اگر زمان مکان اور حال سے اِس کی کوئی

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد العدل" کہلاتا ہے؛ یہ دو اطراف میں سے کسی ایک طرف کو جھکنا ہے، اور یہ وہی صحیح حکم ہے جو محکوم علیہ (جس پر حکم کیا گیا) کے تابع ہے۔... اس کے سوا کوئی حکم میں عادل نہیں کہلاتا۔ اسی عجیب حاضرت سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو اپنی صورت پر تخلیق کیا، اور یہیں سے عدل (مطلب ایک طرف کو جھکاؤ) واقع ہوا؛ وہ اِس طرح کہ حق تعالیٰ حاضرتِ وجوبِ ذاتی سے وجوب بالغیر یا حاضرتِ امکان کی طرف جھکا؛ تو جیسے کہنا چاہتا ہے کہہ لے۔ اور وہ یوں جھکا کہ اس نے ممکنات کو حاضرت ثبوت سے حاضرت وجود میں لا کھڑا کیا؛ یعنی عدم کے بعد انہیں وجود بخشا؛ کہ اپنے وجود سے انہیں مظاہر بنایا، اور اپنے وجود سے اِن کے احکام کے ظہور کی تجلی گاہ بنا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۸۱) یہ بات زیر نظر رہے کہ عدل کا لغوی مطلب عدول ہی ہے۔ کہا جاتا ہے: عدل عن الطريق- إذا مال عنه، وعدل إليه- إذا مال إليه. یعنی وہ راہ سے ہٹ گیا جب وہ اس سے ہٹ جائے اور وہ راہ پر آ گیا جب وہ اس کی طرف آ جائے۔ یعنی اپنی جگہ چھوڑ کر کسی طرف جھکنا عدل ہے؛ اگر حق کی طرف ہو تو یہ اصطلاحی عدل ہے اگر باطل کی طرف ہو تو یہ اصطلاحی ظلم ہے۔

Marfat.com

شرط ہو۔

تخلق:

(تخلق یہ ہے کہ) تو حق کی جانب جھکاؤ رکھے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، لیکن یہ بھی حق سے ہونا چاہیے نہ کہ تیرے نفس سے، جیسا کہ تو حق سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ تجھ پر حکم لگاتے وقت عدل کرے، اُسی طرح حق بھی تجھ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ تو اس پر حکم لگاتے ہوئے عدل سے کام لے؛ اور وہ یہی ہے جو کچھ اس نے تجھ سے شریعت کی حد میں رہنے کا تقاضا کیا۔ پھر کائنات کے ساتھ بھی اسی صفت (یعنی عدل) کے مطابق معاملہ روا رکھ۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے تو وہ اس کے اسم العدل سے متخلق ہوتا ہے۔

Marfat.com

(٣١) الاسم: اللطيف

التعلّق: افتقارك إليه – سبحانه – في أن يطلعك على خفيّ أفضاله لتشكر، ومكرِه[١] لتحذر[٢].

التحقّق: اللطيف هو الخفيّ في ذاته عن أن يُدرَك، وفي فعله عن أن يُشهَد. وإيصاله[٣] المرافق[٤] من حيث لا يُشعَر بها[٥].

التخلّق: أن يُقام العبد في ذكر النفس وعبادة السرّ عن نفسه فكيف عن غيره، وإيصال المصالح إلى أربابها عن[٦] غير معرفة منهم بأنّه موصلها إليهم، حسًّا ومعنىً وخَلقًا وحقًّا. وإذا فعل ذلك فقد تخلّق. وينتج له هذا التخلّق الوقوف على الأسرار الإلهيّة وخفايا أحكامه في خلقه[٧]، ويندرج تحت هذا الاسم "الرحمن الرحيم[٨]" وما في ضمنها[٩].

---

[١] ج: مكره.
[٢] ج، ف، ي: – لتحذر.
[٣] ي: وإيصال.
[٤] ج: الموافق.
[٥] ي: – بها.
[٦] ج: من.
[٧] م: + العلم.
[٨] ي: والرحيم.
[٩] ف، ي، ط: ضمنهما.

Marfat.com

اسم اللطیف[1]

تعلق:

اس پاک اسم سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے اس کے خفیہ فضل پر مطلع کرے تاکہ تو اس کا شکر ادا کرے، اور اس کے مکر سے آگاہی بخشے تاکہ تو اُس سے چوکنا رہے۔

تحقق:

"اللطیف" اپنی ذات میں یوں مستور ہے کہ اُس کا ادراک نہیں کیا جاتا، اپنے فعل میں یوں چھپا ہے کہ اُس کا مشاہدہ نہیں ہوتا، اور وہ اس طرح سے فائدہ پہنچاتا ہے کہ پتا بھی نہیں چلتا۔

تخلق:

(اس سے تخلق یہ ہے کہ) بندہ اس طرح سے ذکر خفی اور مخفی عبادت کرے کہ اِس کے نفس کو بھی خبر نہ ہو، غیروں کا کیا کہنا، اور وہ خود کو چھپا کر لوگوں کو ایسے فائدہ پہنچائے کہ انہیں کانوں کان خبر نہ ہو کہ یہ فائدہ اُس کا دیا ہے، چاہے یہ عمل حسی معنوی، مخلوق یا حق سے ہو۔ اگر اُس نے ایسا کیا تو وہ اِس اسم سے متخلق ہوا۔[2] یہ تخلق اُسے اسرار الٰہیہ اور اس کی مخلوق میں اس

---

[1] اُس کے لطف کی مثال موجودات کے افعال میں اُس کا چھپا ہونا ہے، اور اُس کا یہ کہنا: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ (الصافات: ۹۶) اللہ تمہارا اور تمہارے اعمال کا خالق ہے، ہمیں تو یہ اعمال مخلوق سے ہی نظر آتے ہیں، جبکہ ہم جانتے ہیں کہ ان اعمال کو کرنے والا تو صرف اللہ ہے؛ اگر اس کا لطیف ہونا نہ ہوتا تو یہ بھی نظر آتا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۱ ب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: جان لے- اللہ تجھے توفیق دے- کہ بندے کو غیر شعوری طور پر اللہ کی جانب سے کوئی ایسی لطیف بات پتا چلے، اور جب بندہ اپنی توجہ سے یہ بات اپنے مرید یا اللہ کے بندوں میں سے

⇆

کے پوشیدہ احکام سے آگاہی بخشتا ہے۔[۱] اسم "الرحمن الرحیم" اور جو کچھ اِن میں ہے وہ اسی اسم کے تحت آتا ہے۔

کسی تک پہنچائے اور اسے پتا نہ چلے کہ شیخ کا یہ مقصد تھا؛ اس وقت اس شیخ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ صاحب لطیفہ ہے اور ایسا صرف اسی کے لیے ہو سکتا ہے جو اسم الٰہی اللطیف سے متحلق ہو۔ لیکن اگر اس بات پہنچانے کا (مرید کو) پتا چل گیا تو وہ صاحب لطیفہ نہیں۔ (مخطوط: السفر-۱۸، ص ۱۱ ب)

۱ شیخ اکبر فرماتے ہیں: میں نے اس حاضرت سے اپنے اخلاق میں ایک بڑا حصہ پایا، وہ اس طرح کہ میں نے اپنی نظر میں کسی کو اس حاضرت میں وہاں قدم رکھتے نہیں دیکھا جہاں میرا قدم پڑا، ہاں اگر ایسا ہوا ہو اور میں نے اسے نہ دیکھا ہو۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں یا مجھے یہ کہنا چاہیے: کہ وہ، اگر کوئی ایسا ہے؛ تو اس کی انتہا بھی یہی ہے کہ وہ اس درجے میں میرے ساتھ ہے، اور یہ کہ وہ مجھ سے بہتر ہے، تو میرے خیال میں ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ کے بارے میں حتمی طور پر میں کیا کہہ سکتا ہوں؛ اس کے اسرار کی کوئی حد نہیں اور اس کی عطایات کی کوئی تعداد نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۸۶)

Marfat.com

(٣٢) الاسم: الخبير

التعلّق: افتقارك إليه في أن يطلعك[١] على ما في علمه[٢] فيك قبل كونه.

التحقق: ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتَّىٰ نَعْلَمَ﴾[٣] ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾[٤] فهو يعلم[٥] بأنّه سيكون كذا، ثمّ وقع[٦] الاختبار[٧] فظهر ما كان قد تعلّق به العلم لمن قام به ذلك الابتلاء، فتعلّق به العلم بأنّه[٨] كائن لا بأنّه سيكون في حال كونه، فيُسمّىٰ من هذا التعلّق: خبيرًا.

التخلّق: ليس للعبد اختبار[٩] في كونٍ من الأكوان إلّا أن[١٠] يقوم بذلك الكون دعوىٰ، فحينئذٍ قد تعيّن للعبد اختباره[١١] من حيث دعواه، فالعلم[١٢] الذي يحصل له عقيب هذا الاختبار[١٣] يُسمّىٰ به خبيرًا، ﴿عَفَا اللَّهُ عَنكَ لِمَ أَذِنتَ لَهُمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِينَ

---

[١] م: طلعك.

[٢] خ: عمله.

[٣] [محمد: 31] ط: + الْمُجَاهِدِينَ مِنكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَ أَخْبَارَكُمْ.

[٤] [هود: 7]

[٥] ف: العليم. م: العلم. خ: للعلم.

[٦] ج: رفع.

[٧] ج، ي: الاختيار.

[٨] خ: لأنه.

[٩] ج، ي: اختيار.

[١٠] ي: بأن.

[١١] ج، ي: اختياره.

[١٢] خ: بالعلم.

[١٣] ج: الاختيار.

Marfat.com

صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ﴾[1] وهذا من العلم الخفيّ بالنسبة إلينا لا بالنسبة إلى الله تعالى، وقد ورد[2] النهي عن المخابرة.

[1] [التوبة: 43] ج، ف، ي، م: - وَتَعْلَمَ الْكَاذِبِينَ.

[2] خ: + في الشرع.

اسم الخبیر[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ ہونے سے پہلے تجھے وہ کچھ بتائے جو تجھ سے متعلق اس کے علم میں ہے۔

تحقق:

﴿اور ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم معلوم نہ کر لیں﴾ (محمد: ۳۱) ﴿اور وہ تمہیں آزمائے گا کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے﴾ (ہود: ۷) وہ جانتا ہے کہ ایسا ہی ہو گا، پھر جب آزمائش ہوئی تو اس کے حق میں جس کی آزمائش ہوئی وہی کچھ ظاہر ہوا جو علم میں پہلے سے تھا، علم کا اس سے تعلق یہ تھا کہ یہی ہونا ہے، یہ نہیں کہ اپنی ایجاد کے وقت یہ ہو گا، اسی تعلق سے وہ خبیر کہلایا۔[2]

---

[1] وہ خبیر ہے کہ اپنے بندوں کو آزماتا ہے، اس کا یہ قول: ﴿حَتّٰى نَعْلَمَ﴾ (محمد:۳۱) "تاکہ ہم جان لیں" بھی اس کا آزمانا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ آیا حادث علم اس سے منسوب کیا جائے گا، یا نہیں؟ اس لطیف بات پر غور کر، اسی لیے خبیر لطیف کے ساتھ آیا، فرمایا: ﴿اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ (الانعام:۱۰۳) (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۱ ب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الخبیر" کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اس کے بارے میں خبیر سے پوچھ﴾ (الفرقان: ۵۹) یہ ہر وہ علم ہے جو آزمائش کے بعد حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور ہم تمہیں آزمائیں گے یہاں تک کہ ہم تمہیں جان لیں﴾ (محمد: ۳۱) ... ﴿اور وہ تمہیں آزمائے گا کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے﴾ (الملک: ۲) زندگی اور موت کو تخلیق کر کے۔ اور یہ حجت قائم کرنے کے لیے، ورنہ وہ تو ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ کیا ہو گا؛ کیونکہ اس نے یہ سب

⇐

Marfat.com

تحلق:

بندہ موجودات میں سے کسی موجود کی آزمائش کا حق نہیں رکھتا جب تک کہ وہ موجود کوئی دعویٰ نہ کرے، اس وقت بندہ اِس کے دعوے کی تصدیق میں اس کو آزماتا ہے، اور اِس آزمائش کے بعد اِس (بندے کو) جو علم ملتا ہے اِس سے وہ خبیر کہلاتا ہے۔ ﴿اللہ نے آپ کو معاف کیا آپ نے انہیں کیوں رخصت دی یہاں تک کہ آپ پر سچے ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو آپ جان جاتے﴾ (التوبہ: ۴۳) یہ ہمارے لیے علم خفی میں سے ہے، اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں۔ شریعت میں بھی مخابرہ (بمعنی تجسس) سے منع کیا گیا ہے۔

؂ معلوم کی عین ثابت سے ازل میں جان لیا تھا، اور وجود میں وہی کچھ ہوتا ہے جو عین میں ثابت ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص۸۲ب)

Marfat.com

(٣٣) الاسم: الحليم

التعلّق: افتقارك إليه في إمضاء الهمّة، والتمكّن[١] من فعلها حيث توجّهت.

التحقّق: ترك المؤاخذة بالزلّة عند وقوعها خاصّةً مع التمكّن والاقتدار.

[التخلّق][٢]: وهكذا هي في التخلّق[٣].

---

[١] ط: + والاقتدار.

[٢] التخلق من ط فقط.

[٣] خ: + سواء فاعلم.

اسم الحلیم[1]

تعلق:

تیری اِس سے محتاجی توجہ کا نفاذ اور اس (توجہ) کے فعل پر قدرت رکھنا ہے چاہے یہ کہیں کا بھی رخ کرے۔

تحقق:

غلطی ہونے پر بھی قدرت اور طاقت کے ہوتے ہوئے پکڑ نہ کرنا۔[2]

---

[1] الحلیم وہ ہے جو اپنی مخلوق کی نافرمانی پر انتقام میں جلدی نہیں کرتا، چھپانے کے بعد مغفرت کرتا ہے اور دیکھنے کے بعد معاف کرتا ہے، یہ مہلت دیتا ہے اور اسے بھولتا نہیں، اور کوئی کچھ بھی کرے یہ پکڑ میں جلدی نہیں کرتا۔ (ماخوذ از مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۱ ب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس کا بندہ "عبد الحلیم" کہلاتا ہے۔ یہ قدرت رکھنے والے کا پکڑ نہ کرنا اور مہلت دینا ہے؛ وہ معاملے کو موخر کرتا ہے، بندے کو مہلت دیتا ہے لیکن اسے بھولتا نہیں۔... اسی طرح وہ کہتا ہے: ﴿اگر وہ چاہے تو تمہیں مٹا دے﴾ (فاطر: ۱۶) یہاں مٹانے سے مراد ایک حال جس میں تم ہو سے ایک دوسرے حال کی طرف تمہیں لے جانا ہے جس میں تم ہو گے... لیکن اس نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ یہ معاملہ بھی ویسا ہی ہے؛ اس نے ویسا ہی چاہا جیسے کہ یہ معاملات حقیقت میں تھے۔ کیونکہ ارادہ علم کے خلاف نہیں اور علم معلوم کے خلاف نہیں، معلوم وہی ہے جو ظاہر یا واقع ہوا، ﴿اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں﴾ (یونس ۶۴) کیونکہ یہ ویسے ہی ہیں جیسے یہ ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۸۸ ب) یہاں مٹانے سے مراد قدرت ہوتے ہوئے بھی انتقام نہ لینا یا سزا نہ دینا ہے۔ اس کے علم کی وجہ سے اسم المنتقم پیچھے ہو جاتا ہے اور اسم الحلیم آگے آ جاتا ہے، چنانچہ وہ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا بلکہ معلوم کی حقیقت کے مطابق اسے مہلت دیتا ہے۔

Marfat.com

تخلق:

یہ تخلق میں بھی ایسے ہی ہے۔

اس حاضرت کی ایک شان اقتدار کا اثبات ہے؛ کیونکہ اپنی قدرت کے نفوذ سے عاجز انسان حلیم (یعنی بُردبار) نہیں کہلاتا، اور نہ ہی یہ حِلم (یعنی بردباری) ہے۔ سو حقیقی حلیم وہی ہے جو صاحب قدرت ہے۔ چونکہ مخالفت پکڑ کا تقاضا کرتی ہے تو حلیم (یعنی بردبار) بعض مواقع پر اس کا حکم فاسد قرار دے دیتا ہے، اسی لیے جب جلد پھٹ جائے تو عربی میں کہا جاتا ہے: «حَلِمَ الأدیم». اور اسی طرح لفظ "حلم کا معنی خواب" صورت کو اِس کے معنی سے جدا کرتا ہے؛ کیونکہ وہ ایسی چیز کو حس میں پیش کرتا ہے جو حس کے تحت نہیں تاکہ وہ اس کو دیکھ سکے جو اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا؛ چنانچہ وہ اس کو وہی صورت تصور کرتا ہے جس صورت میں اس معنی کو دیکھتا ہے، لیکن جب عارف کو یہ خواب بتایا جاتا ہے تو وہ اس صورت کی تعبیر اس معنی سے کرتا ہے جس کے لیے یہ لائی گئی؛ چنانچہ یہ اس صورت کو اس کی حقیقت کی جانب لوٹاتا ہے۔ جیسا کہ خواب نے علم کو بدل دیا، اور اسے دودھ کی صورت میں نمایاں کیا؛ جبکہ یہ دودھ نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس خواب کی تعبیر کر کے اِسے اِس کی اصل سے ملا دیا؛ جو کہ علم تھا۔ آپؐ نے علم کو اس صورت سے جدا کیا، جبکہ اس صورت پر "حلم" کا حکم تھا۔ اسی لیے ہم نے کہا: اِس (حلم یعنی خواب) نے علم کی صورت کو بدلا، اور رسول اللہ ﷺ نے اسے واپس لوٹایا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۸۹) یہاں یہ سب تفصیل لکھنے کا مقصد حلم کے لغوی معنی کی تحقیق ہے۔ حلم خواب کو بھی کہتے ہیں اور شیخ یہی بتارہے ہیں کہ خواب کو حلم کیوں کہتے ہیں۔ پھر جب ہم اس لغوی معنی کو اس اسم الٰہی سے جوڑتے ہیں تو ہمیں اس اسم کی حقیقت سمجھ آتی ہے۔ اللہ ہمیں سمجھ عطا فرمائے، آمین۔

Marfat.com

(٣٤) الاسم: العظيم

التعلّق: افتقارك إليه في أن تكون عظيمًا عنده لا عند الكون، إلّا أن تكون مبلّغًا عن الله أمرًا[١]، فيجب أن تقابَل بالاحترام وتثبت عظمتك في قلوب السامعين ليُتلقَّى[٢] أمر الله بالحرمة، فتكون في هذا الطلب والافتقار إليه فيه[٣] ساعيًا[٤] في تعظيم الحقّ عند الكون، لا في تعظيم نفسك.

التحقّق: العظمة على الإطلاق لا تكون إلّا لمن استحقّ اسم الألوهيّة[٥]، وما سوى هذا فتعظيم إضافيّ[٦].

التخلّق: العظمة حال يقوم[٧] بنفس المعظِّم، لا بنفس المعظَّم، وقد يكون المعظَّم بتلك المنزلة وقد لا يكون. قال أمير المؤمنين[٨] هارون الرشيد من هذا الباب:

مَلَكَ الثَّلَاثُ الآنِسَاتُ عِنَانِي ... وَحَلَلْنَ مِنْ قَلْبِي بِكُلِّ مَكَانِ
مَا لِي تُطَاوِعُنِي البَرِيَّةُ كُلُّهَا ... وَأُطِيعُهُنَّ وَهُنَّ فِي عِصْيَانِي؟
مَا ذَاكَ إِلَّا أَنَّ سُلْطَانَ الهَوَىٰ ... وَبِهِ قَوِيْنَ[٩]، أَعَزُّ مِنْ سُلْطَانِي

[١] خ: + ما.
[٢] ي: لتلقي.
[٣] ف: – فيه.
[٤] ج: ساعيا فيه.
[٥] ج: الاسم الإلهي.
[٦] ف، م، ط: + وهو (ولعلها: وهواه).
[٧] ي: يقرب.
[٨] خ: – أمير المؤمنين.
[٩] خ: حكمن.

Marfat.com

اسم العظیم[۱]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ تو اُس کی نظر میں عظیم ہو نہ کہ مخلوق کی نظر میں؛ ماسوائے اگر تو اللہ کا پیغام اُن تک پہنچا رہا ہو، پھر لازم ہے کہ تیرا استقبال احترام سے کیا جائے، اور سامعین کے دلوں میں تیری عظمت ثابت ہو تا کہ اللہ کا حکم عزت و احترام سے قبول کیا جائے، یوں تو اِس طلب اور اس کی محتاجی میں مخلوق سے حق تعالیٰ کی تعظیم کروانے - نہ کہ اپنی تعظیم کروانے - میں معاون ہو گا۔

تحقق:

مطلق عظمت صرف اسی کے لیے ہے جو اسم الوہیت کا حق دار ہے،[۲] اس کے سوا ہر

---

[۱] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: یہ اسم کلام اللہ میں اپنی بہترین صورت پر صیغۂ فعیل پر آیا ہے، اللہ فرماتا ہے: ﴿عظیم﴾ یہ ایسا صیغہ ہے جس کا ایک رخ فاعل کی جانب ہے اور دوسرا رخ مفعول کی جانب۔ چونکہ حق تعالیٰ اپنی ذات میں عظیم ہے؛ سو وہ تعظیم کرتا بھی ہے اور اُس کی تعظیم بھی کی جاتی ہے، اس نے ایسا لفظ استعمال کیا جس نے ان دونوں معانی کو یکجا کیا۔ (مخطوط: السفر - ۳۲، ص ۹۱)
اس حاضرت کا بندہ "عبد العظیم" کہلاتا ہے، اور ایسے شخص کا حال خود کو ناچیز سمجھنا ہی ہوتا ہے، حالانکہ عظمت اسی میں قائم ہوتی ہے، لیکن یہ حال اسے اپنی نظر میں ناچیز بنا دیتا ہے۔ (مخطوط: السفر - ۳۲، ص ۹۰)

[۲] فتوحات مکیہ میں شیخ فرماتے ہیں: جان لے کہ دلوں میں حق تعالیٰ کی عظمت کا سبب مومنین کے قلوب میں اس کی معرفت ہی ہے، اور معرفت اسمائے الٰہیہ کے آثار میں سے ہے۔ کیونکہ کوئی معاملہ اس قدر عظیم ہوتا ہے جس قدر وہ عظمت والی ذات اِس کو نافذ کرنے پر قادر ہوتی ہے، اور وہ جو چاہے کر ←

تعظیم نسبی تعظیم ہے۔

تخلق:

عظمت وہ حال ہے جو تعظیم کرنے والے کے دل میں قائم ہوتا ہے، نہ کہ اس کے (دل میں) جس کی تعظیم کی جارہی ہے، بعض اوقات جس کی تعظیم کی جارہی ہو وہ اِس درجے پر ہوتا ہے اور بعض دفعہ نہیں ہوتا۔[1] امیر المومنین ہارون الرشید اس بارے میں کہتے ہیں:

سکتی ہے، اس کے حکم کو رد کرنے والا کوئی نہیں، اور کوئی چیز اس کے حکم کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ سو لازم ہے کہ ان معاملات کی وجہ سے وہ عارف کے دل میں صاحب عظمت ہو؛ یہ تو وہ پہلی عظمت ہے جو جسے حاصل ہوتی ہے ایمان سے حاصل ہوتی ہے (شہود سے نہیں)۔

عظمت کا دوسرا مرتبہ اہل شہود و وجود کے دلوں میں اس کی تجلی کی عطایات سے ہے، جو دلوں پر اسما کی تاثیر اور دلوں میں احکام الٰہیہ کے خیالات کے آنے سے نہیں، بلکہ اس کا مشاہدہ کرنے والا صرف تجلی حق سے ہی اپنے دل میں اِس عظمت کو پاتا ہے؛ یہ عظمتِ ذاتی ہے۔ اور صرف اُسے ملتی ہے جو اُسے اُسی سے دیکھے، خود سے نہیں؛ اور یہ ایسا شخص ہی ہوتا ہے جس کی بصارت حق تعالیٰ خود ہوتا ہے۔ اس کی نظر میں حق سے بڑھ کر عظمت والا کوئی نہیں ہوتا، اور اس حق سے بڑھ کر بھی کوئی نہیں جو تجلیٔ حق میں حق کو حق کی نظر سے دیکھے، نہ کہ اپنی نظر سے۔ بیشک ہر انسان اور ہر دیکھنے والے کی نظر اس کے اعتقاد پر ہے، یا اس کی دلیل اسے جو کچھ اللہ کے بارے میں بتائے۔ جبکہ اہل عظمت کی یہ صنف قلوب عارفین کے ان تعلقات سے پرے ہے جو عقائد سے جڑے ہیں؛ سو وہ اسے بغیر قید کے دیکھتے ہیں؛ یہی تو وہ مشہود حق ہے؛ یہاں کسی تعظیم کرنے والے کی عظمت ان کے قلوب میں حق کی عظمت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۹۰ ب)

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ عظمت وہ حال ہے جو تعظیم کرنے والے کے دل میں قائم ہوتا ہے نہ کہ اس کے جس کی تعظیم کی جارہی ہو، سوائے اس صورت کے کہ اگر اس کی تعظیم اسی کے دل میں ہو، یوں وہ تعظیم کیے جانے والے کے دل میں بھی قائم ہوتا ہے، کیونکہ اسی کی تعظیم بھی کی جارہی ہوتی ہے۔ سو تعظیم کرنے کی حیثیت سے حال اس کی صفت ہوتا ہے، اور چونکہ اس نے صرف خود کی تعظیم کی؛ سو عظمت اس کے نفس کا حال ہوا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۹۰ ب)

Marfat.com

تین دوشیزاؤں نے میرے دل کی باگ دوڑ سنبھال لی، اور وہ میرے دل کے ہر گوشے میں سما گئیں، مجھے کیا ہو گیا ہے کہ ساری مخلوق تو میرا کہا مانتی ہے، جبکہ میں ان کا کہا مانتا ہوں اور وہ میری ایک نہیں سنتیں۔ یہ محبت کی طاقت کے سوا اور کیا ہے جس سے انہوں نے قوت لی، اور جس کی قوت میری سلطانی سے بھی بڑھ کر ہے۔

Marfat.com

(٣٥) الاسم: الغفور

التعلّق: افتقارك إليه في إسبال الستر مطلقًا بينك وبين ما[١] يُتوقّع وقوعه بك من الضرر على[٢] ما أجراه فيك مما[٣] تتعلّق به المذمّة[٤]، حسًّا ومعنىً.

التحقّق: هي[٥] بنية مبالغة في تحقّق المنعوت بها.[٦]

ضَرُوبٌ بِنَصْلِ السَّيْفِ سُوقَ سِمَانِهَا إِذَا عَدِمُوا زَادًا فَإِنَّكَ عَاقِرُ[٧]

لو كان ضرّابًا على وزن «فعّال» مثل الغفّار لنحر هذه الإبل للمُعدَمين الزادَ وغيرهم. فصار الغفور تعلّقًا خاصًّا تميّز به عن الغفّار.

[التخلق:] والتخلّق به[٨] على حدّ[٩] التحقّق. فالتحقّق[١٠] علمه، والتخلّق اكتساب أثره.

---

[١] ف: – ما.

[٢] ف: وعلى.

[٣] ج: بما.

[٤] ج: اللذمة.

[٥] ج، ف، خ، ي، ط: هو.

[٦] ط: + (قيل في) شعر:

[٧] القائل هو أبو طالب (85 –3 ق. هـ/ 540 –619 م) والد الإمام علي كرم الله وجهه، وعمّ النبي صلّى الله عليه وسلّم وكافله ومربيه ومناصره. ج، ف: غافر

[٨] ج: – به.

[٩] ج: ضد.

[١٠] خ، م: والتحقق.

Marfat.com

اسم الغفور

تعلق:

اس سے تیری محتاجی تیرا اپنے اور اُس معاملے کے مابین مطلق پردہ رکھنا ہے جس کے وقوع پذیر ہونے سے تجھے نقصان کا اندیشہ ہے، جو اُس نے تجھ میں جاری کیا اور جس کے باعث معنوی اور حسی مذمت تجھ سے جڑی۔

تحقق:

یہ لفظ اِس صفت سے موصوف کے لیے مبالغے کا صیغہ ہے۔[1]

ایک تیز دھار تلوار سے اُن کی موٹی پنڈلیاں کاٹتا تھا، جب وہ زاد کھو دیا کرتے تو تو ذبح کیا کرتا تھا۔

اگر یہ فعّال کے وزن پر الغفار کی طرح ضرّاب ہوتا تو وہ زاد کھو دینے والوں اور دوسروں (یعنی سب) کے لیے یہ اونٹ لازمی ذبح کر دیتا۔ چنانچہ الغفور کا ایک خاص تعلق ہے جس کی وجہ سے یہ الغفار سے متمیز ہوا۔

تخلق:

اس سے تخلق بھی تحقق کی طرح ہے۔ تحقق اس کا علم ہے اور تخلق اس کے اثرات کا کسب۔

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: یہ اسم الغافر کے مقابلے میں کثرت پر دلالت کرتا ہے، جبکہ اسم الغفار ان دونوں کے مابین ہے۔ (ماخوذ از فتوحات مکیہ)

Marfat.com

(٣٦) الاسم: الشكور

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن لا يحجبك[٢] عن ملاحظة رؤيته فيما أنعم به[٣] عليك كما قال لموسى - عليه السلام -: «اشكرني حقّ الشكر. قال: [يا ربّ] وكيف[٤] أقدر على ذلك؟ قال: إذا رأيت النعمة منّي فقد شكرتني حقّ الشكر».

التحقّق: بالشكر يُستخرَج المخزون من النعم الخفيّة في علمه وجوده سبحانه، و﴿لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾[٥] والشكرُ تعلّقٌ بثناءٍ خاصٍّ ليس يعمّ[٦] عموم الحمد، فإنّه الثناء عليه بما هو منه، ومنه الشكر، وهو موضع السرّ الذي غار الحقّ - تعالى - عليه، فأمر بستره ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ﴾[٧] لأنّه سرّ إيجاد الأعيان الكامنة وسريان اللذّة السارية[٨] في جميع النشأة.

[التخلّق:] والتخلّق بهذا الاسم ظاهرٌ لا خفاء به، ﴿أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ﴾[٩] للسببيّة.

[١] ج، خ، ي، م، ط: - في.

[٢] م: لا يحجبنك.

[٣] ف: - به.

[٤] خ: فكيف.

[٥] [ابراهيم: 7]

[٦] ي: - يعم.

[٧] [الأعراف: 22]

[٨] ج: - السارية.

[٩] [لقمان: 14]

Marfat.com

اسم الشکور

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یوں ہے کہ یہ تجھے نعمت میں خداوندِ نعمت کی دید سے محجوب نہ رکھے، جیسا کہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: "میرا ویسے شکر ادا کر جیسا اِس کا حق ہے۔ آپ نے پوچھا: (یارب) میں ایسا کیسے کر سکتا ہوں؟ فرمایا: جب تو نے کسی نعمت کو مجھ سے دیکھا تو میرا ویسا شکر ادا کیا جیسا شکر ادا کرنے کا حق ہے۔"[1]

تحقق:

شکر سے اُس پاک ذات کے خزانوں میں سے اس کی وہ پوشیدہ نعمتیں نکالی جاتی ہیں جو اُس کے علم اور سخاوت میں ہیں، ﴿اگر تم شکر ادا کرو گے تو میں تمہیں اور نوازوں گا﴾ (ابراہیم:۷) شکر ایک خاص طرح کی تعریف سے متعلق ہے جو عمومی تعریف جیسی عام نہیں؛ کیونکہ یہ اُس کی عطا پر اُس کی تعریف ہے، اور شکر بھی اُس کی عطا ہے، یہی تو وہ راز کی جا ہے جس پر حق تعالیٰ نے غیرت کا اظہار کیا اور اِس کو چھپانے کا کہا، ﴿اور وہ ان پر جنت کے پتے جوڑنے لگے﴾

---

[1] شیخ فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الشکور" کہلاتا ہے۔ اور یہ شکر میں مبالغہ ہے؛ یعنی تو اللہ کا شکر ویسے ادا کر جیسے اس کا حق ہے، وہ اس طرح کہ تو نعمت کو اسی سے دیکھ۔ سنن ماجہ کی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے فرمایا: "جب تو نے نعمت کو مجھ سے دیکھا تب تو نے میرا شکر ادا کیا۔" سو جس نے نعمت کو حق تعالیٰ کی عطا جانا اس نے حق تعالیٰ کا ویسا شکر ادا کیا جیسا اس کا حق تھا، ایسا شخص نعمتوں کو ان اسباب سے نہیں دیکھتا جو حق تعالیٰ نعمت دیتے وقت اپنے اور اپنے بندے کے درمیان حائل کرتا ہے۔ کیونکہ نعمتیں وہ چیزیں ہیں جو صرف اسی کے کرنے سے تخلیق ہوتی ہیں، اور یہ اس "خاص رخ" سے جو ہر موجود کا اپنے خالق سے ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۹۲)

Marfat.com

(الاعراف: ۲۲) کیونکہ یہی پوشیدہ اعیان کی ایجاد اور سرایت کر جانے والی لذت کا تمام بدن میں پھیلنے کا راز ہے۔

تخلق:

اس اسم سے تخلق واضح ہے جس میں کچھ ڈھکا چھپا نہیں ﴿تو میری اور اپنے والدین کی شکر گزاری کر﴾ (لقمان: ۱۴) سببیت کی وجہ سے۔[۱]

[۱] اللہ کا شکر؛ کیونکہ وہی اس کا خالق ہے اور والدین کا شکر؛ کیونکہ وہ اس تخلیق کی وجہ بنے۔

Marfat.com

(٣٧) الاسم: العليّ

التعلّق: افتقارك إليه في تحصيل دَرَجة في القربة منه[١] ليس فوقها درجة ينالُها سواك.

التحقّق: العليُّ[٢] مبالغةٌ في العلوّ يكون له بها أقصاها[٣] بخلاف «الأعلى». فإذا نُسب[٤] العليّ[٥] إلى ما دون أقصاها[٦] فما أنصف[٧]. وهذا سارٍ في جميع النسب التي يصحّ بها وصف العليّ[٨] بالعلوّ على كلّ موجود، معنىً وحسًّا.

التخلّق: الحائز قصب السبق في معالي الأمور ومتعلّقات العلم ومكارم الأخلاق والغوص في دقائق الفهوم[٩] من البشر، ينبغي أن[١٠] يُسمّى عليًّا.

---

[١] م: عنه.

[٢] م، ط: + بنية.

[٣] م: اقتضاها. ج: - بخلاف «الأعلى». فإذا نُسب العليّ إلى ما دون أقصاها.

[٤] خ: نسبت.

[٥] خ: العُلَى.

[٦] رسمها في م: اقتضاها. وفي خ: اقصائها.

[٧] م: اتصف. خ: + بهذا.

[٨] خ: العُلَى.

[٩] ي: وأكثر في حقائق المفهوم.

[١٠] ج: + يكون.

Marfat.com

اسم العلیّ[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اُس کی قربت میں ایسے درجے کا حصول ہے جس سے بلند ایسا کوئی درجہ نہ ہو جہاں تیرے سوا کوئی پہنچ سکے۔[2]

تحقق:

العلیّ (علوّ یعنی) بلندی میں مبالغے کا صیغہ ہے جس سے یہ برخلاف "اعلیٰ" انتہاؤں کو پہنچ جاتا ہے۔ اور جب "العلیّ" کو انتہا کے سوا منسوب کیا جائے تو یہ ناانصافی ہے، یہ اُن تمام نسبتوں میں ہوتا ہے جن سے العلیّ کو حسی اور معنوی طور پر ہر موجود سے زیادہ بلند موصوف کیا جائے۔[3]

---

[1] وہ اپنی شان اور ذات میں علاماتِ حدوت اور صفاتِ محدثات سے بلند اور اعلیٰ ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۲)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اللہ کے بندوں میں عالی رتبہ، جن کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو جھڑکتے ہوئے کیا جب اس نے آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا: ﴿کیا تو تکبر کرتا ہے یا پھر تو عالین میں سے ہے﴾ (ص: ۷۵) عالین اللہ کے جلال میں مدہوش ارواح ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس بات سے بلند کر رکھا ہے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ان کا مشہود ہو، حتی کہ وہ خود کو بھی نہیں دیکھتے۔ یہ ایسے بندے ہیں جو اس نے اپنی ذات سے مخصوص کیے۔ ان پر دائمی تجلی ہے، اور وہ اسی میں سرگرداں ہیں؛ وہ نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں۔ ان کی بلندی اسم العلیّ اور ہمارے مابین ہے؛ وہ بلندئ حق کا مشاہدہ نہیں کرتے؛ کیونکہ بلندی حق کا مشاہدہ وہی کرتا ہے جو خود کو دیکھتا ہے، جبکہ ان کے نفوس ان سے اوجھل ہیں؛ سو یہ بلندئ حق اور مرتبہ حق میں بدرجہ اولیٰ گم ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۹۸ ب)

[3] شیخ فرماتے ہیں: اسی حاضرت سے اس میں علوّ ظاہر ہوا جس نے زمین میں بلندی اختیار کی یا جو سرکش ہوا؛ جیسا کہ فرعون جس کے بارے میں اللہ نے کہا: ﴿بیشک فرعون نے زمین میں بلندی اختیار کی﴾
جاری ہے

Marfat.com

تخلق:

کامیاب وہ ہے جو بلند معاملات، علم کے متعلقات، مکارم اخلاق اور دقیق مفاہیم کی باریکیوں میں سب کو پیچھے چھوڑ دے، ایسا شخص علی (یعنی عالی رتبہ) کہلانے کے لائق ہے۔

(القصص: ۴) اور بعض لوگوں کے ارادوں میں بلندی بنائی گئی، اور اس بارے میں ان کی مذمت کی گئی، فرمایا: ﴿یہ دار آخرت ہم ان لوگوں کا نصیب کر دیں گے جو زمین میں بلندی کے طلب گار نہیں﴾ (القصص: ۸۳) یہاں دار آخرت سے مراد جنت ہے دوزخ نہیں۔ ﴿جو زمین میں بلندی کے طلب گار نہیں﴾ چاہے ان کی یہ طلب پوری ہوئی یا نہ ہوئی؛ پر انہوں نے ایسا چاہا، اور یہ طلب ان کے دلوں میں قائم ہوئی....

علما باللہ زمین میں بلندی نہیں چاہتے؛ کیونکہ یہ اکتسابی بلندی ہے، اور جس میں "اسم کسب" آجائے وہ ان کی چاہت نہیں ہوتی، بلکہ ان کی چاہت تو ان کی ذوات کے وہ تقاضے ہیں جس سے وہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے وجود میں خاص کس کے محتاج ہیں؛ ان کی نظر تو اسی پر پڑتی ہے، اس میں نہیں؛ کیونکہ "فی کے ساتھ نظر" اس کی ذات میں فکر کہلاتی ہے جو ممنوع لنفسہ ہے۔ پس اس حاضرت کی عطا کردہ بلندی سعادت ہے تکبر نہیں۔ کیونکہ یہ حاضرت سعادت کے لیے ہی بلندی دیتی ہے؛ اور یہ سعادت ان کا اپنی ذوات کو جاننا ہے؛ تاکہ یہ جان سکیں کہ حادث اللہ تعالیٰ کو حاصل بلندی کے مقابلے میں مقام انحطاط میں ہی ہے، اور عنایت الٰہی سے ان پر کافی ہو کہ اضافت کے باب سے ہی حق کے ساتھ ہو سکیں....

پس ممکنات کو شرف اللہ کی طرف اضافت سے ہی ملتا ہے۔ اور ہمارے لیے یہ سب سے بڑھ کر امکانی شرف ہے۔ لہذا انسان کی بلندی اس کی عبودیت میں ہے؛ کیونکہ اسی میں اس کا عین ہے،... جبکہ اپنے آقا کے کپڑے پہننے والا جھوٹے کپڑے پہنتا ہے، نہ اس میں یہ بات ہوتی ہے اور نہ ہی اس کی ذات یہ قبول کرتی ہے، اور وہ خود سے یہ جانتا ہے۔ اگر کوئی دوسرا یہ نہ جانے اور اس کے علو مرتبت ہونے کا اعتراف کرے تو وہ کسی ایک رخ سے ایسا کرتا ہے تمام رخوں سے نہیں؛ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ صرف وہی تمام رخوں سے بلند ہے؛ اور حق تعالیٰ کے سوا ہر ایک کی ہویت معلوم ہے پوشیدہ نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۹۵ب)

(٣٨) الاسم: الكبير

التعلّق: افتقارك إليه في كمال ذاتك بتحلّيك[١] بكبريائه[٢] في عالمك.

التحقّق: بنية «فعيل» لا تقتضي المفاضلة فلا[٣] يكون[٤] فوقه أكبر منه[٥]. فالكبير من حاز درجة الكبرياء على الإطلاق بحسب ما تقتضيه ذاته.

التخلّق: تحلّي[٦] النفس بأوصاف[٧] الكمال كلّها التي في قوّة الكون أن يتّصف بها. فمن حصلت له فهو الكبير الذي لا أكبر منه[٨] في المخلوقات.

---

[١] ج، م: بتجليك. ي: بتخليك.

[٢] ف: لكبريائه.

[٣] ج، م: ولا.

[٤] ف: – يكون.

[٥] ف، ي، م: – منه.

[٦] ي، م: تجلي.

[٧] ف: بأخلاق.

[٨] ي: – منه.

Marfat.com

اسم الکبیر[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اپنی دنیا میں اُس کی کبریائی سے آراستہ ہو کر تیری ذات کے کمال میں ہے۔[2]

تحقق:

فعیل کا صیغہ مقابلہ بازی کا متقاضی نہیں، سو اس سے اوپر اس سے بڑا کوئی نہیں۔ الکبیر وہ ہے جو اپنی ذات کے تقاضوں کے مطابق مطلق کبریائی کے درجے کو پالے۔

تخلق:

نفس کا اُن تمام اوصافِ کمال سے آراستہ ہونا جن سے آراستہ ہونے کی کسی موجود میں قوت ہو، جسے یہ (اوصاف کمال) حاصل ہوئے تو وہی الکبیر ہے کہ مخلوقات میں اس سے بڑا کوئی

---

[1] شیخ صدر الدین قونوی لکھتے ہیں: الکبیر وہ ہے جو کبریائی کی چادر کی بدولت ادراک کی رسائی سے دور ہو۔ (شرح اسماالله الحسنیٰ)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الکبیر" کہلاتا ہے، اور یہ حاضرت بندے کا عین ہے؛ کیونکہ کبریائی حق تعالیٰ کی چادر ہے، اور وہ تیرے سوا نہیں۔ بیشک حق تعالیٰ نے تجھ سے یہ چادر اوڑھی؛ کیونکہ تو اس کی صورت پر ہے۔ بیشک چادر اوڑھنے والے کی صورت پر ہوتی ہے، اسی لیے وہ تجھ سے ہی تجھ پر تجلی کرتا ہے، فرمایا: "جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ جس نے چادر کو پہچانا اس نے اوڑھنے والے کو پہچانا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص۹۹)

نہیں۔[1]

[1] نبی کریم ﷺ نے بروز قیامت جنت عدن میں تجلی مشاہدہ کے بارے میں فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے جلوہ افراوز ہو گا اور اس کے چہرے پر کبریاء کی چادر ہو گی، چہرہ کسی چیز کی ذات کہلاتا ہے؛ سو تیرے اور اس کے مابین حجاب حائل ہو گیا، پس نظر اس تک نہ پہنچ سکی۔... نظر تو صرف چادر تک پہنچی؛ جو کہ کبریائی ہے۔ اس نے تجھ پر ہم (یعنی ممکنات) سے تجلی کی؛ سو نظر بھی ہم تک ہی پہنچی اور ہم سے ہی جڑی؛ ہم ہی اس کی ذات پر کبریائی کی چادر ہیں۔ وہ فرماتا ہے: "میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما گیا۔"...
اس انسانی نشأت کا تمام جہان پر فضل ہے اور یہ سارا جہان انسان سے کم مرتبت اور اس سے متمیز ہے۔ یہ جہان حق تعالیٰ میں انسان کے سوا کچھ نہیں دیکھتا، جو کہ چادر ہے۔ چادر ظاہر میں اسے بھی دیکھتی ہے جو اسے دیکھے، اور یہ جہان ہی ہے۔ یوں حق تعالیٰ چادر کے ظاہر کو دیکھتے وقت اس حق کو دیکھتا ہے جو حق جہان کو دکھتا ہے۔ اور یہ دیکھنا چادر کے باطن کو دیکھنے سے کم مرتبت ہے۔ اس کائنات کے لیے احاطہ ہے کیونکہ یہ کسی ایک جہت سے مقید نہیں۔ سو حق تعالیٰ بھی سارے کا سارا چہرہ ہے اور چادر بھی چہرہ ہے۔ وہ بندے کے لیے عالم کی صورت میں ظاہر ہے جبکہ وہ اپنی ذات میں عالم سے باطن ہے، کیونکہ عالم میں اس کی صورت نہیں، کیونکہ یہ چادر اس کے اور عالم کے دیکھنے والے حق کے مابین حائل ہے؛ یوں وہ اپنا اور عالم کا باطن ہے۔ جبکہ وہ چادر کے باطن کا باطن نہیں، صرف اس کے ظاہر کا باطن ہے۔
انسان کامل حق تعالیٰ کو ظاہر میں عالم کی صورت میں اور باطن میں چادر اوڑھے دیکھتا ہے؛ سو انسان کامل کی رویت میں بھی اختلاف ہے، جب کہ دیکھنے والی آنکھ تو ایک ہی ہے۔ اسی لیے بعض لوگ روز قیامت اس کے سامنے آنے پر اس کا انکار کریں گے، جبکہ کامل انکار نہیں کرتا؛ بیشک ہر انسان کو کمال حاصل نہیں۔ اس کا انکار تو صرف حیوانی انسان کرے گا؛ کیونکہ وہ خود کائنات کا ایک جزو ہے۔ لیکن جب وہ اس نشانی میں تبدیل ہو کر آئے گا تو یہ انسان اسے جان لے گا؛ کیونکہ یہ اسے مقید ہی جانتا ہے۔ امام احوال میں مقتدی کا تابع ہے اور مقتدی افعال اور بعض اقوال میں امام کا تابع ہے۔ لہٰذا اگر کبریائی نہ ہوتی تو کبیر بھی نہ جانا جاتا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص۹۹)

(٣٩) الاسم: الحفيظ

التعلّق: افتقارك إليه في حفظ ذاتك، وطلب التأييد في حفظ غيرك.

التحقّق: الحفيظُ بِنية مبالغة، وهو الحفيظ لذاته ولغيره ممّا يناقض[١] صلاح المحفوظ حسًّا ومعنىً. وما ثمّ مَن حصل في هذه المرتبة[٢] بحكم الذات لكنّه مقيّد بأمر واحدٍ خاصّ، إلّا الخمسة من الأعداد وحدها؛ فإنّها تحفظ نفسها وتحفظ[٣] العشرين[٤] خاصّةً، والحفيظ على الإطلاق هو الله تعالى.

التخلّق: أن يُقام العبد في حفظ نفسه وفي حفظ غيره على حدّ ما أُمِر به، وقد يحفظ بهمّته وإن لم[٥] يتعلّق به أمر. ومن[٦] التخلّق بهذا الاسم أن يغضب لله كما قال بعضهم:[٧]

إِذًا لَقَامَ بِنَصْرِي مَعْشَرٌ[٨] خُشُنٌ　　عِنْدَ الحَفِيظَةِ إِنْ ذُو لُوْثَةٍ لَانَا

---

[١] م: يتناقص.

[٢] ج: الرتبة.

[٣] م: - نفسها وتحفظ.

[٤] ج: العرشين.

[٥] ج: - لم.

[٦] ي: وهذا.

[٧] والقائل هو صَفِيُّ الدينِ الحِلِّي (675 -750 هـ/ 1276 -1349م) شاعر عصره، ولد ونشأ في الحلة، بين الكوفة وبغداد، واشتغل بالتجارة فكان يرحل إلى الشام ومصر وماردين وغيرها في تجارته ويعود إلى العراق. انقطع مدة إلى أصحاب ماردين فتَقرّب من ملوك الدولة الأرتقية ومدحهم وأجزلوا له عطاياهم. ورحل إلى القاهرة، فمدح السلطان الملك الناصر وتوفي ببغداد. ج، ف، غ، ط: - كما قال بعضهم. ي: نظم.

[٨] م: معشري.

Marfat.com

اسم الحفیظ[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اپنی ذات کی حفاظت اور دوسروں کی حفاظت میں مدد کا طلب کرنا ہے۔

تحقق:

"الحفیظ" مبالغے کا صیغہ ہے، یہ اُن حسی اور معنوی شرور سے اپنی اور دوسروں کی ذوات کا محافظ ہے جو ان کے لیے نقصان دہ ہیں۔ یہاں ایسا کوئی نہیں جو ذات کے حکم سے اِس مرتبے پر پہنچا ہو لیکن وہ ایک خاص معاملے سے مقید ہوتا ہے، سوائے عدد پانچ کے؛ کیونکہ یہ اپنی بھی حفاظت کرتا ہے اور (عدد) بیس کی بھی حفاظت کرتا ہے، بیشک مطلق حفاظت کرنے والا تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔[2]

---

[1] ﴿وہ ہر چیز پر محیط ہے﴾ (فصلت: ۵۴) اس نے اشیا کا احاطہ کیا تاکہ وہ اِن کے وجود کی حفاظت کرے؛ کیونکہ یہ (اشیا) وجود کے ساتھ ساتھ عدم کو بھی قبول کرتیں ہیں۔ پس جس کے بارے میں حق تعالیٰ نے چاہا اُسے ایجاد کیا؛ اور اس کے وجود کی حفاظت کی۔ اور جسے ایجاد نہ کرنا چاہا، بلکہ عدم میں رکھنا چاہا؛ اس پر عدم کی حفاظت کی؛ اب وہ اُس وقت تک وجود پذیر نہیں ہو سکتا جب تک حق تعالیٰ اِس پر عدم کی حفاظت کرے گا۔ یہ حفاظت دائمی بھی ہو سکتی ہے اور ایک مدت تک بھی۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۲)

[2] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور ان دونوں کی حفاظت میں اسے کوئی تکلیف نہیں﴾ (البقرۃ: ۲۵۵) اور اللہ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام سے فرمایا: ﴿میں تمہارے ساتھ ہوں، دیکھ بھی رہا ہوں اور سن بھی رہا ہوں﴾ (طٰہٰ: ۴۶) کشتی نوح کے بارے میں فرمایا: ﴿یہ ہماری آنکھوں کے سامنے چل رہی ←

تخلق:

بندے کو اپنی اور دوسروں کی حفاظت میں اُس حد پر قائم کیا جائے جس کا اُسے حکم دیا گیا، بندہ اپنی توجہ سے بھی حفاظت کر سکتا ہے[1] چاہے اِس سے متعلق حکم نہ بھی ہو۔ اس اسم سے

تھی﴾ (القمر: ۱۴) یہ اشارہ تھا کہ وہی اس کا محافظ تھا؛ کیونکہ جس (چیز) کی حفاظت کی جارہی ہو وہ محافظ کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۰۱ب)

۱ فصوص الحکم میں شیخ فرماتے ہیں: اپنے خیال کی قوت سے تو ہر انسان وہم میں وہ کچھ تخلیق کر سکتا ہے جس کا وجود صرف اسی میں ہو، یہ تو عام بات ہے۔ لیکن عارف اپنی توجہ سے وہ کچھ تخلیق کرتا ہے کہ جس کا وجود توجہ کے محل سے باہر نہیں ہوتا لیکن یہ توجہ ہمیشہ ہی اِس مخلوق کی حفاظت کرتی ہے، اور اس پر یہ حفاظت دشوار نہیں۔ جب کبھی عارف اس مخلوق کی حفاظت سے غفلت برتے جو اس نے تخلیق کی تو وہ مخلوق بھی معدوم ہو جاتی ہے۔ سوائے اس صورت میں کہ عارف تمام حاضرات کو جمع کر لے، اور ایسا شخص مطلقاً غافل نہیں ہوتا بلکہ کسی نہ کسی حاضرت سے اس مخلوق کو نظر میں رکھتا ہے۔

جب عارف اپنی توجہ سے کچھ تخلیق کرے اور اُسے یہ احاطہ حاصل ہو تو وہ مخلوق ہر حاضرت میں اسی کی صورت پر ظاہر ہوتی ہے اور یہ صورتیں ایک دوسرے کی حفاظت کرتیں ہیں۔ اگر عارف کسی ایک یا ایک سے زائد حاضرات سے غافل بھی ہو جائے اور کوئی دوسری حاضرت اس کی نظر میں ہو تو وہ حاضرت اِس مخلوق کی صورت کی حفاظت کرتی ہے، اور اس ایک صورت کے بچ جانے سے باقی حاضرات میں باقی صورتیں بھی محفوظ رہتی ہیں جن سے وہ غافل ہوا؛ کیونکہ غفلت کبھی مطلقاً نہیں ہوتی، نہ عموم میں اور نہ خصوص میں۔

شیخ فرماتے ہیں: میں نے یہاں وہ راز بیان کیا ہے کہ اہل اللہ اسے بیان نہیں کرتے؛ کیونکہ اس میں ان کے دعوے کا رد ہے؛ اور وہ دعوی یہ ہے کہ وہ حق ہیں۔ حق تو کبھی غافل نہیں ہوتا جبکہ بندہ ہی غفلت کا مرتکب ہوتا ہے۔ سو حفاظت کے طور پر تو وہ اپنی تخلیق کردہ چیز سے یہ کہتا ہے: میں حق ہوں، لیکن پھر حق کی حفاظت کی طرح اس کی حفاظت نہیں کر پاتا، اور یہ فرق تو ہم بتا چکے ہیں۔ اسی غفلت برتنے کی وجہ سے بندہ حق تعالیٰ سے متمیز ہوا۔ اور یہ متمیز ہونا لازم ہے کہ وہ کسی ایک حاضرت میں کسی ایک صورت کی حفاظت سے سب صورتوں کو محفوظ رکھتا ہے، لیکن یہ ضمنی حفاظت ہے۔ جبکہ حق تعالیٰ کسی کو تخلیق کرے تو اُس کی حفاظت ایسے نہیں، بلکہ ہر صورت کے لیے اس کی حفاظت متعین ہے۔

Marfat.com

تخلق یہ بھی ہے کہ وہ اللہ کے لیے غضبناک ہو[1] جیسا کہ کسی نے کہا:

تو پھر وہ قوت والے لوگ غضب کے وقت میری مدد کو آتے، اور غضب میں صرف احمق لوگ ہی نرمی دکھاتے ہیں۔

آگے شیخ فرماتے ہیں: مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ میرے علاوہ، بلکہ مجھ سمیت کسی نے یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہیں لکھا، اور میں نے بھی صرف یہ اسی کتاب میں لکھا ہے۔ (فصوص الحکم - فصّ حکمة حقّيّة في کلمة إسحاقيّة)

[1] شیخ اکبر فتوحات میں فرماتے ہیں: جب کوئی اللہ کے لیے غضبناک ہوتا ہے تو اس کا غضب اللہ کا غضب ہوتا ہے اور اللہ کا غضب رحمت الٰہی سے باہر نہیں۔ دنیا میں اس کا غضب حدود اور تعزیرات کو نافذ کرنا ہے، جبکہ آخرت میں یہ دوزخ میں ڈالنا ہے، تاکہ اس عذاب سے اس کا غضب ختم ہو جائے اور رحمت الٰہی انہیں گھیر لے۔

Marfat.com

(٤٠) الاسم: المُقيت

التعلّق: افتقارُك إليه في أن يهبك صفةً واحدةً تقابل بها أحوالًا مختلفةً لما فيها من القوّة.

التحقّق: المُقيت معطي القوت، وهو[١] الرزق[٢] الخاصّ الذي تقوم به بنيتك، بخلاف «الرزّاق». والمقيت هو مقدِّر الأقوات والأوقات[٣]؛ أي العالِم بها.

التخلّق: أن[٤] يُقام العبد في إعطاء قدر الحاجة للمحتاج[٥] من غير مزيد، حسًّا ومعنىً، وأن يكون عالمًا بوقت ذلك وقدره.

---

[١] ج: وهذا.

[٢] م: معطي قوت الرزق.

[٣] خ، ي، ط: الأوقات والأقوات.

[٤] ي: - أن.

[٥] ج: المحتاج. ي: - للمحتاج.

Marfat.com

اسم المقیت

تعلق:

تیری اس سے محتاجی اس کا تجھے ایک ایسی قوت والی صفت دینا ہے جس سے تو مختلف احوال کا سامنا کر سکے۔

تحقق:

المقیت دانہ پانی دیتا ہے؛ یہی وہ خاص رزق ہے جس سے۔ بر خلاف (عطائے) "الرزاق" ۔تیرا ڈھانچہ قائم ہے۔ المقیت ہی وقت اور اناج کا اندازہ لگاتا ہے، یعنی وہ ان کو جانتا ہے۔[۱]

---

۱ شیخ اکبر فرماتے ہیں: "عبد المقیت" "عبد الرزاق" کا سگا بھائی ہے؛ کیونکہ رزق ہی مرزوق کا دانہ پانی ہے، اور یہ ایک خاص مقدار پر ہے، جو کہ نہ کم ہوتا ہے اور نہ بڑھتا ہے۔... سو زمین میں دانہ پانی آسمان میں امر جیسا ہے، اور زمین میں دانے پانی کا اندازہ آسمان میں وحی جیسا ہے، یہ اس کا عین ہے اس کا غیر نہیں۔...
اسی حاضرت سے ہر اُس (شے) کی غذا ہے کہ وجود میں جس کی صورت کی بقا اس غذا سے ہے۔ اور اسی حاضرت سے غذا کے اوقات اور مقدار کا تعین ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور اس نے اس میں ان کی غذا رکھ دی﴾ (فصلت:۱۰)...
شیخ فرماتے ہیں: اس شان کے عالم سہل بن عبد اللہ التستری سے دانہ پانی کی حقیقت پوچھی گئی، بولے: اللہ۔ ان سے کہا گیا: ہم تو آپ سے غذا کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ بولے: اللہ، کیونکہ اس وقت آپ حال کے غلبے تلے تھے، اور احوال اس جماعت کی زبان ہوتا ہے، جو اذواق کہلاتا ہے۔ پھر سائل نے اس وقت اپنے حال کی عطا کے مطابق تنبیہ کی، کہنے لگا: اے سہل! میں تو آپ سے اجسام اور ارواح کی غذا کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔

بقیہ

Marfat.com

تخلق:

بندے کو ایسے مقام پر ٹھہرایا جائے کہ وہ حسی اور معنوی محتاج کو اُس کی ضرورت کے مطابق دے، اس سے زائد نہیں، اور وہ اِس (ضرورت) کے وقت اور اِس کی مقدار کا جاننے والا ہو۔

سہل کو پتا چل گیا کہ یہ سائل آپ کی مراد سے لاعلم ہے؛ پھر آپ نے اسے دوسری طرح سے جواب دیا، اور یہ بھی واضح ہے کہ آپ سائل کے حال سے لاعلم تھے جیسا کہ سائل آپ کے جواب سے لا علم تھا، آپ نے اسے کہا: تیرا اس سے کیا لینا دینا؟ یعنی ارواح سے "اِس شہر کو اِس کے آباد کرنے والے کے لیے چھوڑ دے، چاہے وہ اِسے برباد کرے یا چاہے تو اِسے آباد کرے۔" آپ اب بھی وہ پہلی بات ہی کر رہے تھے لیکن ایک دوسرے انداز میں۔

گھر کی آبادی اس کو آباد کرنے والوں سے ہے۔ سو دانہ پانی "اللہ" ہی ہے جیسا کہ آپ نے پہلی مرتبہ کہا تھا۔ لیکن وہ سائل اس دوسرے جواب سے مطمئن ہو گیا؛ کیونکہ آپ نے نص سے ظاہر میں نزول کیا۔ عارفین کے اکثر جوابات اسی طرح ہوتے ہیں؛ جب وہ حال میں ہوں تو نصوص سے جواب دیتے ہیں لیکن جب مقام میں ہوں تو اپنے اوقات کے حساب سے ظواہر سے جواب دیتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۰۴ ب)

Marfat.com

(٤١) الاسم: الحسيب

التعلّق: افتقارك إليه في أن يعينك علىٰ محاسبة أنفاسك، وافتقارك[١] أيضًا في أن يرزقك كفايةً في القيام بما كلّفك[٢] حتّىٰ يكون فيك اكتفاء بذلك.

التحقّق: الاسم الخبير، من بعض وجوهه[٣] اللحوق بالاسم الحسيب[٤]، وقد يكون له تعلّق بالاسم الكافي: ﴿أَلَيْسَ اللَّـهُ بِكَافٍ عَبْدَهُ﴾[٥] ﴿وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّـهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾[٦]. ووجوه الكفاية متعدّدة لا تنحصر.

التخلّق: إذا قام العبد بمن[٧] كلّفه الحقّ القيام به فقد كفىٰ المقومَ عليه تدبير نفسه، وكذلك أيضًا إذا حاسب نفسه ظاهرًا وباطنًا في الخطرات والحركات بالنقد[٨] والتمحيص فهو حسيب بالمعنيين[٩].

---

[١] ط: + إليه.

[٢] م: خلقك.

[٣] م: + له.

[٤] خ: + وقد يكون له تعلّق بالاسم الحسيب.

[٥] [الزمر: 36]

[٦] [الطلاق: 3]

[٧] ط: بما.

[٨] ج: بالتفقد.

[٩] خ: فهو بالمعنيين حسيب.

Marfat.com

تحقق:

اسم الخبیر بعض رخوں سے اسم الحسیب سے ملتا ہے، اور اسی طرح اس کا اسم الکافی سے بھی تعلق ہو سکتا ہے: ﴿کیا اللہ اپنے بندے کو کافی نہیں؟﴾ (الزمر: ۳۶) ﴿اور جو اللہ پر بھروسا کرتا ہے تو اللہ اس کے لیے کافی ہوتا ہے﴾ (الطلاق: ۳) کفایت کے لاتعداد رخ ہیں جن کا احاطہ ممکن نہیں۔

تخلق:

جب بندہ اُس کے لیے کھڑا ہوتا ہے جس کے لیے کھڑے ہونے کا حق تعالیٰ نے اُسے مکلف کیا تو جس کے لیے وہ کھڑا ہوا وہی اِس کے نفس کی کفایت کرتا ہے۔ اسی طرح جب وہ خیالات اور حرکات میں ظاہری اور باطنی طور پر اپنے نفس کو پرکھے یا اس پر تنقیدی محاسبہ کرے تو وہ دونوں مطالب سے "حسیب" ہوتا ہے۔[1]

---

[1] شیخ اکبر نے فتوحات مکیہ میں ایک اللہ والے کا اپنے نفس کا حقیقی محاسبہ کرنا یوں بیان کیا ہے، فرماتے ہیں: ایک اللہ والا ستر برس سے پہلی صف میں نماز ادا کرتا چلا آ رہا تھا، اس کا یہ گمان تھا کہ وہ یہ عمل اللہ کے حکم سے اُس کی موافقت میں کر رہا ہے۔ پھر ایک روز راستے میں کسی مجبوری کے تحت وہ پہلی صف میں نہ پہنچ سکا۔ اُس کو یہ خیال آیا کہ جب پہلی صف میں کھڑے اُس کے ساتھی اس کو وہاں موجود نہیں پائیں گے تو پوچھیں گے کہ آج وہ کہاں ہے؟ یہ سوچ کر وہ رونے لگا اپنے نفس سے بولا: تو نے مجھے دھوکا دے دیا! ستر سال سے میں یہ سوچتا رہا کہ میرا یہ عمل اللہ کے لیے ہے جبکہ میں تو تیرے دام کا شکار تھا، اگر میرے ساتھی تیرا نہ پوچھتے تو کیا ہو جاتا؟ پھر اس نے توبہ کی اور اس کے بعد کسی ایک مسجد یا مسجد میں کوئی خاص جگہ خود سے منسوب نہ کی۔ اللہ والے تو اس طرح اپنا محاسبہ کرتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۱۰، ص ۱۱۷)

شیخ اکبر نے اپنی کتابوں "روح القدس" "مختصر الدرۃ الفاخرۃ" اور فتوحات مکیہ میں اپنے ان شیوخ کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرتے تھے، اِن میں ابو عبد اللہ محمد بن مجاہد اور ابو عبد اللہ محمد بن قسوم شامل ہیں۔ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: میری ملاقات ایسے دو شیوخ سے رہی ہے جو محاسبہ نفس کرتے

کے معمول پر سختی سے کار بند تھے۔ ان میں ایک ابو عبد اللہ ابن الجاہد اور دوسرے ابو عبد اللہ ابن قسوم تھے اور دونوں نیت والوں کے اقطاب میں سے تھے۔ شیخ فرماتے ہیں: ہم نے حضور اکرم ﷺ کے اس قول: "اپنے نفسوں کا محاسبہ کرو، اس سے پہلے کہ تمہارا محاسبہ کیا جائے" پر عمل کرتے ہوئے اور ان دونوں بزرگوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے جب اِس مقام میں قدم رکھا تو ہم اس راہ میں ان سے بھی ایک قدم آگے نکل گئے، وہ یوں کہ ہم اپنی خواطر کو بھی لکھا کرتے تھے جبکہ ہمارے شیوخ تو اپنا محاسبہ صرف اپنے اقوال اور اپنے افعال پر کیا کرتے تھے، ایک رجسٹر میں یہ سب لکھتے اور نماز عشاء کے بعد جب رات کو اپنے گھروں میں اکیلے ہوتے تو اپنا محاسبہ کرتے، اپنے رجسٹر کھولتے اور اپنے ہر ایک قول اور فعل پر غور کرتے، ہر عمل کے ساتھ ویسا ہی معاملہ روا رکھتے جیسا وہ تقاضا کرتا: اگر استغفار کا تقاضا کرتا تو استغفار کرتے، اگر توبہ کا تقاضا کرتا تو توبہ کرتے، اگر شکر کا تقاضا کرتا تو شکر بجالاتے، یہاں تک کہ اپنے روز مرہ کے تمام معاملات نپٹا کر سوتے۔

اب ہمارا یہ حال ہے کہ ہم اپنے اقوال اور افعال سے بڑھ کر اپنے نفس کی خواہشات اور ارادوں تک کو لکھتے ہیں۔ میں (یعنی ابن العربی) بھی اپنے شیوخ کی طرح ہی اپنا محاسبہ کرتا ہوں، رجسٹر کھولتا ہوں اور نفس سے ہر اس بات کا حساب طلب کرتا ہوں جو اس کے دل میں کھٹکی، جو اس نے کہی یا جو حس میں قول یا عمل کی صورت میں ظاہر ہوئی، پھر خیال آنے پر اور بات کرتے وقت اس نفس کی کیا نیت تھی کیونکہ ان پریشاں خیالوں میں بہت کم ہی کوئی کام کی بات ہوتی ہے۔ (افسوس کی بات یہ ہے کہ) طریقت میں سب سے بڑھ کر اسی عمل کو نظر انداز کیا گیا ہے جبکہ اس کا تعلق اپنے سانس تک کی نگرانی سے ہے جو کہ نہایت عمدہ ہے۔ (مخطوط: السفر-۳، ص ۴۰۱ب۔ مطبوع: جلد-۱، ص ۲۱۱)

Marfat.com

(٤٢) الاسم: الجليل

التعلّق: افتقارك إليه في أن يهبك المقام الذي إن رام[١] أحدٌ الوصول إليك فيه لم يستطع. وافتقارك أيضًا إلى[٢] أن يرزقك من التواضع إلى حدّ أن يتمكّن منك أصغر الموجودات وأحقرها بقدر وسع طاقته لُطفًا منك ورحمةً به[٣].

التحقّق: حقيقة هذا الاسم: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾[٤]، وحقيقته أيضًا نزوله إلى عباده: «هل من تائب فأتوب عليه؟ هل من داع فأستجيب له؟»، ﴿مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ..﴾[٥]، ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾[٦] «جعت فلم تطعمني، وظمئت فلم تسقني، ومرضت فلم تَعُدْني» الحديث بكماله، وهو صحيح خرّجه مسلم. ومن تحقّق هذا الاسم، الحديث: «كذّبني ابن آدم، وشتمني ابن آدم[٧]»، ومنه قيل في الله ما قيل، وذلك لنزوله لعباده[٨] في قلوبهم منزلةً اجترءوا عليه فيها وقالوا: ﴿يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ﴾[٩] وغير ذلك.

---

[١] م: يرام.

[٢] ي: في.

[٣] ي: - به.

[٤] [الشورى: 11]

[٥] [المجادلة: 7]

[٦] [ق: 16]

[٧] م: - وشتمني ابن آدم.

[٨] ي: إلى عباده.

[٩] [المائدة: 64]

Marfat.com

التخلّق: إذا انفرد العبد في نفسه مع الحقّ، وكان معه حيث لا أين ولا حيث ولا فهم، واستهلك فيه حتى يكون في ذلك المقام كما قيل[1]:

فَكَانَ بِلَا كَوْنٍ لِأَنَّكَ كُنْتَهُ

وقال الآخر[2]:

فَلَوْ تَسْأَلِ الأَيَّامَ مَا[3] اسْمِي مَا دَرَتْ ... وَأَيْنَ مَكَانِي مَا عَرَفْنَ[4] مَكَانِي

وذلك من الوجه الذي له من ربّه في إيجاده وإبقائه لا من وجه سببه، فإذا حصل في هذا المقام فهو جليل. ومن هذا الاسم أيضًا كان النبيّ - عليه السلام[5] - يمازح العجوز، ويقول للصغير: «يا أبا عُمَير؛ ما فعل النُّغَير؟»، ومن هذا الباب استطالة مَن استطال عليه من المشركين. ومن حصل[6] في هذا المقام فهو الجليل[7] أيضًا.

[1] ج، خ، ي، م: قال. ط: قال بعض العرفاء.
[2] القائل هو أبو نواس (146 -198 هـ) الحسن بن هانئ، شاعر العراق في عصره.
[3] ف: - ما.
[4] ج، ف، ي، م، ط: ما دَرَيْن.
[5] م، ط: صلى الله عليه وسلم.
[6] م: حل.
[7] م: مقام الجليل. ف، ط: جليل.

Marfat.com

اسم الجلیل

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے اُس مقام پر پہنچائے کہ اگر کوئی اِس مقام میں تجھ تک پہنچنا چاہے تو نہ پہنچ پائے۔ اور تیری محتاجی یہ بھی ہے کہ یہ تجھے اِس حد تک عجز و انکساری بخشے کہ چھوٹی سے چھوٹی اور کم تر موجودات بھی اپنی طاقت کے مطابق تجھے استعمال کر لیں؛ ایسا تیری طرف سے اُس (موجود) پر لطف و کرم اور رحمت سے ہو۔[1]

تحقق:

اس اسم کی حقیقت یہ ہے کہ ﴿اس جیسی کوئی چیز نہیں﴾ (الشوریٰ: ۱۱) اور اس کی ایک حقیقت اس کا اپنے بندوں کی جانب یہ نزول بھی ہے "کیا کوئی توبہ کا طالب ہے کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ کیا کوئی مانگنے والا ہے کہ میں اس کی پکار پوری کروں؟" ﴿اور جب تین آدمی بات کرتے ہیں تو وہ ان کا چوتھا ہوتا ہے، اور جب پانچ ہوں تو وہ اِن کا چھٹا ہوتا ہے، چاہے اس سے بڑا مجمع ہو یا چھوٹا وہ ہمیشہ ان کے ساتھ ہی ہوتا ہے﴾ (المجادلہ: ۷) ﴿اور ہم رگ جاں سے بھی زیادہ اس کے قریب ہیں﴾ (ق: ۱۶) "میں بھوکا تھا اور تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا اور تو نے

---

[1] اس حاضرت کا بندہ "عبد الجلیل" کہلاتا ہے.... نسبت جلال کی وجہ سے اس کا نام "الجلیل" ہے، حاضرت جلال سے الوہیت کا ظہور ہوا، اور مخلوق اس حاضرت کی معرفت سے عاجز ہے۔ اسی اسم سے وہ تمہارے ظاہر اور پوشیدہ کو جانتا ہے۔ سو ہر عظیم بھی جلیل ہے اور ہر حقیر بھی جلیل ہے؛ اور وہ اضداد کا مجموعہ ہے۔ ابو سعید الخراز سے پوچھا گیا: آپ نے اللہ کو کیسے پہچانا؟ فرمایا: اس کا دو الٹ چیزوں کو جمع کرنے سے۔ پھر یہ آیت تلاوت کی: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾ (الحدید: ۳) وہی اول اور آخر ہے ظاہر اور باطن ہے، یعنی ایک ہی عین سے اور ایک ہی عین میں۔

مجھے پانی نہیں پلایا، میں بیمار تھا اور تو میری عیادت کو نہ آیا۔" جیسا اس مکمل حدیث میں آیا ہے اور یہ صحیح حدیث ہے جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔ اسی اسم کے تحقق میں یہ حدیث بھی ہے: "ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور ابن آدم نے مجھے گالی دی" اور اسی سے اللہ کے بارے میں پتا نہیں کیا کیا کہا گیا، وہ اِس لیے کہ جب اُس نے بندوں کے دلوں میں (لطف و کرم سے) نزول کیا تو انہیں یہ سب کہنے کی جرات ہوئی اور انہوں نے کہا: ﴿اللہ کا ہاتھ بندھا ہے﴾ وغیرہ وغیرہ۔[1]

تخلق:

جب بندہ خود میں حق تعالیٰ کے ساتھ تنہا ہوتا ہے، اور اس کے ساتھ ویسے ہوتا ہے جہاں نہ مکان ہے نہ جہاں ہے اور نہ فہم ہے، اور اُس میں فنا ہو کر اُس مقام تک جا پہنچتا ہے جس کے بارے میں کہا گیا:

اب تو بلا وجود کے ہے کیونکہ اَب تو وہ ہو گیا ہے۔

اور ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

اگر ایام میرا نام پوچھیں کہ میرا نام کیا ہے؟ تو وہ نہیں جانتے اور میرا مقام کہاں ہے تو انہیں اس کی بھی خبر نہیں۔

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں:

إن الجليل هو الذي لا يعرف　　وهو الذي في كل حال يوصف

فهو الذي يبدو فيظهر نفسه　　في خلقه وهو الذي لا يعرف

جلیل وہ ہے جو جانا نہیں جاتا، اور جلیل وہ ہے جو ہر حال سے موصوف ہوتا ہے، وہی ظاہر ہوتا ہے اور خود کو اپنی مخلوق میں ظاہر کرتا ہے جبکہ وہی نظر میں نہیں آتا۔ (مخطوط: السفر-۱۸، ص ۹۲)

اسم الجلیل کے دو رخ ہیں۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں: ہم نے اپنی کتاب شرح اسماء اللہ الحسنیٰ (جو کہ کشف المعنیٰ عن سر اسماء اللہ الحسنیٰ) کا ہی ایک نام ہے میں اسم الجلیل کے معنیٰ کو دو مختلف رخوں سے مختصراً بیان کیا۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یہ کتاب بلا شک و شبہ شیخ اکبر کی تصنیف ہی ہے، کیونکہ اسم الجلیل کے وہ دونوں رخ ہمیں اس اسم کی شرح میں نظر آرہے ہیں۔

Marfat.com

یہ اس رخ سے جو اس کے رب کی طرف سے اس کی ایجاد اور بقا میں تھا، نہ کہ وہ رخ جو اِس کے سبب سے تھا۔ جب اُسے یہ مقام ملتا ہے تو وہ جلیل کہلاتا ہے۔ اسی اسم کی وجہ سے نبی کریم ﷺ بڑھیا سے مذاق کرتے اور بچے سے فرماتے: اے ابو عمیر! چڑیا کا کیا حال ہے؟ اور اسی سے متعلق وہ مظالم ہیں جو مشرکین نے آپ پر ڈھائے۔ جو اس مقام میں پہنچتا ہے تو وہ بھی جلیل ہوتا ہے۔

Marfat.com

(٤٣) الاسم: الكريم

التعلّق: افتقارك إليه [في] أن يهبك مكارم الأخلاق، ويمنع عنك سفسافها.

التحقّق: الكريم في العطاء هو الذي لا يردّ سائلًا، وهو الذي له الصفات الحسنى بكلّ وجه.

التخلّق: إذا اتّصف الإنسان بمكارم الأخلاق واجتنب[١] سفسافها فقد تخلّق[٢].

وإذا أخذت[٣] هذا الاسم في العطاء: فالكريم[٤] هو الذي يعطي بعد السؤال، والجواد [هو الذي يعطي] قبل السؤال، والسخيّ المعطي قدر الحاجة، والمؤثِر المعطي ما[٥] هو محتاج إليه وجودًا وتقديرًا[٦]، والواهب المعطي ليُنعِم، وهذا كلّه اصطلاح[٧].

---

[١] ف: وتجنب.

[٢] ج، ف، خ، ي: – فقد تخلق.

[٣] خ: فإذا أحدث. ط: أخذ.

[٤] م: والكريم.

[٥] ي: بها.

[٦] خ: أو تقديرا.

[٧] خ: + فاعلم.

Marfat.com

اسم الکریم[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے اعلیٰ اخلاق عطا کرے اور بُرے اخلاق کو تجھ سے دور رکھے۔[2]

تحقق:

دینے میں کریم وہ ہے جو سائل کو (خالی ہاتھ) واپس نہیں لوٹاتا، یہ وہی ہے جس کی ہر رخ سے بہترین صفات ہیں۔[3]

---

[1] اس حاضرت کا بندہ "عبد الکریم" کہلاتا ہے، یہ اسم الجلیل کا تابع اور ساتھی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن:٢٧) اور اس کا کہنا: ﴿تَبَارَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِي الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ﴾ (الرحمن:٧٨)... (مخطوط: السفر-٣٢، ص ١١٣) یعنی جلال اور اکرام ساتھ ساتھ ہیں۔

[2] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: اگر تم ہم سے پوچھو کہ تصوف کیا ہے؟ تو ہمارا جواب یہی ہو گا کہ ظاہری اور باطنی طور پر آداب شریعت پر عمل ہی تصوف ہے؛ اور یہ مکارم اخلاق ہیں کہ تو ہر چیز کے ساتھ ویسا معاملہ کر جو اس کے لائق ہے اور جس پر تیری تعریف کی جائے۔ (مخطوط: السفر-١٣، ص ٣١)

[3] شیخ اکبر فتوحات میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ بڑے اکرام والا ہے، اور اس کے ذو اکرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اُس نے اپنا وجود بخش کر تجھ پر احسان کیا، جبکہ تو کوئی موجود اور مذکور چیز نہ تھا۔ اگر اس کا کرم نہ ہوتا تو تو عدم میں ہوتا، لہذا اس کا تیرا اکرام کرنا تجھے وجود بخشنا ہی ہے۔ پھر اس وجود کی تکریم کے بعد اس نے تجھے وہ کچھ دیا جس سے تو اپنی اغراض کو پورا کرتا ہے۔... ذرا نبی کریم ﷺ کے اس قول پر غور کر کہ آپ نے کیسے انگور کو کرم کہنے سے منع کیا، یہ سب اسی اسم پر آپ کی غیرت کی بنا

Marfat.com

تخلق:

جب انسان اعلیٰ اخلاق سے متصف ہوتا ہے اور برے اخلاق کو ترک کرتا ہے تو وہ اس اسم سے متخلق ہوتا ہے۔[1] اگر تو اِس اسم کو عطا کے معنوں میں لے تو کریم وہ ہے جو سوال کے بعد عطا کرے،[2] اور الجواد وہ ہے جو سوال سے پہلے دے، سخی وہ ہے جو ضرورت کے مطابق دے

⇆ وجہ سے تھا۔ پھر فرمایا: "بیشک کرم تو مومن کا دل ہے۔" اگر تو مومن کا دل ٹٹولے گا تو اس میں حق کو موجود پائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "میں اپنے مومن بندے کے دل میں سما گیا۔" پس حق مومن کا باطن ہے اور مومن ظاہر قلب ہے۔ یہاں حق "الکریم" ہے کیونکہ قلب ہی "کرم" ہے؛ سو حق کرم کی جا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۱۴)

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: صوفیا اچھے اخلاق کے مالک ہوتے ہیں۔ پھر جب انہیں یہ پتا چلتا ہے کہ معاملے کا تقاضا یہ ہے کہ کوئی بھی اللہ کی ساری مخلوق کو خوش نہیں کر سکتا، اور اگر وہ کسی ایک کو خوش کرے گا تو لازماً دوسرے کو ناراض کرے گا، اور یہ کہ ایک ہی وقت میں سب کو خوش کرنا ناممکن ہے تو وہ دیکھتے ہیں کہ کن لوگوں کو خوش کرنا باقیوں سے بڑھ کر ہے، وہ اِس بارے میں یہ فکر نہیں کرتے کہ کون ان سے ناراض ہو گا۔ انہیں پتا چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ، اس کے محبوب فرشتے اور دونوں گروہوں میں سے پاک بشر جیسے کہ رسول، انبیا اور اکابر اولیا ہی اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ سو یہ انہیں خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر اس کے بعد ساری مخلوق کو عمومی انداز میں خوشی پہنچاتے ہیں، سوائے فسادی جنوں اور انسانوں کے۔ اور ان کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ اِن بُرے لوگوں کے مباح کاموں میں اُن کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا جائے۔ وہ اس حقیقت پر کہ یہ بھی اللہ کی مخلوق ہی ہیں، سوائے حدود قائم کرنے میں اگر وہ حکام ہوں، یا پھر گواہی دیتے وقت اگر ان پر یہ لازم ہو۔ (ماخوذ فتوحات مکیہ مخطوط: السفر-۱۱، ص ۹۴)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اسم الکریم اسی صیغے پر آیا ہے؛ کیونکہ یہ صیغہ فاعل اور مفعول دونوں کا متقاضی ہے۔ حق تعالیٰ کریم ہے؛ جب وہ دے، ہبہ کرے، سخاوت کرے، یا اپنی عنایات کی بارش سے احسان کرے۔ اور اسی طرح وہ مکرَم اور متکرم علیہ (یعنی اس پر کرم کیا جاتا) ہے؛ جب وہ قرض طلب کرتا ہے۔ سو بندے نے اپنے رب کے حکم سے ہی اُسے قرض دیا، اور اُس کی مخلوق نے اُسی کی عبادت کی؛ کیونکہ اُس نے اِنہیں اسی لیے تخلیق کیا کہ یہ اُس کی عبادت کریں، اور پھر انہیں ⇆

اور صاحبِ ایثار وہ ہے جو وہ کچھ دے کہ تقدیراً اور وجوداً جس کا وہ خود محتاج ہے، واہب انعام کے طور پر دیتا ہے، یہ سب اصطلاحات ہیں۔

⇆ ۱ اختیار دیا۔ جب انہیں اختیار دیا تو ہو سکتا ہے کہ یہ اختیار انہیں اُس چیز سے دور کر دے جس کے لیے ان کی تخلیق ہوئی؛ یعنی اللہ کی عبادت سے۔ سو اللہ کو یہ معلوم تھا اسی لیے وہ ہر صورت میں ان کے سامنے آیا، اور یہ اس نے اپنے بندوں کو بھی بتایا: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّـهِ﴾ (البقرة:۱۱۵) تم کسی طرف بھی رخ کرو وہاں اللہ ہی ہے۔...

یہ اُس کا کرم ہی ہے کہ وہ اپنے بندوں سے کرم کرواتا ہے؛ اور ان کی عطایات قرض اور صدقہ قبول کرتا ہے۔ اس نے خود کو بھوکا، پیاسا اور بیمار کہلوایا، تا کہ اس موجود کی صورت پر کرم کیا جائے جس میں حق ظاہر ہوا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۱۴ ب)

(٤٤) الاسم: الرقيب

التعلّق: افتقارك إليه في طلب مراعاة[1] حدوده[2] من غير سهو.

التحقّق: الرقيب [هو] الذي لا يغفل عمّا يكون عليه أهل مملكته من حركاتهم وسكناتهم وحاجاتهم[3]، فيعطي ويحصي[4].

التخلّق: مَن راقب في قلبه آثار ربّه ليفرّق بينها وبين آثار هواه وشيطانه، وراقب أيضًا ما يدخل عليه من خلل من خارج، وما يظهر عنه من خلل من داخل، وراقب ما[5] أمره الله – تعالى – من مراقبته من أهلٍ وتبع[6]، فقد تخلّق باسمه الرقيب.

---

[1] م: المراعاة.
[2] ي: حدود.
[3] ف: – وحاجاتهم.
[4] خ: فيحصي ويعطي.
[5] م: – ما.
[6] ط: + له.

اسم الرقیب[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اس طلب میں ہے کہ تو غلطی کے بغیر اُس کی حدود کا پاس کرے۔

تحقق:

الرقیب اپنے اہل مملکت کی حرکات، سکنات اور حاجات سے کبھی غافل نہیں ہوتا، پس دیتا بھی ہے اور شمار بھی کرتا ہے۔[2]

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الرقیب" کہلاتا ہے۔ اور حاضرات میں اس "اسم الرقیب" کی حاضرت کے سوا کوئی ایسی حاضرت نہیں جو یہ بتائے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس قول میں اپنی ذات سے ہمارے ساتھ ہے: ﴿اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں تم ہو﴾ (الحدید: ۴) کیونکہ یہ عربی لفظ "الرقبۃ" سے ہے اور "الرقبۃ" کا مطلب یہ ہے کہ تو کسی چیز کی گردن پکڑ لے۔ اور جب تو کسی شے کو گردن سے قابو کرتا ہے تو اس کی ساری صفات تیرے تابع ہو جاتی ہیں، اور اس سے منسوب نہیں ہوتیں۔ یہ بر خلاف صفت ہے؛ کیونکہ اگر تو کوئی ایک صفت اپنے قابو میں کرتا ہے تو اس سے تو ساری صفات کا مالک نہیں ہوتا۔ لیکن اگر تو موصوف کو اپنے قابو میں کر لے تو تو ساری صفات کا مالک بن جاتا ہے؛ کیونکہ یہ صفات خود سے قائم نہیں رہ سکتیں، یہ تو موصوف کی طالب ہیں اور موصوف تیرے قبضے میں ہے، یوں تو ان سب صفات کا مالک بن جاتا ہے؛ اور یہ جانور کی رسی کی طرح ہو جاتی ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۱۵ ب)

[2] اس اسم کے لیے حکم احاطہ لازم ہے؛ تاکہ مکمل نگرانی ہو سکے۔ چونکہ نگرانی کا مقصد فائدہ حاصل کرنا اور حادثات سے بچتے ہوئے اپنی حفاظت کرنا ہے۔ سو علم اس کا یہ کہنا ہے: ﴿جب تک کہ ہم جان نہ لیں﴾ (محمد: ۳۱) لہذا جب وہ کسی بندے کو آزماتا ہے تو اس کی نگرانی کرتا ہے تاکہ وہ دیکھے کہ یہ بندہ اس آزمائش میں کیا کرتا ہے۔ بیشک اس ذات نے شروع سے بندے کو نہیں آزمایا، بلکہ اس کے ⇐

تخلق:

جو اپنے دل میں اپنے رب کے آثار پر نظر رکھتا ہے تاکہ ان کے اور اپنی خواہشات اور شیطان کے آثار کے درمیان فرق کر سکے، اور جو کوئی اس خلل پر نظر رکھتا ہے جو باہر سے اس میں داخل ہوا یا اندر سے اس (دل) پر ظاہر ہوا، یا جو اُس معاملے پر نظر رکھے جس پر نظر رکھنے کا اللہ نے حکم دیا جیسا کہ اہل اور ان کے تابع معاملات، تو وہ اس کے اسم الرقیب سے متخلق ہے۔[1]

دعوے پر اس کو آزمایا؛ کیونکہ جب اس نے ان سے پوچھا: ﴿کیا میں تمہارا رب نہیں؟﴾ (الاعراف: ۱۷۲) تو سب نے کہا بیشک تو ہمارا رب ہے، یوں انہوں نے ایک دعوی کیا؛ پھر اس نے انہیں آزمایا تاکہ ان کے دعوے کی سچائی کو پرکھے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۱۶)

[1] الرقیب (بحیثیت اسم فاعل) ہر چیز پر نگران ہے، اور (بحیثیت اسم مفعول) ہر چیز اس کی نگران ہے؛ کیونکہ وہ ہر چیز کا مشہود ہے۔ لہٰذا یہ بندے کی تمام حرکات و سکنات میں اُس کی نگرانی کرتا ہے، اور بندہ اپنے دل میں اُس کے تمام آثار، خواطر، حرکات- اور وہ حرکات جن سے وہ اِس جہان سے باہر ہے- سے اِس کی نگرانی کرتا ہے۔ اِس حاضرت کا بندہ ہمیشہ علم الٰہی میں ترقی کرتا رہتا ہے؛ علم ذات، جس کے ساتھ صفات، نعوت، اسما، نسبتوں اور احکام کا علم چلتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۱۶)

Marfat.com

(٤٥) الاسم: المجيب

التعلّق: افتقارك إليه في قبول الدعاء، وأن[١] يرزقك أن لا تدعوه بما نهاك أن تدعوه[٢] به وفيه.

التحقق والتخلّق: جمعتهما آية: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي﴾[٣] وكما[٤] أنك إذا دعوته تحبّ إجابته، كذلك[٥] يريد إجابتك فيما دعاك إليه.

[١] ف، م: أن.
[٢] ف، خ، ي، م: تدعو.
[٣] [البقرة: 186]
[٤] خ: فكما.
[٥] خ: لذلك.

Marfat.com

اسم المجیب

تعلق:

اس سے تیری محتاجی دعا کی قبولیت میں ہے، اور اُس کا تجھے یہ توفیق دینا ہے کہ تو اس سے اس طرح سے وہ کچھ نہ مانگے جس طرح سے مانگنے سے اُس نے تجھے منع کیا۔

تحقق اور تخلق:

ایک آیت نے ان دونوں (یعنی تحقق اور تخلق) کو جمع کیا: ﴿جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو (کہہ دیں کہ) میں قریب ہوں، پکارنے والے کی پکار سنتا ہوں، انہیں چاہیے کہ وہ میرا کہا بھی مانیں﴾ (البقرۃ: ۱۸۶) جیسے کہ جب تو اُسے پکارتا ہے تو اُس کے جواب کا مشتاق بھی رہتا ہے اسی طرح جن کاموں کے کرنے کا اُس نے تجھے حکم دیا اُن میں وہ بھی تیرا جواب چاہتا ہے۔[۱]

---

[۱] اس حاضرت کا بندہ "عبد المجیب" کہلاتا ہے اور یہ حاضرت انفعال کہلاتی ہے۔... پھر یہ بھی جان لے کہ اجابت دو اقسام کی ہے: اجابت امتثال (یعنی حکم کی تعمیل کی اجابت) یہ مخلوق کی اجابت ہے کہ جس حکم کی جانب حق ان کو بلائے۔ دوسری اجابت امتنان (احسان کی اجابت) یہ خالق کی اجابت ہے کہ جو مخلوق اس سے مانگے... جہاں تک اجابت میں اس کے قریب ہونے کا تعلق ہے تو یہ اس کا کہنا ہے کہ وہ انسان سے اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے۔ سو اس کا انسان سے قرب انسان کا اپنے قریب ہونے جیسا ہے کہ جب وہ خود کو کوئی کام کرنے کا کہے تو وہ کر لیتا ہے۔ سو پکار اور اجابت -یعنی سننے- کے درمیان کوئی وقت نہیں بلکہ پکار کا وقت ہی اجابت کا وقت ہے۔ سو (ہم کہہ سکتے ہیں) بندے کی اجابت میں حق کا قرب ویسا ہی ہے جیسا کہ بندہ خود کو پکارتے وقت اپنی پکار سنتا ہے۔ (مخطوط: السفر -۳۲، ص ۱۱۸ ب)

Marfat.com

(٤٦) الاسم: الواسع

التعلّق: افتقارك إليه في أن يسعك كلُّ شيء، وأن تسعك رحمته المقيّدة، وإن كان التقييد[١] صفتنا لا صفته[٢]، ولكن يجب على الإنسان أن يرغب فيما رغّبه الله - تعالى - فيه، فإنّه قال: ﴿فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾[٣]، فقيّدها، فكأنّي سألت أن أكون من المتّقين[٤].

التحقّق: الواسعُ على الحقيقة هو الذي وسع[٥] كلَّ شيء ولا يسعه شيء.

التخلّق: إذا حصل العبد في مقام: «ما وسعني أرضي ولا سمائي ووسعني قلب عبدي المؤمن» فقد تخلّق بهذا الاسم. قال أبو يزيد[٦] رضي الله عنه[٧]: «لو أنّ العرش وما حواه[١] مائة ألف ألف مرّة، إلى فوق ذلك، في زاوية من زوايا قلب العارف؛ ما أحسّ به[٢]».

---

[١] م: التقيد.

[٢] ط: + تعالى.

[٣] [الأعراف: 156]

[٤] ج: + والله أعلم.

[٥] ف، خ، ي، م، ط: يسع.

[٦] أبو يزيد البسطامي: شيخ الصوفية له نبأ عجيب وحال غريب وهو من كبار مشايخ الرسالة وما أحلى قوله: لو نظرتم إلى رجل أعطي من الكرامات حتى يرتفع في الهواء فلا تغتروا به حتى تنظروا كيف هو عند الأمر والنهي وحفظ حدود الشريعة. قال أبو عبد الرحمن السلمي: أنكر عليه أهل بسطام ونقلوا إلى الحسين بن عيسى البسطامي أنه يقول له معراج كما كان النبي صلى الله عليه وسلم فأخرجه من بسطام فحج ورجع إلى جرجان فلما مات الحسين رجع إلى بسطام. قلت: كان الحسين من أئمة الحديث. وأبو يزيد فمسلم حاله له والله متولي السرائر ونتبرأ إلى الله من كل من تعمد مخالفة الكتاب والسنة. ومات أبو يزيد سنة إحدى وستين ومائتين رحمه الله تعالى. لسان الميزان - (2 / 7).

[٧] ف، خ، ي، م: - رضي الله عنه.

Marfat.com

ومن هذا الاسم يتحمّل[3] الأذىٰ والجفاء، ويجد لكلّ شيء وجهًا إلى الحقّ[4].

---

[1] ج: سواه.

[2] ج، ف، خ، ي، م: بها.

[3] م: يحتمل.

[4] ج: + والله أعلم.

Marfat.com

اسم الواسع[1]

تعلق:

تیری اس سے محتاجی یہ ہے کہ ہر چیز تجھ میں سما جائے اور اُس کی مقید رحمت بھی تجھ میں سما جائے، حالانکہ تقیید ہماری صفت ہے، اس کی نہیں۔ لیکن انسان کو چاہیے کہ اس چیز میں رغبت دکھائے جس کی جانب اللہ تعالیٰ نے اس کی رغبت دلائی؛ کیونکہ وہ کہتا ہے: ﴿میں اس (رحمت کو) متقیوں کے لیے لکھوں گا﴾ (الاعراف:۱۵۶) یوں اُس نے اِسے مقید کیا، گویا کہ میں اُس سے یہ سوال کر رہا ہوں کہ میں متقیوں میں سے ہو جاؤں۔

تحقق:

حقیقت میں الواسع وہ ہے جو ہر چیز کا احاطہ کر لے اور کوئی شے اس کا احاطہ نہ کر سکے۔

---

[1] اُس نے رحمت اِس طرح پھیلائی کہ یہ ہر چیز پر پھیل گئی، جبکہ یہ مخلوق ہے۔ سو وہ اس رحمت سے ہر ایک پر رحم کرتا ہے اور اِسی سے اپنے بندوں پر سے اپنا غضب ختم کرتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۴۲ب)

شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الواسع" کہلاتا ہے۔ فرشتوں کا کہنا ہے: ﴿اے ہمارے رب! تو ہر چیز پر رحمت اور علم سے احاطہ کیے ہوئے ہے﴾ (غافر:۷) لہٰذا انہوں نے رحمت کو علم سے آگے رکھا؛ کیونکہ اس نے چاہا کہ وہ پہچانا جائے، اور چاہنے والا اپنی چاہت پر رحمت ہی کرتا ہے؛ سو حب الٰہی کا مقام وہ پہلا مقام ہوا جس پر رحم کیا گیا۔ پھر اس نے مخلوق کو تخلیق کیا، جو کہ "نفس الرحمن" ہے، فرمایا: ﴿میری رحمت ہر شے پر محیط ہے﴾ (الاعراف:۱۵۶) یہاں ہر چیز سے مراد: ہر رحم کی گئی چیز ہے، اور اس کائنات میں ہر چیز پر ہی رحم کیا گیا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۲۱)

Marfat.com

تخلق:

جب بندے کو یہ مقام حاصل ہوتا ہے: "میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہ سما سکا لیکن اپنے بندہ مومن کے قلب میں سما گیا" تو وہ اس اسم سے متخلق ہوتا ہے۔ ابو یزید بسطامی رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے: "اگر عرش اور جس پر یہ محیط ہے لاکھ ہزار گنا بڑا ہو کر بھی قلب عارف کے کسی کونے میں سما جائے تو اس (عارف) کو اس کا احساس نہ ہو۔"[1]

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے - اللہ روح القدس سے ہماری اور تمہاری مدد فرمائے۔ بیشک اللہ کی رحمت ہر چیز پر محیط ہے، اور یہ اس کی رحمت ہی کا نتیجہ ہے کہ اللہ نے اس سے اپنے بندے کا قلب تخلیق کیا، اور پھر اسے اپنی رحمت سے وسیع بنایا؛ کیونکہ حق مومن کے قلب میں سما جاتا ہے، جیسا کہ آیا ہے: میں زمین اور آسمان میں نہ سما سکا لیکن اپنے مومن بندے کے دل میں سما گیا۔"...

بندے کا دل حق تعالیٰ کا گھر ہے؛ کیونکہ وہ اس میں سمایا، لیکن یہاں مراد مومن بندہ ہے کوئی دوسرا نہیں۔

۔پس جو حق کا گھر ہے، حق اس کا گھر ہے، کیونکہ حق کے وجود کا عین ہی موجودات کا عین ہے۔
مومن کو یہ وسعت اسی وجہ سے ملی کیونکہ وہ کائنات اور حق دونوں کی صورت پر ہے، جبکہ کائنات کا کوئی بھی جزو حق کی صورت پر نہیں، اسی وجہ سے حق نے سمانے کی بات کی۔ عارف کے دل کی وسعت کے بارے میں ابو یزید بسطامی کا کہنا ہے: "اگر عرش "یعنی اللہ کی ساری خدائی "اور اس کا ارد گرد "یعنی کائنات کے جزئیات اور اس کے اعیان "کروڑھا گنا بڑھ کر بھی" یہاں تعداد مراد نہیں بلکہ مراد لامتناہیت ہے؛ یعنی ہر وہ چیز جو وجود میں داخل ہوئی یا کبھی داخل ہو گی "عارف کے دل کے کسی گوشے میں سما جائے تو اسے اس کا احساس نہ ہو۔" وہ اس لیے کہ اس قلب میں تو قدیم سما گیا، اسے محدث موجودات کا کیا احساس ہو گا۔ یہ تو ابو یزید بسطامی کی حاضرین کو سمجھانے کے لیے وسعت تھی۔ جہاں تک اس بات کی تحقیق ہے تو یہ کہنا چاہیے: کہ جب عارف کے قلب میں حق سماتا ہے تو اس کے قلب میں ہر چیز سما جاتی ہے؛ کیونکہ ہر چیز حق سے ہی ہے؛ سو ہر چیز کی صورت اسی کے دل میں تخلیق ہوتی ہے، میرا مطلب ہے اس بندے کے دل میں جس میں حق سمایا۔ (مخطوط: السفر-۲۸، ص۹۹)

اسی اسم کی بدولت وہ تکلیف اور جفا برداشت کرتا ہے، اور اُسے ہر چیز میں حق کا رخ دِکھتا ہے۔

Marfat.com

(٤٧) الاسم: الحكيم

التعلّق: افتقارك إليه في[1] أن يرزقك وضع الأشياء مواضِعها، وترتيب الأُمور في محالّها وأزمانها وأمكنتها.

التحقّق: لهذا الاسم وجه إلى القضاء، وقد ذكرناه في الاسم «الحَكَم»، ووجه إلى الحكمة؛ وهو ترتيب الأشياء في مواضعها، ومعرفة المناسبات بين الأشياء.

[التخلّق:] فمن حصل[2] له معرفة هذه الأشياء[3] في العلوم والتعليم والأعمال، وأن[4] يدعو الله بالاسم المناسب لحاجته[5] على التخصيص، فقد تخلّق[6] بهذا الاسم.

Marfat.com

---

[1] ج، ف، م، خ، ط: - في.

[2] م: - حصل.

[3] ج: - بين الأشياء. [التخلّق:] فمن حصل له معرفة هذه الأشياء.

[4] ي: في أن.

[5] م: بحاجته.

[6] خ: تحلى.

اسم الحکیم[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے چیزوں کو اُن کی مناسب جگہ پر رکھنا، اور امور کی ترتیب اُن کی جگہوں اور وقت کے مطابق کرنا بتائے۔[2]

[1] اس حاضرت کا بندہ "عبد الحکیم" کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر عطا کی گئی﴾ (البقرۃ:۲۶۹) ... یہ حاضرت علم ترتیب عطا کرتی ہے، ہر چیز کو اس کا حق دینا، اور اس کی مناسب جگہ پر رکھنا۔ تاکہ دیکھنے والا بندہ جان جائے کہ اللہ تعالیٰ ہی اشیا کا وضع کرنے والا ہے، اور وہ حکیم ہے۔ اس نے ہر چیز کو اس کی جگہ پر رکھا، اور اسے اس کی جگہ پر اتارا۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۲۳ب)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: صاحب حکمت کبھی اللہ تعالیٰ پر کائنات میں موجودات کے بارے میں اُس کے وقت کی ترتیب پر اعتراض نہیں کرتا، اور وہ اپنی عقل اور فکر کو اپنے رب کی حکمت پر ترجیح دیتے ہوئے یہ نہیں کہتا: "اگر ایسا اس وقت ہوتا تو اس ترتیب اور نظم میں بہتر ہوتا۔" اس نے اپنے اس قول میں غلطی کھائی: "اگر ایسا اس وقت ہوتا" اس قول میں نہیں کہ "اگر ایسا ہوتا تو بہتر ہوتا۔" جب حکمت وقت اس کی نظر سے اوجھل رہی تو اس نے سوچا کہ یہ وقت بہتر ہے؛ اور اس وقت کا یہی تقاضا ہے۔ یہ تو عقلی سوچ ہے؛ کیونکہ ہر ممکن کے لیے وقت ایک ہی حیثیت پر ہے؛ اور کسی چیز کے لیے کوئی ایک وقت کسی دوسرے وقت سے بہتر نہیں۔ لیکن ترجیح دینے والا، وقت اور اُس کے تقاضوں کو جانتا ہے کیونکہ وہ وقت کا بھی خالق ہے، یہ عقلی سوچ کا حامل تو وقت کا خالق نہیں، اصل خالق ہی اپنی تخلیق کو جانتا ہے۔ سو اُس نے اس مخلوق میں وہی ترتیب رکھی جس کا تقاضا اس مخلوق نے کیا کیونکہ ﴿اس نے ہر چیز کو اس کی تخلیق بخشی﴾ (طٰہٰ:۵۰) (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۱۲۴)

Marfat.com

تحقق:

اِس اسم کا ایک رخ حکم کی جانب ہے، جو ہم "اسم الحکم" میں ذکر کر چکے ہیں، اور دوسرا رخ حکمت کی جانب ہے: یہ چیزوں کا اُن کی جگہوں پر ترتیب سے رکھنا، اور چیزوں کے درمیان مناسبت کا جاننا ہے۔

تخلق:

جسے علوم، تعلیم اور اعمال میں اِن اشیا کی معرفت حاصل ہو، اور جو اللہ کو خاص اپنی حاجت سے مناسبت رکھنے والے اسم سے پکارے، تو وہ اس اسم سے متخلق ہے۔

Marfat.com

(٤٨) الاسم: الودود

التعلّق: افتقارك إليه[١] في ثبات ودّه، وودّ[٢] من أمر بودّه في نفسك.

التحقّق: الودّ [هو] الإقامة على المحبّة والثبات فيها، ﴿وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا﴾[٣]، ويُقال في الوتد «وَتد» و «وَدّ»[٤] لإثباته[٥] وثباته. والمحبّ مَن خلص حبّه وصفا، والوَدود مَن ثبت حبّه.

التخلّق: إذا ثبت حبّ الله عزّ وجلّ[٦]، وحبّ من أمر بحبّه في قلب العبد، على كلّ حال يطرأ من المحبوب ممّا يوافق وممّا لا يوافق، سُمّي ودودًا.

---

[١] ف: - إليه!.

[٢] م: ثبات وده في نفسك أي وده.

[٣] [النبأ: ٧]

[٤] ف: - وود.

[٥] م: - ﴿وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا﴾ ويُقال في الوتد «وَتد» و «وَدّ» لإثباته.

[٦] م: - عز وجل.

Marfat.com

اسم الودود[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی تیرے نفس میں اُس کی اور جس سے محبت کا وہ کہے اُس کی محبت کا ثابت ہونا ہے۔[2]

تحقق:

"الود" محبت پر قائم ہونا اور اس پر ثابت قدم رہنا ہے ﴿اور پہاڑوں کو میخوں کی طرح گاڑ دیا﴾ (النبا: ۷) "الوتد" (یعنی میخ) کو اِس کے ثبات اور اثبات پر ہی "وتد" اور "وڈ" کہا جاتا ہے۔ محب (یعنی محبت کرنے والا) وہ ہے جس کی محبت خالص اور صاف ہے، اور "الودود" وہ ہے

[1] اسم الودود سے اس کے بندوں میں اس کی محبت ثابت ہے؛ لہذا اس سابق محبت پر ان کے گناہ اثر انداز نہیں ہوتے؛ کیونکہ یہ گناہ بھی تو سابق قضا اور قدر کے حکم سے ان پر اترے، اس سے دور کرنے اور دھتکارے جانے کے لیے نہیں ﴿لِّيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ (الفتح: ۲) تاکہ اللہ تیرے اگلے پچھلے گناہ بخش دے، لہذا جن سے محبت کی جائے اُن کے لیے سابق مغفرت ہوتی ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۳)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: یہ حاضرت "وڈ" ہے اور اس کا بندہ "عبد الودود" کہلاتا ہے۔ اس حاضرت والوں کے لیے اللہ کا فرمان ہے: ﴿وہ ان سے محبت کرتا ہے اور یہ اس سے محبت کرتے ہیں﴾ (المائدۃ: ۵۴) اور فرمایا: ﴿سو میری اتباع کرو اللہ تم سے محبت کرے گا﴾ (آل عمران: ۳۱) ایک صحیح حدیث میں آیا ہے: "جب اللہ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی سماعت، بصارت، ہاتھ اور ٹانگ ہوتا ہے" اور حق تعالی کی نہ ختم ہونے والی قوتیں بندے کو حاصل ہوتی ہیں۔ چاہے یہ شخص اندھا یا گونگا ہی کیوں نہ ہو، کیونکہ یہ صفت اندھے، گونگے اور بہرے پن کے حجاب کے پیچھے موجود ہوتی ہے؛ سو وہ ودود ہونے کی حیثیت سے ثابت محبت والا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۲)

Marfat.com

جس کی محبت ثابت (یعنی غیر متزلزل) ہے۔[1]

تخلق:

جب بندے کے دل میں اللہ کی محبت اور جس سے محبت کرنے کا اُس نے حکم دیا، محبوب سے جاری ہر اُس حال میں - جو اِس (محب کے مزاج) سے موافقت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو - قائم رہے تو ایسا بندہ "ودود" کہلاتا ہے۔

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: صفت محبت کے چار احوال ہیں، ہر حال کا ایک نام ہے جس سے وہ جانا جاتا ہے، وہ یہ ہیں: ۱- الہوی (چاہت)، ۲- الودّ (پیار)، ۳- محبت، ۴- عشق۔ دل کا اس سے پہلا لگاؤ چاہت (یعنی الہوی) کہلاتا ہے۔ "ھوی" "ھوی النجم" ستارے کے گرنے سے ہے۔ (جیسے Fall in love) پھر "الودّ" (یعنی پیار) ہے؛ یہی اس کا ثبات ہے۔ پھر الحب (یعنی محبت) ہے، یہ اس کا صاف ہونا اور محب کا اپنے ارادے سے خالی ہونا ہے، کیونکہ وہ محبوب کے زیر ارادہ ہوتا ہے۔ پھر عشق ہے: یہ محبت کا دل سے لپٹ جانا ہے، یہ عشقہ سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ایسی کانٹے دار بیل ہے جو درختوں سے لپٹ کر اوپر تک چڑھ جائے۔ سو عشق بھی محبت کرنے والے کے دل سے لپٹ جاتا ہے یہاں تک کہ اِسے اپنے محبوب کے سوا ہر ایک کی طرف دیکھنے سے اندھا کر دیتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۲ب)

Marfat.com

(٤٩) الاسم: المجيد

التعلّق: افتقارك إليه في تشريف ذاتك بما أثني عليه من الصفات.

التحقّق: الشريف [هو] من كان شرفه لذاته من حيث أنّها لا تشبه الذوات ولا يجوز عليها ما يجوز على الممكنات. ومن كانت[١] صفاته من الشرف بحيث لا يجوز عليها ما يجوز[٢] على الصفات الشريفة للممكنات[٣]، فهو أحقّ بالاسم[٤] المجيد على المبالغة.

التخلّق: الشرف للعبد، من اسمه المجيد، [هو] التخلّقُ بأخلاق الله على الإطلاق. فمن حصل بهذه المنزلة فهو مجيد[٥] على المبالغة في الممكن[٦].

[١] خ: كان.

[٢] ف: – على الممكنات. ومن كانت صفاته من الشرف بحيث لا يجوز عليها ما يجوز.

[٣] ج: الممكنات.

[٤] م: باسمه. ف، ي، ط: باسم.

[٥] خ: مجيدا.

[٦] ي: – في الممكن.

Marfat.com

اسم المجید[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اپنی ذات کو ایسے بلند کرنا ہے کہ اِس پر صفات کی تعریف کی جائے۔

تحقق:

(حقیقی) شرف تو اسی کا ہے جس کا شرف اپنی ذات سے ہے، وہ اس طرح کہ وہ دیگر ذوات جیسی نہیں، اور نہ ہی اس کے لیے ان (نقائص کا اطلاق) جائز ہے جن کا (اطلاق) ممکنات

[1] وہ اس حیثیت میں المجید ہے کہ شرف سے موصوف ہر ایک پر اُسی کا شرف ہے۔ اس جہان کا شرف اللہ تعالیٰ سے منسوب ہونے میں ہے کہ یہ اس کی تخلیق اور اس کا فعل ہے؛ اس جہان کا شرف خود سے نہیں۔ حقیقت میں شرف والا وہی ہے جس کا شرف اس کا ذاتی ہو، اور وہ اللہ کے سوا کوئی نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۳)

اس حاضرت کا بندہ مجید کہلاتا ہے، اور قرآن بھی مجید ہے؛ یہ اللہ کا کلام ہے، سو یہ اُس کا عین ہے۔... جب نمازی یہ پڑھتا ہے: ﴿ملك يوم الدين﴾ (الفاتحہ: ۴) تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے مجھے بزرگی دی، یعنی خود پر میرے شرف کا اظہار کیا، جیسا کہ حقیقت بھی یہی ہے۔ اس اعتراف پر غور کر، یہی وہ حق ہے جس کو اصل بزرگی حاصل ہے، اور یہ کلام بلا خلاف اسی کا کلام ہے؛ کیونکہ یہ قرآن ہے! اور اس نے خود بتایا ہے کہ وہ ﴿ملك يوم الدين﴾ کہنے پر کہتا ہے: "میرے بندے نے مجھے بزرگی دی۔" یہ اللہ کی طرف سے خدائی تنبیہ ہے کہ یہ معاملہ نسبی ہے۔ کیونکہ اگر یہاں کوئی ثابت وجود اور موجود عین والا نہ ہوتا تو وہ کس سے بزرگ اور برتر ہوتا؛ لہٰذا بندے کے وجود نے ہی اِسے بزرگ اور برتر بنایا۔ سو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس قول میں کہ "میرے بندے نے مجھے بزرگی دی" حق کہا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵ ب)

Marfat.com

پر کیا جاتا ہے۔اور جس کی ایسی شرف والی صفات ہوں کہ اُس کے لیے وہ جائز نہ ہو جو ممکنات کی شرف والی صفات کے لیے جائز ہے تو وہ اِسم الجید کا حق دار ہے جو کہ (اسم الماجد) سے مبالغے کے صیغے پر ہے۔

تخلق:

اس کے اسم الجید سے بندے کو حاصل شرف در اصل اخلاق اللہ سے مطلقاً متخلق ہونا ہے۔جو اِس منزلت کو پا گیا تو وہ مجید ہے اور یہ ممکن میں مبالغے کے صیغے پر ہے۔

Marfat.com

(٥٠) الاسم: الباعث

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يرزقك الإفادة عن همّة مؤثّرة في المستفيد[٢] حالًا.

التحقّق: الباعث على الإطلاق مَن يَبعث لا عن باعث حتى لا يكون مبعوثًا لباعثه أن يَبعث[٣]؛ وذلك لا يكون إلّا الله[٤] وحده. ويحتاج هذا الفصل إلى نظر وتحقيق يفكّر[٥] فيه مَن ينظر في كلامنا هذا.

التخلّق: لا يصحّ البعث، المقصود هنا[٦]، إلّا بعد الموت، فإنّ الله - تعالى - يقول: ﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ﴾[٧] وهل يكون الموت عن حياة أو[٨] لا؟ فيه نظر. «كلّ مولود يُولد[٩] على الفطرة» فهو حيّ، ثمّ يغلب عليه بهذا التركيب الطبيعيّ موت القلب بالجهل، وموت الجوارح بالمخالفات. فإذا أحييته من هذا الموت بالعلم الشريف على ضرويه، وأحييته بالموافقة من موت المخالفة التي كان فيها عمومًا، حسًّا ومعنًى، كنتَ باعثًا، ولكن عن باعث، لا بدّ من ذلك.

---

[١] خ: - في.

[٢] م: المفيد.

[٣] ط: - أن يبعث.

[٤] ج: لله.

[٥] ي: تفكر.

[٦] ف، خ، ي، م: + بالأول.

[٧] [الجمعة: 2]

[٨] خ، م: أم

[٩] م: ولد.

Marfat.com

اسم الباعث[1]

تعلق:

تیری اس سے محتاجی اس کا تجھے وہ تاثیر والی توجہ کا دینا ہے جن سے تو تجھ سے فائدہ حاصل کرنے والوں کا بھلا کر سکے۔

تحقق:

باعثِ مطلق وہ ہے جو بغیر کسی سبب کے مبعوث کرے تاکہ وہ اس سبب کا محتاج نہ ہو؛ اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہو سکتا ہے۔ یہ باب نظر اور تحقیق کا محتاج ہے، اس میں وہ غور کرے جس کے پیش نظر ہماری یہ بات ہے۔

[1] البعث عمومی بھی ہے اور خصوصی بھی۔ عمومی بعث ممکنات کو عدم سے وجود میں لانا ہے اور خصوصی بعث احوال میں ہے؛ جیسے انبیا کا بھیجنا، یا پھر دنیا، برزخ اور آخرت میں نیند اور موت سے دوبارہ زندہ کرنا۔ اس جہان میں ہر حال اور عین کا بعث اسم الباعث سے ہے۔ (ماخوذ از فتوحات مکیہ مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۳)

اس حاضرت کا بندہ "عبد الباعث" کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وہی تو ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا﴾ (الجمعہ: ۲) اور فرمایا: ﴿اور اللہ ہی انہیں جِلا اٹھائے گا جو قبروں میں سوئے ہیں﴾ (الحج: ۷) اور کہا: ﴿ہم اس وقت تک عذاب نہیں دیتے جب تک کہ رسول نہ بھیج لیں﴾ (الاسراء: ۱۵) اور فرمایا: ﴿جس روز اللہ سب کو جِلا اٹھائے گا﴾ (المجادلہ: ٦) اسی حاضرت سے اس نے رسول مبعوث کیے، کتابیں نازل کیں، اور لوگوں کو جی اٹھنے کے بعد جمع کرے گا۔ پھر وہ انہیں اس حاضرت سے جنت اور دوزخ میں ان کے گھروں کو بھیجے گا؛ ہر ایک کو اپنے عمل کی مناسبت سے۔ سو وہ انہیں جی اٹھائے گا اور ان کی طرف بھیجے گا۔ سو دنیا، برزخ اور آخرت میں بعث جاری و ساری ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۳٦ب)

Marfat.com

تخلق:

یہاں پر مقصود بعث صرف موت کے بعد جی اٹھنا ہی ہے، بیشک اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
﴿وہی تو ہے جس نے اَن پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا﴾ (الجمعہ: ۲) کیا موت زندگی کے بعد ہے یا اس سے پہلے بھی ہے؟ یہ بات غور طلب ہے۔ ہر مولود فطرت پر پیدا ہوتا ہے سو وہ زندہ ہے، پھر اس طبعی ترکیب کے غلبے تلے اِس کا دل جہالت کی موت، اور اعضا مخالفات کی موت سے مر جاتے ہیں۔ پھر اگر تو نے دل کو اِس موت کے بعد مختلف اقسام کے بلند مرتبہ علوم سے زندہ کیا، اور اِسے مخالفت کی موت۔ جس میں وہ اپنے عمومی احوال میں حسی اور معنوی طور پر تھا۔ کے بعد موافقت کی زندگی بخشی تو تو باعث (زندہ کرنے والا) ہوا، لیکن کسی سبب سے، کہ یہ لازم ہے۔

Marfat.com

(٥١) الاسم: الشهيد

التعلّق: افتقارك إليه[1] في أن يرزقك مشاهدته حيث كانت، وأن يرزقك[2] الحياء منه[3].

التحقّق: الشهيدُ هو الحاضر الذي يراك حين تقوم، والشهيد هو[4] المشهود أيضًا لأنّ بنية «فعيل» تقتضي ذلك. فهو المشهود - سبحانه - في كلّ شيء، وعند كلّ شيء، وقبل كلّ شيء[5]، وبعد كلّ شيء، على حسب طبقات القوم[6]، وهو الشاهد على كلّ شيء ومع كلّ شيء.

التخلّق: إذا عرفت أنّك مشهود له؛ لم يرك[7] حيث نهاك، ولا يفقدك حيث أمرك. وإذا كنت شاهدًا له لزمك الحياء له[8]، وقد جمعهما خبر واحد صحيح: «اعبد الله كأنّك تراه، فإن لم تكن تراه فإنّه يراك».

---

[1] م: - إليه.

[2] ج: - مشاهدته حيث كانت، وأن يرزقك.

[3] ي: يرزقك الحياة.

[4] ج، ف، خ، م: - هو.

[5] م: - قبل كل شيء.

[6] ي: العوالم.

[7] ط: اجتهد ألا يراك.

[8] ف، خ، ي، م، ط: منه.

Marfat.com

اسم الشہید

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے - جہاں تو ہے وہاں - اُس کا مشاہدہ کروائے، اور تیری اُس سے حیا[1] بڑھائے۔

تحقق:

شہید وہ حاضر ہے جو تجھے اُس وقت دیکھتا ہے جب تو اٹھتا ہے، اسی طرح شہید مشہود بھی ہے کیونکہ "فعیل" کا صیغہ فاعل اور مفعول دونوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ لہذا وہ پاک ذات ہر چیز میں، ہر چیز کے پاس، ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز کے بعد - ان لوگوں کے طبقات کے مطابق - مشہود ہے۔ اسی طرح وہ ہر چیز پر اور ہر چیز کے پاس شاہد (بمعنی گواہ) ہے۔

تخلق:

جب تو یہ جان گیا کہ تو اُس کا مشہود ہے؛ تو اب کوشش کر کہ "وہ تجھے کسی ایسی حالت میں

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: بیشک حیا ایمان کا جزو ہے، اور حیا ساری کی ساری خیر ہے جو صرف خیر ہی لاتی ہے۔ اس صفت یعنی حیا کی حقیقت "ترک کرنا" ہے؛ بیشک ہر موجود میں ترک اصل پر باقی رہنا ہے، جبکہ عمل اصل سے زائد وجودی فرع ہے، اسی لیے حیا کے بارے میں کہا گیا: اس میں ہر بھلائی ہے۔ حیا ایک سلبی اضافی وصف ہے۔ جب بندہ اللہ کے کام اللہ کے لیے چھوڑ دیتا ہے... تو وہ اللہ سے ویسے حیا کرتا ہے جیسا کہ اس کا حق ہے۔ شیخ فرماتے ہیں: چونکہ حیا ایسی صفت ہے جو ایمان سے منسوب ہوتی ہے بلکہ یہ ایمان کی ذات ہے تو انسان کی ظاہری صورت میں اس کا اثر انسان کے چہرے پر ہوتا ہے؛ کیونکہ کسی شے کا چہرہ اس کی ذات، اس کا عین یا حقیقت ہی ہوتی ہے۔ (جلد-۲، ص ۲۲۴)

Marfat.com

نہ دیکھے جس سے اُس نے تجھے منع کیا، اور تجھے وہاں غیر موجود نہ پائے جہاں ہونے کا اُس نے تجھے حکم دیا۔"[1] اور جب تو اس کا (شاہد) دیکھنے والا ہو تو تجھ پر لازم ہے کہ اُس کے لیے حیا کر، ایک صحیح حدیث نے ان دونوں باتوں کو یوں جمع کیا: "اللہ کی عبادت ایسے کر کہ جیسے تو اُسے دیکھ رہا ہے، اگر تو نے اُسے نہیں بھی دیکھا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔"

---

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ سے حیا یہ ہے کہ وہ تجھے وہاں نہ پائے جہاں جانے سے اُس نے تجھے منع کیا، اور تجھے وہاں غیر موجود نہ پائے جہاں ہونے کا اُس نے تجھے حکم دیا۔ اس بات سے شارع نے ایمان کی تمام شاخوں کو گھیر لیا، یہ ایسا مقام ہے جو امر و نہی اور تکلیف کے ساتھ ہے، اور جب تکلیف کی مدت ختم ہو گئی تو چاہیے تو یہ تھا کہ یہ مقام بھی زائل ہو جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ سو جان لے کہ حیا کے وجود کی حقیقت میں اس علم کا وجود ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے لیے واجب ہے، جس سے تو قائم ہے اور جو تجھ سے عقلاً اور شرعاً مطلوب ہے۔ اب یہ بھی ناممکن ہے کہ مخلوق عقلاً اور شرعاً اللہ تعالیٰ کی تعظیم کا حق ادا کر سکے، اس نے اپنے رب سے ملنا بھی ہے اور اسے دیکھنا بھی ہے تو یہ اس کا مقام ہے، حیا دنیا اور آخرت میں اس کے ساتھ ہو گی؛ کیونکہ وہ ہمیشہ سے اس کا ذکر کرتا رہتا ہے جو اس کے ذمے ہے اور اس کا ذکر بھی کرتا ہے کہ وہ کسی بات میں بھی اللہ کا حق نہیں ادا کر پایا۔ ایک خبر میں اس بات کی تائید آئی ہے کہ جب بروز قیامت حق تعالیٰ تجلی فرمائے گا، اپنے بندوں پر سے حجاب اٹھائے گا اور جب ان کی طرف نظر کرم فرمائے گا تو وہ کہیں گے: پاک ہے تو کہ ہم تیری عبادت ویسے نہ کر سکے جیسا اس کا حق تھا۔ اللہ سے حیا نے ہی ان سے یہ اعتراف کروایا، اور حیا نے ہی یہ بلوایا۔ (جلد-۲، ص ۲۲۵)

Marfat.com

(٥٢) الاسم: الحقّ

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن لا تنطق إلّا بحقّ، ولا تمشي إلّا بحقّ[٢]، ولا تتحرّك ولا تسكن إلّا بحقّ لحقّ[٣].

التحقّق: الحقّ أقصىٰ درجاته الواجب الوجود لذاته.

التخلّق: وقوفك علىٰ العلم[٤] الذي تعرف به أنّك واجب الوجود به[٥] لا بنفسك، وموضع الاشتراك [هو] الوجوب لا[٦] الوجود. فالعبد إذن ليس بباطل من هذا الوجه؛ لأنّ الباطل هو العدم، والألفاظ الدالّة عليه وجودٌ فهي حقّ، وإن كان مدلولها[٧] لا شيء. وإنّما يُقال فيما سوىٰ الله - تعالىٰ - باطل، كما قال لَبيد[٨]:

أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلُ[٩]

---

[١] ج، ف، خ، م: - في.

[٢] ي، م: - ولا تمشي إلّا بحقّ.

[٣] ف، م: - لحقّ.

[٤] م: وقوفك علم.

[٥] ف: - به.

[٦] م: في.

[٧] ج: مدلولها.

[٨] لَبيد بن ربيعة العامِري: (? - 41 هـ / ? - 661 م) لبيد بن ربيعة بن مالك أبو عقيل العامري. أحد الشعراء الفرسان الأشراف في الجاهلية. من أهل عالية نجد. أدرك الإسلام، ووفد علىٰ النبي (صلىٰ الله عليه وسلم). يعد من الصحابة، ومن المؤلفة قلوبهم. وترك الشعر فلم يقل في الإسلام إلّا بيتًا واحدًا. وسكن الكوفة وعاش عمرًا طويلًا. وهو أحد أصحاب المعلقات.

[٩] ي، ط: + وكل نعيم لا محالة زائل.

Marfat.com

لمّا[1] كان وجود هذا الشيء مستفادًا، فليس له من حيث ذاته إلّا[2] العدم وقبول الوجود.

[1] م: ولما.
[2] ي: - إلا.

Marfat.com

اسم الحق[1]

تعلق:

تیری اِس سے محتاجی یہ ہے کہ تو حق کے سوا کچھ نہ بولے، اور حق کے سوا کسی راہ پر نہ چلے، اسی طرح تیری (ہر) حرکت اور سکون حق سے حق کے لیے ہونا چاہیے۔

تحقق:

حق کا سب سے اعلیٰ درجہ اپنی ذات سے واجب الوجود ہونا ہے۔

تخلق:

یہ تیری اُس اسم علم تک رسائی ہے جس سے تو یہ جانے کہ تو اُس (ذات) سے واجب الوجود ہے خود سے نہیں، یہاں جائے اشتراک وجوب ہے وجود نہیں۔ اِس رخ سے بندہ باطل

---

[1] الحق وہ وجود ہے کہ باطل - جو کہ عدم ہے - نہ اس کے آگے سے اس میں داخل ہوتا ہے نہ پیچھے سے ... سو حق وہ وجود ہے کہ نہ عدم اس سے پہلے ہے نہ بعد، بر خلاف مخلوق؛ کہ مخلوق عدم سے ہے اور اس کا مآل بھی عدم پر ہے، جس کا اسے شعور نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۳ ب)

اس حاضرت کا بندہ "عبد الحق" کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿حق کے بعد تو صرف گمراہی ہی ہے﴾ (یونس: ۳۲) حق کے بعد تو مخلوق ہے، اور گمراہی کا مطلب حیرت ہے، مخلوق سے ہی حیرت کا حکم ظاہر ہوا۔

سو حق کے وجود کا عین محقق نور ہے اور مخلوق کے وجود کا عین سایہ ہے جو اسی کے تابع ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۳۹ ب)

Marfat.com

نہیں[1]؛ کیونکہ باطل عدم ہے، حالانکہ اِس پر دلالت کرنے والے الفاظ وجود رکھتے ہیں تو یہ بھی حق ہوا، اگرچہ ان الفاظ کا مدلول کسی چیز کا نہ ہونا ہے۔ کہا گیا ہے کہ اللہ کے سوا ہر ایک باطل ہے، جیسا کہ لبید نے کہا:

جان لو کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے۔

چونکہ اس چیز کا وجود کسی سے لیا گیا، سو اس شے کی ذات سے اسے صرف "عدم" اور "وجود کا قبول کرنا" ہی ملا۔

---

[1] بیشک حق وجود کا عین ہے، جبکہ مخلوق نے اِسے اطلاق سے قید کیا۔ سو مخلوق نے مقید کو قید کیا؛ لہٰذا (مخلوق کا) حکم (مخلوق) کے لیے (مخلوق) سے ہے۔ جبکہ حق الحاکم ہے، اور وہ حق سے حکم لگاتا ہے۔ یوں "حق کا حق" خلق کا عین ہے ﴿تم کدھر پھرے جا رہے ہو﴾ (یونس: ۳۲) یہ معاملہ ویسے ہی ہے جیسے ہم نے کہا، مخلوق کو خلق اِسی لیے کہا گیا کہ اس سے جو کچھ متجدد ہوا۔ سو خلق جدید ہے، اور اسی میں افترا کی حقیقت ہے؛ کیونکہ جب تو اِسے ایک رخ سے دیکھتا ہے؛ تو کہتا ہے: یہ حق ہے، اور جب دوسرے رخ سے دیکھتا ہے تو کہتا ہے: یہ خلق ہے، جبکہ درحقیقت نہ یہ حق ہے اور نہ حق سے جدا ہے، لہٰذا اِس پر حق یا خلق کا اطلاق ایک جھوٹ یا دعویٰ ہے۔ مخلوق پر جب یہ حکم غالب رہا تو اسے خلق کہا گیا، اور حق اسم حق سے منفرد ٹھہرا؛ کیونکہ اس کے لیے وجود کا وجوب خود سے ہے، اور مخلوق کے لیے وجود کا وجوب اس سے ہے، میں یہ نہیں کہتا: اس کے غیر سے؛ کیونکہ غیر کی کوئی حقیقت نہیں، حالانکہ اس کا حکم ہے۔ جیسے کہ نسبت کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی جبکہ اِس کا حکم ہوتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۳۹ ب)

Marfat.com

(٥٣) الاسم: الوكيل

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يُوفّقك أن تتّخذه[٢] وكيلًا.

التحقّق: الوكالة مطلَقة ومقيَّدة ودوريّة، وهي[٣] اسم مفعول تحتاج[٤] إلى جعل جاعل. ولمّا فطر الله - تعالى - العباد وجعلهم خلف حجاب الأغيار[٥] والنظر إلى الأسباب، خاطبهم من خلف هذا الحجاب أن يتّخذوه وكيلًا في مصالحهم. ومن عموم الوَكالة أن يُفوّض إليه أن يوكّل من شاء. فوكّل الأنبياء - صلوات اللهُ عليهم - في التعريف بأسباب المصالح والسعادة وتعيينها، وأنّ الرشد في استعمالها والسفه في إهمالها. فقال: ﴿لَا إِلَـٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا﴾[٦] وقال: ﴿أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا﴾[٧] يعني الأسباب التي احتجب بها وخاطبك[٨] من خلفها: ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللَّـهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ﴾[٩].

---

[١] ج، ف، خ، م، ط: - في.

[٢] ي: يوفقك في متخذه.

[٣] ج: وهو.

[٤] ج: يحتاج.

[٥] خ: الأعيان.

[٦] [المزمل: 9]

[٧] [الإسراء: 2]

[٨] ف: التي احتجبت بها وخاطبتك.

[٩] [الشورى: 51]

Marfat.com

التخلّق: ﴿وَأَنفِقُوا مِمَّا جَعَلَكُم مُّسْتَخْلَفِينَ فِيهِ﴾[1] فقد وكّلك فيما استخلفك فيه من أهل ومال وعمل ومُلك، وتعلم أنّ للوكالة شروطًا إن لم يف بها الوكيل لم[2] يصحّ تصرّفه، فإذا تصرّفت به وله وعنه[3] كنتَ وكيلًا محمودًا[4]. فهذا الاسم من دون سائر الأسماء بعيد أن يُوجَد فيه معنى فاعل.

[1] [الحديد: 7]
[2] ف، خ: وإلّا لم.
[3] ج: وعنده.
[4] خ: ومحمودا.

Marfat.com

اسم الوکیل

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ وہ تجھے اُس کو وکیل بنانے کی توفیق دے۔

تحقق:

وکالت مطلق، مقید اور دائری ہے، یہ اسم مفعول ہے جو کسی کرنے والے کے کرنے کا محتاج ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے بندوں کو تخلیق کیا اور انہیں اغیار اور اسباب کی طرف نظر کرنے کے حجاب میں چھپایا، تو انہیں اِس حجاب کے پیچھے سے کہا کہ اپنے معاملات میں اُسے وکیل بنائیں۔ وکالت کی عمومی شرط یہ ہے کہ معاملہ وکیل کے سپرد کر دیا جائے کہ اب وہ جسے چاہے سونپے۔ تو اُس نے انبیائے کرام۔ صلوات اللہ علیہم۔ کو یہ معاملہ سونپا کہ وہ سعادت اور مصلحت کے اسباب کو نہ صرف بیان کریں بلکہ ان کو متعین بھی کر دیں، اور یہ کہ ہدایت اِن کے استعمال میں اور جہالت ان کے ترک میں ہے۔ فرمایا: ﴿اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، سو اُسے ہی اپنا وکیل بنا﴾ (المزمل: ۹) اور فرمایا: ﴿اور میرے سوا کسی کو وکیل (یعنی کارساز) مت بناؤ﴾ (الاسراء: ۲) یعنی وہ اسباب جن سے وہ پردے میں ہے اور جن کے پیچھے سے اُس نے تجھ سے کلام کیا: ﴿کسی بشر کو یہ روا نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے، ہاں پر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے﴾ (الشوری: ۵۱)[۱]

[۱] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الوکیل" کہلاتا ہے۔ اسی اسم الٰہی سے مخلوق کے لیے ملکیت اور بادشاہت ثابت ہے۔ کیونکہ ہم نے اسے اپنے امور میں۔ جو کہ ہم سے تعلق رکھتے ہیں۔ تصرف کا وکیل بنایا؛ کیونکہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ ہمارے بارے میں سب کچھ جانتا ہے۔ وہ ہمارے متعلق وہ کچھ بھی جانتا ہے جو ہم خود میں بھی نہیں جانتے، حالانکہ اپنی حالت ثبوت میں ہم نے ہی اُسے یہ علم دیا ہے۔ سو ہم علم والے جاہل ہیں اور وہ ایسا عالم ہے کہ اُس سے کچھ چھپا نہیں۔ اِسی ←

تخلق:

﴿اور اس مال میں سے خرچ کرو جس میں اُس نے تمہیں اپنا نائب بنایا﴾ (الحدید: ۷) لہٰذا اس نے جس چیز میں تجھے اپنا نائب بنایا جیسا کہ تیرے گھر والے، مال، کام، ملکیت وغیرہ تو ان کے معاملات بھی تیرے سپرد کیے۔ یہ بھی جان لے کہ وکالت کی چند شرائط ہیں، اگر وکیل ان کا پاس نہ کرے تو ان معاملات میں اس کا تصرف بھی جائز نہیں۔ اگر تو اُس سے، اُس کے لیے اور اس کا سا تصرف کرے تو تُو قابل تعریف وکیل ہو گا۔ "فعیل" کے صیغے پر اِس اسم میں- باقی تمام اسما کو چھوڑ کر- فاعل کا معنی پایا جانا بعید ہے۔

⇆ لیے تو وہ حلم والا ہے کہ جلدی نہیں کرتا؛ مہلت دیتا ہے لیکن بھولتا نہیں۔ جبکہ ہم جلد باز ہیں؛ اور وہ ہمارے بارے میں یہ جانتا ہے کہ ہم جلد باز ہیں۔...

لہٰذا اس وکیل حق نے ہمیں بتایا کہ وہ ہم میں تصرف کرتا ہے، اور اُس نے کسی معاملے میں اِس حد سے زیادہ کا تصرف نہیں کیا جتنا ہم نے اِسے بتایا۔ کیونکہ وکیل اپنے موکل کے حکم پر چلتا ہے؛ اُسی چیز میں تصرف کرتا ہے جس کا اِسے اختیار دیا جائے۔ لہٰذا اس وکیل کے پاس بالغ حجت ہے؛ کیونکہ یہ تفویض کردہ حد سے تجاوز نہیں کرتا، اور یہاں کوئی ایسا نہیں جو اس تجاوز کو قبول کر لے۔ اگر تو وکیل سے کہے: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو وہ تجھ سے تیرا پردہ ہٹا دے گا؛ اور تجھے نظر آئے گا کہ تو نے ہی اِسے ایسا کرنے کا اختیار دیا، اَب جس پر تو اُس کا انکار کر رہا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۴۱ ب)

(٥٤) الاسم: القويّ

التعلّق: افتقارك إليه في ظهورك على مَن قاومك فيما تريد أن تفعله ممّا أمرت[١] به، فتمانَع[٢] في ذلك.

التحقّق: القويّ على الحقيقة من لا يُغالَب ولا يُقاوَم، وأن يكون تحت قوّته كلّ ما سواه.

التخلّق: القويّ مَن أعطاه الله - تعالى - القوّة على حمل ما كُلّف من أثقال العبادات[٣]، حسًّا ومعنىً. وعن[٤] هذا الاسم تكون الانفعالات عن هذا الشخص بهمّته، وتنفعل له أجرام العالم، علوها وسفلها. وشأن هذا الاسم عجيب[٥]، وأمره عظيم: «ليس الشديد بالصرعة وإنّما الشديد الذي[٦] يملك[٧] نفسه عند الغضب». قالت الملائكة في حديث طويل: «يا ربّ؛ هل خلقتَ شيئًا[٨] أشدّ من الريح؟ قال: نعم؛ المؤمن يتصدّق بيمينه[٩] فيخفيها عن[١٠] شماله».

---

[١] ط: أمرته.

[٢] ط: فيمانع.

[٣] ي: العبادة.

[٤] م: ومن.

[٥] ي: محب.

[٦] م: من.

[٧] خ: الشديد من ملك.

[٨] ي: - شيئا.

[٩] خ: ينفق يمينه.

[١٠] ج،م: من.

Marfat.com

اسم القوی

تعلق:

اس سے تیری محتاجی تیرے اس مقابل کو زیر کر کے اُس سے وہ کام کروانا ہے جو تو اس سے چاہتا ہے اور جس کا تجھے حکم دیا گیا، اور وہ اِس کے نہ کرنے پر اَڑا رہا۔

تحقق:

حقیقت میں قوت والا وہ ہے کہ نہ کوئی اس کا مقابلہ کر سکے اور نہ اِس پر غالب آ سکے، اور یہ کہ اُس کے سوا ہر ایک اُس کے زیر قوت ہو۔

تخلق:

"القوی" وہ ہے کہ جسے اللہ وہ قوت بخشے جس سے وہ حسی اور معنوی عبادات کی سختیاں جھیل سکے۔[۱] ایسا شخص اِسی اسم کی بدولت اپنی توجہ سے تسخیر کرتا ہے اور علوی اور سفلی اجرام

---

[۱] شیخ اکبر فتوحات مکیہ کے باب نمبر ۳۷ میں عیسوی اقطاب کے بارے میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ہر وہ شخص جسے یہ مقام اپنے کمال میں حاصل ہوا تو اسے ۶۰۰ خدائی قوتیں عطا کی جاتی ہیں ... اور وہ اس عطا کے حساب سے اِن کا استعمال کرتا ہے، اس کی مرضی ہے چاہے تو انہیں چھپا لے یا چاہے تو انہیں ظاہر کرے، لیکن چھپانا بہتر ہے۔ بیشک عبودہ وہ قوت لیتی ہے جس سے وہ حق کی ادائیگی یا اپنے آقا کے اوامر کی بجا آواری میں مدد لیتی ہے، تاکہ اُس کی عبودیت کا حکم ثابت رہے۔ سو ہر وہ قوت جو اس شخص کو قصداً اس باب سے ہٹا دے تو یہ قصد اللہ والوں کو مطلوب نہیں، کیونکہ یہ لوگ اس پختہ قوت والی ذات کے مقابل نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں یہی کہا ہے کہ اس کی عبادت کی ادائیگی

Marfat.com

کائنات اس سے منفعل ہو جاتے ہیں۔ اس اسم کا حال عجیب اور معاملہ عظیم ہے: "مضبوط اعصاب والا وہ نہیں جو کشتی میں پچھاڑ دے بلکہ مضبوط اعصاب والا وہ ہے جو غصے میں خود پر قابو رکھے۔" ایک طویل حدیث میں فرشتے کہتے ہیں: "یارب! کیا آپ نے ہوا سے بھی زیادہ طاقت ور کوئی چیز بنائی؟ فرمایا: ہاں وہ مومن جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے تو اپنے بائیں ہاتھ سے اسے چھپاتا ہے۔"[1]

میں اسی سے مدد مانگیں، یہ نہیں کہ اس قوت سے بادشاہ اور ارباب بن جائیں۔ (مخطوط: السفر-۳، ص ۱۳۹ب)

[1] مکمل حدیث آپ نے ۱۰۱ - حدیث قدسی میں یوں بیان کی ہے: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو تخلیق کیا تو یہ لرزتی تھی، لہذا پہاڑ تخلیق کیے اور ان سے کہا: اس (زمین) کو تھام لو تو اسے قرار آیا۔ فرشتوں کو پہاڑوں کی سختی پر تعجب ہوا تو بولے: یارب! کیا آپ کی تخلیق میں کوئی چیز پہاڑوں سے بھی سخت ہے اللہ نے فرمایا: ہاں! لوہا۔ پھر بولے: کیا آپ کی مخلوقات میں کوئی چیز لوہے سے بھی زیادہ سخت ہے، فرمایا: ہاں، آگ۔ پھر بولے: کیا آپ کی مخلوقات میں کوئی چیز آگ سے بھی زیادہ سخت ہے، فرمایا: ہاں، پانی۔ پھر بولے کیا آپ کی مخلوقات میں کوئی چیز پانی سے بھی زیادہ سخت ہے، فرمایا: ہاں ہوا۔ پھر بولے کیا آپ کی مخلوقات میں کوئی چیز ہوا سے بھی زیادہ طاقت ور ہے، فرمایا: ہاں! ابن آدم، جو اپنے دائیں ہاتھ سے صدقہ کرتا ہے اور یہ عمل اپنے بائیں ہاتھ سے بھی چھپاتا ہے۔ (۱۰۱-حدیث قدسی، حدیث نمبر ۲۵)

(٥٥) الاسم: المتين

التعلّق: افتقارك إليه[١] في الحفظ والعصمة عن تأثير شيء فيك؛ منك أو من غيرك.

التحقّق: المتينُ في قوّته هو الذي لا يتأثّر بشيء في نفسه[٢] ولا يؤثّر فيه[٣] شيء بهمّته وفعله؛ إذ المتانة مقامٌ أحمى.

التخلّق: المتينُ من العبادِ الصلبُ في دينه الذي لا تؤثّر فيه الأهواء، ولا يتأثّر في نفسه بما تتجلّى[٤] له[٥] به الحقيقة[٦] برؤية الحقّ في الأشياء، ولا سيّما[٧] في موقف السّواء.[٨] فمن حصل في هذا المقام فهو المتين[٩]. فمن كونه قويًّا يؤثّر، ومن كونه متينًا لا يتأثّر.

---

[١] م: - إليه.

[٢] م: - في نفسه.

[٣] ي: - فيه.

[٤] ي: يتجلى.

[٥] ج: - له.

[٦] م: في نفسها تتجلى له سر الحقيقة.

[٧] ي: بد.

[٨] ي: السر

[٩] ف: - فهو المتين.

Marfat.com

اسم المتین[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اپنی حفاظت اور بچاؤ میں ہے کہ کوئی چیز تجھ پر اثر انداز نہ ہو سکے، چاہے یہ تجھ سے ہو یا کسی دوسرے سے۔

تحقق:

متین میں یہ طاقت ہے کہ وہ خود میں کسی چیز سے متاثر نہیں ہوتا، اور نہ ہی کوئی چیز اپنی توجہ یا عمل سے اِس پر اثر انداز ہو سکتی ہے، کیونکہ متانت مقام پختگی ہے۔

تخلق:

لوگوں میں متین وہ بندہ ہے جو اپنے دین پر اس مضبوطی سے قائم ہو کہ خواہشات اِس پر

[1] اس حاضرت کا بندہ "عبد المتین" کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بیشک اللہ تعالیٰ ہی رزق دینے والا، بڑی طاقت والا متین ہے﴾ (الذاریات: ۵۸) ... متین وہ ہوتا ہے کہ جب وہ کسی جگہ کھڑا ہوتا ہے تو اپنے اقتدار اور وزن کے باعث اس جگہ سے ہٹتا نہیں۔ لہٰذا عین کے بارے میں بتایا کہ وہ متانت کے اسی مقام پر قائم ہے۔ تاکہ کوئی سوچنے والا یہ نہ سوچے اور کہنے والا یہ نہ کہے: جب تجلی میں صورتیں تبدیل ہوئیں اور ان میں اختلاف آیا، اور جب اسمائے الٰہیہ متنوع اور کثیر ہوئے، اور ہر اسم نے کسی ایسے معنی پر دلالت کی جو اس کے غیر کو حاصل نہیں، اور ہر صورت نے وہ معاملہ عطا کیا جو دوسری صورت کی عطا نہیں؛ تو اس کا یہی نتیجہ نکلا کہ اس تبدیلی سے عین اور مسمی تبدیل ہو گئے۔ پس حق تعالیٰ نے بتایا کہ وہ متانت کے اس درجے پر ہے کہ یہ معاملہ ویسے ہی ہے جیسا کہ اس نے ثابت کیا اور جیسا کہ تحول اور تبدل میں یہ دیکھا گیا، اور عین اپنے مقام پر ثابت ہے جو تبدیلی قبول نہیں کرتی۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۴۶)

Marfat.com

اثر انداز نہ ہو سکیں، اور حق تعالیٰ کی اشیا میں رویت پر وہ تجلیٔ حق سے خود میں اثر قبول نہ کرے، خاص طور پر "برابری کے موقف"[۱] میں، جسے یہ مقام حاصل ہوا تو وہ متین ہے؛ اس کے قوی (یعنی طاقت ور) ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اثر رکھتا ہے، اور اس کے متین ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اثر قبول نہیں کرتا۔[۲]

---

[۱] "موقف السواء" یعنی برابری کے موقف کے بارے میں شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں لکھتے ہیں: جان لے کہ طریقت میں استوا سے مراد "برابری کا موقف" ہے؛ یہ وہ مقام ہے جس میں آقا غلام سے اور غلام آقا سے جدا نہیں۔ اگر تو اس کو اس حالت میں "آقا" کہے تو تو نے سچ کہا۔ اور اگر تو اسے "غلام" کہے تو بھی تو نے سچ کہا۔ کیونکہ تیرے ہر قول میں تیرے حال کا شاہد تیرے کہنے میں سچائی کی گواہی دیتا ہے۔ اب اس بارے میں جو چاہے کہہ لے تو سچ کہے گا۔ یہ نبی کریم ﷺ کے لیے اللہ کا یہ کہنا ہی ہے: ﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ﴾ (الانفال:۱۷) اور جب آپؐ نے کنکریاں پھینکیں تو آپؐ نے نہیں پھینکیں بلکہ اللہ نے پھینکیں، یہ حق کا پھینکنا ہے، حالانکہ حق نے پھینکا بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں اس کا وہ ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔ اگر تو یہ کہے کہ پھینکنے والا اللہ ہی ہے تو تو نے سچ کہا۔ لیکن اگر تو یہ کہے کہ پھینکنے والے تو محمدؐ ہیں تب بھی تو نے سچ کہا۔ یہ ہے "برابری کا موقف۔" (مخطوط: السفر-۹، ص۲۷)

[۲] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں اصحاب فتوۃ کے بارے میں فرماتے ہیں: یہ لوگ مخلوق کے ساتھ ان کی نافرمانی کے باوجود احسان سے پیش آتے ہیں، ویسے ہی جیسے اللہ تعالیٰ، اللہ اور اس کی نعمتوں کا انکار کرنے والے کافروں کو رزق دیتا ہے۔ ان لوگوں کو اپنے نفوس پر ایسی عظیم قوت حاصل ہوتی ہے کہ ان کی خواہش - اور نفوس کی جبلتیں جیسے کہ اپنی تعریف، شکر یا اعتراف پسند کرنا - انہیں مغلوب نہیں کر پاتیں۔ (مخطوط: السفر-۴، ص۱۳)

Marfat.com

(٥٦) الاسم: الوليّ

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يجعلك من أوليائه.

التحقّق: [الوليُّ هو] الناصرُ من كونه محبًّا، وإذا[٢] كان هذا فهو الذي[٣] يتولّى عباده الصالحين بأمور خاصّة، فيتخصّص بها المولّى عليه فيُسمّى وليًّا. وقد جعل الله - تعالى - هذه اللفظة لعباده المختصّين به، فسمّاهم أولياء الله - تعالى[٤] -؛ وهم الذين أحبّهم الله تعالى، واصطفاهم، ونصرهم: باطنًا حقًّا[٥]، وظاهرًا قد يكون وقد لا يكون.

التخلّق: ﴿وَمَن يَتَوَلَّ اللَّـهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّـهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾[٦] ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾[٧] وهنا سِرٌّ فابحث عليه في ظهور الأعداء على المؤمنين وغلبتهم إيّاهم، والله يفتح عينَ بصيرتك. وقد نبّه على ذلك بقوله تعالى[٨]: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ [بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ]﴾[٩] الآية، وكذلك[١٠]: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾[١١].

[١] ج، خ، م: - في.

[٢] خ، م: وإن.

[٣] ي: - الذي.

[٤] ي: فسماهم أولياءه تعالى. م: - هذه اللفظة لعباده المختصّين به، فسمّاهم أولياء الله - تعالى.

[٥] ي: - حقا.

[٦] [المائدة: 56]

[٧] [الروم: 47]

[٨] ي: - بقوله تعالى. خ: - تعالى.

[٩] [الروم: 41]

[١٠] ي: + يقول تعالى.

[١١] [الإسراء: 23]

Marfat.com

اسم الولی[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تیرا شمار اپنے اولیا میں کرے۔

تحقق:

(الولی) محب ہونے کی حیثیت سے ناصر (یعنی مدد گار) ہے، اور اگر ایسا ہی ہے تو وہ اپنے صالح بندوں کے خاص معاملات کو خود سنبھالتا ہے، اور ان سے اِس بندے کو مخصوص کر کے ولی بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ لفظ اپنے مخصوص بندوں کے لیے رکھا ہے، لہٰذا انہیں اولیا اللہ کا نام دیا۔ یہ وہی لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا پیارا بنایا، منتخب کیا اور باطنی طور پر حق سے اِن کی مدد کی، ظاہری مدد بعض اوقات ہوتی ہے اور بعض دفعہ نہیں ہوتی۔

تخلق:

﴿جو اللہ، اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا دوست بنا لے تو معلوم ہوا کہ اللہ کی جماعت ہی غالب رہنے والی ہے﴾ (المائدہ: ۵۶) ﴿اور مومنین کی مدد ہم پر لازم ہے﴾ (الروم: ۴۷) یہاں پر ایک راز ہے اِسے دشمنوں کے مومنین پر غالب آجانے میں تلاش کر، اللہ تیری

---

[1] وہ مدد گار ہے جو اس کی مدد کرے؛ لہٰذا وہ بدلے میں مدد کرتا ہے۔ جو اس پر ایمان لایا اس نے حق کی مدد کی، پس مومن اللہ کی مدد وجوب سے حاصل کرتا ہے: ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الروم: ۴۷) اور ہم پر مومنین کی نصرت لازم ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۴ ب)
شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الولی" کہلاتا ہے، اور ولی (یعنی دوست) ناصر (یعنی مدد گار) ہوتا ہے، سو اگر تو چاہے تو اِسے "عبد الناصر" بھی کہہ سکتا ہے۔

Marfat.com

نظر بصیرت کھولے۔ اُس نے اِس جانب اپنے اِس قول میں تنبیہ دلائی ہے: ﴿خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا، تاکہ خدا اُن کو اُن کے بعض اعمال کا مزہ چکھائے عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں﴾ (الروم: ۴۱) اور ﴿تیرے رب نے یہ فیصلہ سنا دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو﴾ (الاسراء: ۲۳)[1]

---

[1] حالانکہ ان دو آیات کی طرف اشارہ کر دینے سے یہ بالکل واضح ہے کہ شیخ اکبر ایمان کی کون سی قسم کی طرف اشارہ کر رہے ہیں اور ان سے کیا مراد ہے، لیکن ہم پھر بھی فتوحات مکیہ میں سے آپ کا کلام تفصیلاً ذکر کر دیتے ہیں تاکہ ذرہ برابر اشکال نہ رہے۔ شیخ فرماتے ہیں:

جہاں تک اللہ تعالیٰ کے اس قول کا تعلق ہے: ﴿اور ہم پر مومنین کی نصرت واجب ہے﴾ (الروم: ۴۷) (تو یہ جان کہ) اصل مومن وہی ہے جس کے ایمان میں کوئی ایسا خلل نہ داخل ہو جو اِسے داغ دار کرے۔ کلام اللہ میں ایمان والے دو طرح کے ہیں، اور دونوں ہی ایک رخ سے کافر ہیں۔ ایک وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور جنھوں نے طاغوت - یعنی باطل - کا انکار کیا، یہی اہل جنت ہیں اور انہیں خوش بخت کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ جو باطل پر ایمان لائے اور اللہ - یعنی حق - کا انکار کیا، یہ اہل دوزخ ہیں اور انہیں بدبخت کہا جاتا ہے۔ خوش بختوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿سو جو کوئی طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک مضبوط رسی تھام لی﴾ (البقرۃ: ۲۵۶) یہی وہ لوگ ہیں جن کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ پر لازم ہے، لہٰذا "الف اور لام" عہد اور تعریف کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بدبختوں کے بارے میں فرمایا: ﴿اور جو باطل پر ایمان لائے اور اللہ کا انکار کیا تو یہ لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں﴾ (العنکبوت: ۵۲) ﴿نہ ہی ان کی تجارت نفع آور ہوئی اور نہ ہی وہ ہدایت یافتہ ہوئے﴾ (الانفال: ۱۵-۱۶)

اگر تو "نصر المومنین" میں الف اور لام جنس کے لیے قرار دے؛ تو پھر جو کوئی بھی ایمان سے متصف ہوا، اس کی مدد کی گئی۔ اسی مقام پر باطل پر ایمان رکھنے والے طاغوت کا انکار کرنے والوں پر بعض اوقات غلبہ پا لیتے ہیں؛ اور یہ بالادستی نصرت (یعنی مدد) کہلاتی ہے؛ کیونکہ نصرت کا مطلب اپنے دشمن پر بالادست ہو جانا ہی ہے۔ سو جنھوں نے یہاں الف لام جنس کے لیے قرار دیا انہوں نے اہل باطل کا باطل پر ایمان اہل حق کا حق پر ایمان سے زیادہ مضبوط قرار دیا۔

جاری

⇐آ
اصل مومن وہ ہے جو پیٹھ نہ پھیرے، پیش قدمی کرے اور ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ کامیاب ہو یا مارا جائے (کامیاب غازی کہلاتا ہے اور جو مارا گیا اس کے لیے شہادت کا رتبہ ہے) اسی لیے کبھی کسی نبی کو شکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا؛ یہ اس کی حق پر ایمانی قوت کی وجہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کو متنبہ کیا کہ وہ جنگ میں اپنی پیٹھ نہ پھیریں، سوائے اس صورت میں کہ وہ مناسب جگہ پر جائیں یا مدد کے لیے کسی خاص جماعت سے جا ملیں، فرمایا: ﴿اے ایمان والو! جب میدان جنگ میں کفار کا سامنا ہو تو ان سے پیٹھ نہ پھیرنا۔ اور جو شخص اس دن ان سے پیٹھ پھیرے گا، سوائے اس کے جو جنگ (ہی) کے لئے کوئی داؤ چل رہا ہو یا اپنے (ہی) کسی لشکر سے (تعاون کے لئے) ملنا چاہتا ہو، تو (سمجھو کہ) وہ اللہ کے غضب میں گرفتار ہو گیا﴾ (الانفال: ۱۵-۱۶) اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مخاطب کیا اور قرائن احوال سے ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں مراد مومنین بالحق ہی ہیں۔۔۔

(آگے فرماتے ہیں) ہمارے نزدیک باطل پر ایمان رکھنے والوں کا طاغوت کا انکار کرنے والوں پر غالب آ جانا نصرت نہیں۔ بلکہ حق پر ایمان رکھنے والوں کے ایمان کا خلل ہے جب دونوں گروہوں نے ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھا، یوں ان پر طبیعی بزدلی اثر انداز ہوئی؛ ان کے قدم ڈگمگائے؛ اور وہ ایمان بالحق سے اپنے اس مجوب حال کی بدولت شکست کھا گئے۔ اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ جب کوئی اپنے دشمن کو اپنے سامنے شکست کھاتا اور میدان جنگ سے بھاگتا دیکھے تو وہ اس پر غالب آ جاتا ہے اور اس کا پیچھا کرتا ہے۔ اگر تو چاہے تو اسے ان کے لیے اللہ کی مدد کہہ سکتا ہے۔

یہ کافر حق پر ہونے کی وجہ سے مومنین پر غالب نہیں آئے؛ بلکہ یہ تو اس خلل کی وجہ سے ان پر فتح یاب ہوئے جو ان مومنین کے ایمان میں داخل ہو چکا تھا، اور جس نے انہیں طبیعی خوف سے ڈھانپ لیا تھا۔ اس رخ سے یہ بھی کافروں جیسے ہی تھے، اور ان کی مدد کافروں کی مدد کے مترادف تھی، یعنی ایک کافر جماعت کی دوسری کافر جماعت پر نصرت؛ جبکہ وہ دوسری جماعت باطل پر ایمان رکھتی تھی۔ اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ حق پر ایمان رکھنے والے یہ مومنین طبیعی یعنی موت کے خوف پر ایمان لے آئے، جو کہ باطل ہے۔ سو موت سے ان کا ڈرنا باطل پر ایمان لانے کے مترادف ٹھہرا۔ جبکہ شہید مردہ نہیں؛ وہ تو زندہ ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے۔ جب یہ اس بات پر ایمان لائے کہ جنگ میں مرنا موت ہے؛ تو یہ باطل پر ایمان لائے۔ یوں اہل باطل نے اہل باطل کو شکست دی۔ یہ صورت حال غالب ہونا کہلاتی ہے خدائی نصرت نہیں، ہاں اگر تو الف اور لام جنس کے لیے بنائے؛ اور یہ لفظ تمام مومنین (حق پر ایمان رکھنے والے اور باطل پر ایمان رکھنے والوں) کو اپنے اندر سمو لے۔ سو یہ ہے وہ
⇐

Marfat.com

ـ ؏
حکمت جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اہل باطل کو مومن کہا اور اہل حق کو کافر کہا۔ (مخطوط: السفر ۳۳، ص ۴۷)

Marfat.com

(٥٧) الاسم: الحميد

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يجعلك محمودًا من جميع الوجوه.

التحقّق: الحميد هو الذي له عواقب الثناء، وهو المثنى عليه بأفعاله، وبما يكون منه، وبما هو عليه، هذا إذا[٢] كان بمعنى اسم المفعول. والذي[٣] له من[٤] نسبة[٥] الفاعليّة فيكون مثنيًا على نفسه بما هو عليه، وعلى غيره بما يكون منه، وهذا[٦] غاية الكرم: أن يعطيك، ويثني عليك بما أعطاك.

التخلّق: المحمود من العباد [هو] الذي له عواقب الثناء، أي تبقى له[٧] إلى عاقبته[٨]: ﴿وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾[٩]، ﴿وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ﴾[١٠]. وأشرف الحمد وأتمّه: «حمد الحمد»[١١] و«حمد الحامد» إذا كان الحامد الحقّ تعالى. فإنّ الشرف كلّه في مَن شرّفه الحقّ بالثناء عليه:

[١] ج: - في.
[٢] ج: - إذا.
[٣] ف: + يكون.
[٤] ج: - من.
[٥] خ: نسبته.
[٦] خ: هذا.
[٧] ف: - له.
[٨] م: عاقبه.
[٩] [الأعراف: 128]
[١٠] [الشعراء: 84]
[١١] م: - حمد الحمد.

Marfat.com

وَلَوْ سَكَتُوا أَثْنَتْ عَلَيْكَ الحَقَائِبُ[1]

وقال الآخر:[2]

شَهِدَتْ بِمَفْخَرِكَ[3] السَّمَاوَاتُ العُلَى وَتَنَزَّلَ القُرْآنُ فِيكَ مَدِيحًا

وحمدُ الحمد الذي نبّه عليه بعض السادة، وهو أبو الحكم ابن برّجان[4] - رحمه الله - [هو] الحمد لله حمدًا يوافي هو نفسه.

---

[1] شطر بيت لنُصيب بن رباح أبو محجن (? - 108 هـ/ ? - 726م) مولى عبد العزيز بن مروان، شاعر فحل، مقدم في النسيب والمدائح، كان عبداً أسوداً لراشد بن عبد العزى من كنانة، من سكان البادية، وأنشد أبياتاً بين يدي عبد العزيز بن مروان، فاشتراه وأعتقه. له شهرة ذائعة، وأخبار مع عبد العزيز بن مروان وسليمان بن عبد الملك والفرزدق وغيرهم. وكان يعد مع جرير وكثيّر عزّة، وسئل عنه جرير، فقال: أشعر أهل جلدته، وتنسك في أواخر عمره. والبيت هو:

فَعَاجُوا فَأَثْنَوا بِالَّذِي أَنْتَ أَهْلُهُ وَلَوْ سَكَتُوا أَثْنَتْ عَلَيْكَ الحَقَائِبُ

[2] ج، ف، خ، ي، م: - وقال الآخر. والبيت للشاعر ابن هانئ الأندلسي (326 -362 هـ/ 938 -973م) أشعر المغاربة على الإطلاق وهو عندهم كالمتنبي عند أهل المشرق، وكانا متعاصرين. ولد بإشبيلية وحظي عند صاحبها، واتهمه أهلها بمذهب الفلاسفة وفي شعره نزعة إسماعيلية بارزة، فأساءوا القول في ملكهم بسببه، فأشار عليه بالغيبة، فرحل إلى أفريقيا والجزائر. ثم اتصل بالمعز العبيدي وأقام عنده في المنصورية بقرب القيروان، ولما رحل المعز إلى مصر عاد ابن هانئ إلى إشبيلية فقتل غيلة لما وصل إلى برقة.

[3] م: بمعجزك.

[4] عبد السلام بن برجان (000 -536 هـ) (000 -1142م) عبد السلام بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الرحمن اللخمي، المغربي، الأفريقي، ثم الأندلسي، مفسر، صوفي مقرئ، محدّث، متكلم، مشارك في الهندسة والحساب. توفي مغربا عن وطنه بمراكش. من تصانيفه: الإرشاد في تفسير القرآن في مجلدات ولم يكمله، وشرح أسماء الله الحسنى في مجلدين.

Marfat.com

اسم الحمید[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے تمام رخوں سے قابل تعریف بنادے۔

تحقق:

حمید وہ ہوتا ہے جس کے لیے آخری تعریف ہو، وہ جس کے افعال، یا جو کچھ اُس سے صادر ہوا یا جس پر وہ تھا، اُن پر اُس کی تعریف کی جائے،[2] یہ اس وقت جب یہ اسم مفعول کے

---

[1] الحمید (صیغہ فاعل پر) حامد ہے؛ یعنی تعریف کرنے والا، جو خود سے اور ہر تعریف کرنے والی زبان سے تعریف کرتا ہے، اور (صیغہ مفعول پر) محمود ہے؛ یعنی اُس کی ذات اور اُس کے افعال پر جس کی تعریف کی جائے، کیونکہ آخری تعریف اسی کی جانب لوٹتی ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۵)
شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الحمید" کہلاتا ہے، یہ "فعیل" کے وزن پر ہے جو وضعی دلالت سے اسم فاعل اور اسم مفعول کو خود میں سموئے ہوئے ہے۔ یہ حامد بھی ہے اور محمود بھی، اور آخر میں تمام آخری تعریفیں اسی کی جانب لوٹتی ہیں۔ محمد ﷺ کے ہاتھ تعریف کا پرچم ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اسما کا علم ہے تو محمد ﷺ کے لیے ان اسما سے تعریف کا علم، اور یہ بولنا مقام محمود پر ہوگا۔ سو بروز قیامت مقام محمود کی وجہ سے ہی آپؐ کو اِس علم پر عمل کرنا دیا گیا، جبکہ آپؐ کے سوا کسی کو اُس جگہ یہ نصیب نہ ہوا۔ سو آپؐ کو سرداری ملی، فرمایا: "آدم اور باقی سب میرے جھنڈے تلے ہوں گے۔" اور آپؐ کے پاس "حمد" کا جھنڈا ہے؛ اور یہ حمد تمام تعریفوں کا آخر میں اللہ کی طرف لوٹنا ہی ہے، جو اُس کا یہ کہنا ہے: الحمد للہ، یعنی سب تعریف اللہ کے لیے، کسی دوسرے کے لیے نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۴۹ب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس کائنات میں ایسا کوئی لفظ نہیں جو تعریف پر دلالت نہ کرتا ہو، میرا مطلب ہے بہترین تعریف پر، اور اس کا لوٹایا جانا اللہ کی طرف ہے۔ کیونکہ کوئی بھی تعریف کرنے والا یا تو اللہ کی

Marfat.com

معنی میں ہو۔ اور نسبت فاعلیت سے وہ خود اپنی تعریف کرتا ہے جیسا کہ وہ ہے، اور کسی دوسرے کی جیسا اُس نے اِسے بنایا؛ یہ کرم کی انتہا ہے کہ پہلے وہ تجھے کچھ دے اور پھر جو دیا اُس پر تیری تعریف کرے۔

تخلق:

بندوں میں قابل تعریف وہ ہے جس کے لیے آخر تک تعریف ہو، یعنی آخر تک یہ اس کے لیے باقی رہے ﴿اور عاقبت متقین کے لیے ہے﴾ (المائدہ: ۳) ﴿اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر خیر جاری کر﴾ (الشعراء: ۸۴) سب سے زیادہ مکمل اور شرف والی تعریف "حمد الحمد[1]" (یعنی ←

تعریف کرتا ہے یا غیر اللہ کی۔ اگر اُس نے اللہ کی تعریف کی؛ تو اُس ہستی کی تعریف کی جو تعریف کے لائق ہے۔ اور اگر اس نے غیر اللہ کی تعریف کی؛ تو وہ اس میں موجود ان قابل تعریف اوصاف کی تعریف کرتا ہے۔ اور یہ خوبیاں تو اسے اللہ کی طرف سے عطا ہوئیں ہیں، کہ اللہ نے ان پر اسے تخلیق کیا؛ یا یہ اس کی جبلت تھیں یا اس کا اخلاق؛ سو یہ اس کا کسب ہوئیں۔ صورت کوئی بھی ہو یہ اللہ ہی کی طرف سے تھیں؛ کیونکہ حق تعالیٰ ہر خوبصورتی اور بھلائی کا خزانہ ہے۔ سو ان خوبیوں پر مخلوق کی آخری تعریف بھی ان کے خالق کی طرف ہی لوٹی جو کہ اللہ ہی ہے؛ سو اللہ کے سوا کوئی محمود نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۴۹ب)

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ "حمد الحمد" کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں: حمد کا پرچم ہی "حمد الحمد" ہے، یہ سب سے کامل، اعلیٰ اور بلند مرتبہ تعریف ہے۔ چونکہ پرچم ہی بادشاہ کے مرتبے یا اس کے وجود کی علامت ہوتا ہے تو لوگ اس کے ارد گرد جمع ہوتے ہیں، اسی طرح "حمد الحامد" تعریفوں کی تعریف کے ارد گرد سب تعریفیں جمع ہوتی ہیں، کیونکہ یہ ہی وہ درست تعریف ہے جس میں احتمال داخل نہیں، اور نہ ہی شک وشبہ اس میں دخل دیتا ہے کہ یہ تعریف ہے؛ کیونکہ یہ خود اپنی ذات پر دلالت کرتی ہے: یہ خود میں اپنا پرچم ہے۔ کیا تو نے غور نہیں کیا کہ جب تو کسی شخص کو کریم کہے، یا وہ شخص خود یہ کہے کہ وہ کریم ہے، تو ہو سکتا ہے یہ تعریف مانی جائے اور ہو سکتا ہے اِسے نہ مانا جائے۔ جب وہ شخص احسان یا نیکی سے کچھ عطا کرتا ہے تو یہ عطا بذات خود دینے والے کا کریم ہونا بتاتی ہے، اور اب اس کے کریم ہونے میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ "حمد الحمد" کا بھی یہی مطلب ہے، اور اسے ہی "حمد کا جھنڈا" ←

تعریف کی تعریف) اور "حمد الحامد" (یعنی تعریف کرنے والے کی تعریف) ہے، اگر تعریف کرنے والا حق تعالیٰ ہو؛ کیونکہ تمام شرف اسی کی لیے ہے جسے حق تعالیٰ تعریف سے شرف بخشے۔

"اگر قافلے والے خاموش رہتے تو ان کا رَخت تیری مدحت سرائی کرتا"

ایک دوسرا شاعر کہتا ہے:

"ہے چرخ بریں تیرے قابل فخر اوصاف کا گواہ
اور قرآن پاک ہے تیری تعریف میں مدحت سرا"

"حمد الحمد" جس کی جانب ایک سردار ابو الحکم ابن برجان نے توجہ دلائی، یہ اللہ کی وہ تعریف ہے جو وہ خود کرتا ہے۔

←۱
کہتے ہیں۔ اِسے جھنڈا اسی لیے کہا گیا کہ سب تعریفیں اسی پر جمع ہوتی ہیں اور کوئی تعریف اس سے باہر نہیں، کیونکہ اسی سے ہر تعریف کرنے والے سے تعریف واقع ہوتی ہے، یہ عاقبت کی عاقبت ہے۔ اسے سمجھ (مخطوط: السفر-۱۲، ص ۱۰۴ ب)

Marfat.com

(٥٨) الاسم: المحصي

التعلّق: افتقارك إليه في إحصاء ما أنت عليه ممّا أمرك الحقّ به مِن حفظه.

التحقّق: المحصي على الحقيقة هو المحيط بحقيقة المحصى؛ عدمًا كان أو وجودًا.

التخلّق: المحصي من العباد مَن مكّنه الله - تعالى - ممّا سأله في تعلّق هذا الاسم.

اسم المحصی[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی تیرے ان امور کا شمار کرنا ہے جن کی حفاظت کا حق تعالیٰ نے تجھے حکم دیا۔

تحقق:

در حقیقت شمار کرنے والا وہی ہے جو شمار شے کی حقیقت کا احاطہ کرے، چاہے یہ عدم ہو یا وجود۔[2]

---

[1] اس نے ہر شے - جس میں حروف اور وجودی اعیان شامل ہیں - کو گن کر شمار کر رکھا ہے؛ کیونکہ متناہی ہونا صرف موجودات ہی کا خاصہ ہے، اور وہ شمار سے انہیں اخذ کرتا ہے؛ یہ شیئیت اُس کے اِس قول میں شیئیتِ وجود ہے: ﴿اس نے ہر چیز کو گنتی میں گن رکھا ہے﴾ (الجن:۲۸) (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۵)

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد المحصی" کہلاتا ہے۔ یہ حاضرت احاطہ ہے، یا اس کی بہن؛ نہیں بلکہ یہ اس کی بہن ہی ہے، وہ خود نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿جو کچھ ان کے پاس ہے اللہ نے (نہ صرف) اِس کا احاطہ کر رکھا ہے بلکہ ہر چیز کو گنتی میں گن رکھا ہے﴾ (الجن:۲۸) اور کتاب (کے بارے) میں فرمایا: ﴿اس نے ہر چھوٹی اور بڑی بات کا شمار کر رکھا ہے﴾ (الکہف:۴۹) یہ کاتب کا مقام ہے صاحب دیوان؛ حاضرت الہیہ کا کاتب، اور یہ کتاب امام مبین ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ہم نے امام مبین میں ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے﴾ (یس:۱۲) (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵۲)

[2] شیخ فرماتے ہیں: احصا (شمار کرنے) اور احاطہ کرنے کے مابین فرق ہے؛ وہ یہ کہ احاطہ موجود، معدوم اور ہر معلوم میں عمومی حکم والا ہے۔ جبکہ احصا (یا شمار) صرف موجود میں ہے؛ سو ﴿اس نے علم سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے﴾ کی شیئیت اس جیسی نہیں کہ ﴿اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے﴾ (الجن:

بقیہ

Marfat.com

تخلق:

بندوں میں سے شمار کرنے والا وہی ہیں جسے اللہ وہ قدرت بخشے، جو اس نے اِس اسم کے تعلق میں مانگی۔

---

۲۸) شمار کی شیئیت احاطے کی شیئیت میں داخل ہے۔ کیونکہ ہر موجود شمار میں ہے، وہ موجود ہے تو وہ شمار میں ہے۔ "اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسما ہیں، سو (۱۰۰) میں سے ایک کم، جس نے ان کا شمار کیا وہ جنت میں داخل ہوا" یہ اسما وجود میں داخل ہیں؛ کیونکہ یہ موجود پر دلالت کرتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵۲)

Marfat.com

(٥٩) الاسم: المبدئ

التعلّق: افتقارك إليه في إخلاص[1] النيّة فيما تظهره من الأعمال وتنشئه على طريق القربة إلى الله تعالى.

التحقّق: إبداء الأشياء ابتداءً في أعيانها، وإبداء[2] ظاهرها[3]، وإن كانت ظاهرةً له أو[4] لنفسها. وتتعرّض هنا مسألة بين طائفتين كبيرتين وهي: هل الأشياء غير[5] ثابتة في العدم أم لا؟ واشتركا[6] مع هذا الخلاف في أنّه مبدي[7] لوجودها وهو[8] المقصود.

التخلّق: يظهر بما يخترعه العبد من الأفعال في نفسه وعلى يده، ممّا[9] لم يُسبَق إليه في علمه أو في نفس الأمر، ومنه: «من سَنَّ سُنّةً حسنةً» فقد أُبيح[10] له إنشاء هذه[11] العبادات على أمر[12] مخصوص معيّن.

---

[1] ج: خلاص.
[2] خ، م: وابتداء.
[3] ف، خ، ي، م، ط: إظهارها.
[4] ف: و.
[5] ط: هل الأشياء عين. ف، خ، ي، م: هل للأشياء عين.
[6] ف: واشتركنا.
[7] ط: مبدأ.
[8] ي: وهي.
[9] ج: ما.
[10] م: أنتج.
[11] ف، خ، ي، م، ط: - هذه.
[12] ف، خ، ي، م، ط: حال.

Marfat.com

اسم المبدئ[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اُن اعمال میں اخلاص نیت کا حصول ہے جو اعمال تو اللہ کی قربت کے حصول کے لیے کرے۔

تحقق:

چیزوں کی تخلیق ان کے اعیان میں ان کی ابتدا ہے، اور ان کے ظاہر کو تخلیق کرنا ہے، چاہے وہ اُس پر یا خود پر ظاہر ہی کیوں نہ ہوں۔[2] یہاں دو بڑی جماعتوں کے درمیان اختلاف پیدا

---

[1] اس حاضرت کا بندہ "عبد المبدئ" کہلاتا ہے۔ ابد کی معقول اولیت رتبے اور وجود سے ہے، بیشک اس کا دوسرا رتبہ ہے، پہلے رتبے میں اس کا دخل نہیں؛ کیونکہ یہ پہلا رتبہ "واجب الوجود لنفسہ" کا ہے۔ جبکہ دوسرا رتبہ "واجب الوجود بغیرہ" کا ہے جو کہ ممکن ہے۔ لہٰذا مخلوق میں متقدم اور متاخر رتبے میں برابر ہیں؛ کیونکہ دونوں ہی دوسرے رتبے میں ہیں۔ اگر تو دوسرے رتبے کی نسبت پہلے سے کرے گا تو تجھے ابتدا کا پتا چلے گا۔ پہلی حاضرت نے ہی اِس دوسری حاضرت کو تخلیق کیا؛ سو وہی بلا شک وشبہ اس کا خالق ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵۳ ب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: البدء سے مراد ممکنات کے وجود کی یکے بعد دیگرے شروعات ہے، کیونکہ ان کو ایجاد کرنے والی ذات نے وقت کی قید میں آئے بغیر ایسا چاہا، کیونکہ وقت بھی جملہ جسمانی ممکنات میں سے ہے۔ اب ممکن کا "واجب لذاتہ" سے ربط ہی معقول ہوتا ہے: لہٰذا وجود حق کے مقابل ازل میں عدم سے موصوف ثابت اعیان تھیں؛ ازل وہ چیز ہے جس میں اللہ کے ساتھ کچھ نہ تھا۔ ہاں پھر ان اعیان پر اُس کے وجود کا فیضان ہوا، اور ایسا اِن اعیان کی استعداد کے تقاضوں کے مطابق تھا، یوں وہ اپنی اعیان کے لیے وجود میں آئیں، اس کے لیے نہیں۔ (مخطوط: السفر-۱۲، ص ۳۴ ب)

⇆

ہوا، وہ یہ ہے: کیا چیزیں عدم میں ثابت نہیں تھیں یا تھیں؟[1] اس اختلاف کے باوجود اس بات پر

شیخ اکبر فتوحات میں سوال کرتے ہیں: اگر البدء ابتدائے ظہور ہے تو کیا (اعیان) کی قِدَم سے بھی نسبت ہے؟ (اور سوال یہ ہے کہ) اگر اسے (یعنی عین کو) ظہور ہی حاصل نہیں تو قِدَم سے اس کی کیا نسبت؟ ہم کہتے ہیں: حالتِ عدم میں بھی اس کی عین ثابت تھی، اور یہی اس کے لیے نسبتِ ازلی تھی کہ اس سے پہلے کوئی نہیں۔ ظہور کی ابتدا سے مراد اس عین ثابت کا وجود الٰہی سے متصف ہونا ہے کہ یہ حق کا مظہر ہوئی، یہ ہے ظہور کی ابتدا۔ ... کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے اس قول پر غور نہیں کیا: ﴿اور میں نے پہلے بھی تجھے تخلیق کیا جب تو کوئی چیز نہ تھا﴾ (مریم:۹) اور اس کا یہ کہنا: ﴿جب ہم کسی چیز کو ایجاد کرنا چاہتے ہیں تو اس سے کہتے ہیں ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے﴾ (النحل: ۴۰) سو پہلی آیت میں اس سے چیز ہونے کی نفی کی جبکہ دوسری آیت میں اسے ہی چیز کہا، جبکہ دونوں کا عین ایک ہی ہے اس میں کوئی فرق نہیں۔ (مخطوط: السفر-۱۳، ص۳۶)

[1] شیخ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس جگہ عقول حیرت زدہ ہو گئیں؛ کیا وجود سے موصوف ہستی اِن حسی اوراکات سے ادراک کرتی ہے؛ کیا عین ثابت حالتِ عدم سے حالتِ وجود میں منتقل ہوئی؟ یا پھر اُس کے حکم نے حق کا وجود کے عین ہونے میں ایک ظہوری تعلق بنایا جیسا کہ دیکھی جانے والی صورت کا آئینے سے تعلق ہوتا ہے، اور یہ عین اپنی عدم والی حالت پر ہی رہی، جیسا کہ یہ ثابت ہے، اس صفت سے موصوف ہے؛ اور ممکنات کی بعض اعیان نے بعض دوسری کو آئینۂ وجودِ حق کے عین میں دیکھا؟ یا پھر اعیان ثابتہ ہمارے ادراک میں حاصل اپنی اِس ترتیب میں، اپنی عدم والی حالت پر ہی باقی رہیں، وجودی حق اِن اعیان میں ظاہر ہوا، اور یہ اُس کے لیے مظاہر بن گئیں؛ لہٰذا بعض اعیان نے بعض دوسری کو اُس وقت دیکھا جب حق اِن میں ظاہر ہوا، تو کہا گیا: انہوں نے وجود حاصل کر لیا، جبکہ یہ تو حق کا ظہور ہی تھا؟

یہ بات ایک رخ سے حقیقت کے قریب تر ہے، جبکہ دوسرے رخ سے دوسری بات حقیقت کے قریب ہے؛ کہ حق ہی ممکنات کے احکام کے ظہور کی جا بنا۔ لیکن ان دونوں حکموں میں اعیان معدوم عین والی ہی رہیں جو حاضرت ثبوت میں ثابت ہیں، صاحب کشف پر یہ دونوں رخ کھلتے ہیں، اور یہی کشفِ کامل ہے۔ بعض (صاحب کشف لوگوں) پر ان میں سے صرف ایک رخ کھلتا ہے، چاہے وہ کوئی بھی ہو، ہر صاحب کشف اپنے کشف کے حساب سے بولتا ہے، اور یہ حکم تو اہل طریقت کے لیے ہے۔

ان دونوں جماعتوں کا اتفاق ہے کہ وہی اِن کے وجود کا خالق ہے، اور یہی مقصود ہے۔[1]

جہاں تک دوسروں کی بات ہے تو ان میں بھی دو گروہ ہیں: ایک گروہ یہ کہتا ہے: حالت عدم میں ممکن کی کوئی عین نہیں، اور اس کی عین اس وقت بنتی ہے جب حق تعالیٰ اسے وجود بخشے، یہ اشاعرہ ہیں یا جو ان جیسی بات کہیں۔ جبکہ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے: کہ ممکنات کی ثبوتی اعیان ہیں، اور یہی اعیان وجود میں نہ ہونے کے بعد وجود پذیر ہوتی ہیں۔ اور جس چیز کا وجود ممکن نہیں، یعنی کہ محال (ناممکن چیز) تو اس کی عین بھی ثابت نہیں؛ یہ گروہِ معتزلہ ہیں۔

اہل اللہ میں سے محققین اشیا کے ثبوت کا اثبات کرتے ہیں اور انہیں اعیان ثابتہ مانتے ہیں، کہ اِن (اعیان) کے بھی ثبوتی احکام ہیں، انہی (احکام) سے ان میں سے ہر ایک (عین) ہماری بات پر وجود میں ظاہر ہوتی ہے؛ کہ یہ مظہر ہوتی ہے یا پھر وجودِ حق کے عین میں اِس کا حکم ہوتا ہے۔ یہ ہے حاضرت خلق وامر کی عطا ﴿جان لو کہ اس کے لیے خلق اور امر ہے﴾ (الاعراف: ۵۴) جیسا کہ اس کے لیے ﴿پہلے اور بعد میں امر ہے﴾ (الروم: ۴) بیشک اللہ ہی حق بات کہتا اور راہ دکھلاتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۲، ص ۳۰ ب)

۱ شیخ اکبر نے باب نمبر ۴۰۶ میں ظہور اور اخفا کی حقیقت رمزاً بیان کی ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں: جس نے یہ باب جان لیا اس نے خود کو پہچان لیا: کیا وہ صورت ہے؟ یا وہ صورت عطا کرنے والا عین؟ یا پھر وہ ممکن عین ثابت کا عین ہے جسے اپنی ذات میں عدم لاحق ہے؟ جس نے خود کو پہچانا اس نے ضرور اپنے رب کو پہچانا۔ کیونکہ حق کو صرف حق ہی پہچانتا ہے؛ سو کوئی آگے اور پیچھے نہیں؛ ممکن حالت عدم میں اس وجود حق سے منسوب ازل سے پیچھے نہیں؛ کیونکہ ازل جیسے وجود حق کے لیے واجب ہے، وہ عدم ممکن کے لیے بھی واجب ہے، اس کا ثبوت اور تعین حق تعالیٰ کے پاس تھا (یعنی یہ ممکن علم حق میں تھا) اگر یہ حق تعالیٰ کے پاس متعین اور دیگر ممکنات سے متمیز نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ بھی اسے اپنے قول "کن" سے مخاطب نہ کرتا۔ جو یہ باب جان گیا وہ جان گیا: کون "کن" کہتا ہے، اور کسے "کن" کہا جاتا ہے اور اس "کن" کہنے کے بعد کون وجود پذیر ہوتا ہے، اور کون کاف اور نون کا حکم قبول کرتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۲۸، ص ۱۰۴ ب)

Marfat.com

تخلق:

اس اسم کا ظہور ان افعال کی صورت پر ہوا جو بندے نے خود میں ایجاد کیے یا اُس کے ہاتھوں ایجاد پذیر ہوئے، اور اُسے یہ پتا نہ تھا کہ اس سے پہلے کسی نے ایسا کیا، یا حقیقت میں ایسا نہ ہوا۔ اسی کے بارے میں ہے: "جس نے کوئی اچھا طریقہ رواج دیا"[1] اس کے لیے ایک مخصوص اور معین حالت میں ان عبادات کا وضع کرنا جائز قرار دیا گیا۔

[1] اس حدیث کی شرح اسم البدیع میں دیکھیں۔

(٦٠) الاسم: المعيد

التعلّق: افتقارك إليه – سبحانه – في المداومة على ما أمرك بفعله من العبادات وإن كان[١] ليس عيْنها.

التحقّق: الإعادةُ ردُّ الشيء إلى الحالة التي فارقها، وهي مسألة خلاف. والتحقيق[٢] أنها مثلها لا عينها، وعينها لا مثلها من وجهين مختلفين. فالمدبَّر يُعاد[٣] إلى[٤] تدبيره، والمدبَّر لا يلزم أن يكون بعينه ﴿كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا﴾[٥].

التخلّق: إحداثُ الفعل على صورةِ ما مضى يُسمَّى إعادةً، وإن لم يكن عينه، لشبهه[٦] في الصورة. ومن[٧] التخلّق إعادة الفعل، الذي أنشأه فيك ونسبه[٨] إليك،[٩] عليه سبحانه: وهو روح العبادة[١٠] حيث لم تغب[١١] عنك مشاهدة الحقّ في هذه العبادة.

---

[١] م: – كان.

[٢] ج: وهي خلاف التحقيق.

[٣] ج: يقاد.

[٤] ي: في.

[٥] [النساء: 56]

[٦] خ: تشبهه. م: لشبيه. ف: لتشبهه. ي: لشبهة.

[٧] ج: و.

[٨] ي: ونسبته.

[٩] خ: + راجع إلى الفعل المتقدم.

[١٠] ج: العباد.

[١١] ف: يغب. م: يغيب.

Marfat.com

اسم المعید[1]

تعلق:

اِس پاک اسم سے تیری محتاجی اُن عبادات کو ہمیشہ کرتے رہنے میں ہے جن کے کرنے کا اُس نے تجھے حکم دیا، حالانکہ یہ بعد والا عمل پہلا نہیں۔

تحقق:

اعادہ کرنے کا مطلب کسی چیز کو اُس پہلی حالت پر لوٹانا ہے، اور یہ اختلافی مسئلہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک رخ سے یہ لوٹائی گئی حالت پہلے جیسی ہے پہلی نہیں، اور دوسرے رخ سے یہ وہی ہے اُس جیسی نہیں۔[2] پس مدبِّر اپنی تدبیر کی جانب لوٹایا جاتا ہے اور لازم نہیں کہ مدبَّر

[1] وہ بعینہ اسی فعل کا اعادہ کرتا ہے جس کا وہ خالق، فاعل، جاعل اور عامل ہے۔ سو جب وہ کوئی چیز تخلیق کرتا ہے اور اِس تخلیق سے فارغ ہو چکتا ہے؛ تو ایک دوسری تخلیق کی جانب لوٹتا ہے؛ کیونکہ اس جہان میں کوئی چیز مکرر نہیں ہوتی؛ یہ تو اس جیسی چیزیں ہیں جو بنتی رہتی ہیں - اور یہی خلق جدید ہے - اور اعیان ہیں جو وجود پذیر ہوتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۵ ب)

شیخ فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد المعید" کہلاتا ہے، بیشک اللہ تعالیٰ ہی ﴿پہلی بار خلق کرتا اور اعادہ کرتا ہے﴾ (البروج: ۱۳) لہذا تخلیق اور اعادہ اس کے دو (جداگانہ) حکم ہیں؛ اُس نے کسی چیز کے فنا ہو جانے کے بعد اسی کو نہیں لوٹایا۔ بلکہ اس جیسی چیز تخلیق کرنے میں جب وہ ایجاد کی جانب لوٹا تو "المعید" کہلایا؛ یہ نہیں کہ اس نے بعینہ اُسی چیز کو لوٹایا۔ ایسا نہیں ہوتا؛ کیونکہ وہ اس سے بہت بڑا ہے؛ سو وہ اسی حال کو لوٹاتا ہے جس سے یہ پہلے موصوف تھا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵۴ ب)

[2] ہر وہ موجود جسے حق تعالیٰ نے ایجاد کیا؛ تو وہ اس کی ایجاد سے فارغ ہو گیا۔ پھر یہ موجود دوبارہ سے حق تعالیٰ کی طرف دیکھتا ہے کہ وہ کسی دوسری عین کو ایجاد کرنے کی طرف لوٹا، ہمیشہ اسی طرح ہوتا رہتا ہے

Marfat.com

(یعنی جو لوٹایا گیا) وہ بعینہ پہلی (چیز) ہو ﴿اور جب ان کی جلدیں جل کر پک جائیں گی تو ہم انہیں دوسری جلدوں سے بدل دیں گے﴾ (النساء:٥٦)

تحلق:

کسی کام کا اُس کی پہلی صورت پر کرنا اعادہ کہلاتا ہے، اگرچہ کہ یہ پہلی دفعہ والا نہیں ہوتا کیونکہ یہاں صرف صورت پہلے جیسی ہے۔ اور اس کے تحلق میں فعل کا اس ذات کی طرف لوٹانا ہے، وہ فعل جو اُس نے تجھ میں تخلیق کیا اور جسے تجھ سے منسوب کیا: یہی عبادت کی روح ہے کہ اس عبادت میں بھی تجھ سے حق تعالیٰ کا مشاہدہ او جھل نہ رہا۔

ت ۲
ہے؛ سو وہی (یعنی حق تعالیٰ) المبدئ اور المعید ہے۔ المبدی یعنی ہر چیز کا خالق اور المعید یعنی اس کی طرف لوٹنے والا۔ جیسا کہ کسی معاملے میں صاحب حکم ہوتا ہے؛ جب محکوم علیہ میں اس حکم کا عین ختم ہو جاتا ہے؛ تو وہ اس پہلے حکم میں غور و فکر ختم کر دیتا ہے، اور وہ کسی دوسرے معاملے کے حکم میں غور کرنا شروع کرتا ہے، سو اعادے کا حکم بھی اسی میں ہے، یہ سمجھ! (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵۴ ب)

Marfat.com

(٦١) الاسم: المحيي

التعلّق: افتقارك إليه في إحياء قلبك بحياة العلم، وإحياء جوارحك بحياة الطاعات.

التحقّق: المحيي من أعطىٰ الحياة لكلّ موجود حتىٰ سبّح[١] بحمده. فمن ظهرت حياته سُمّي حيًّا[٢]، ومن بطنت حياته فلا بدّ أن يكون ناميًا أو[٣] غير نامٍ. فإن كان ناميًا[٤] فقد يُسمّىٰ حيًّا، وإن كان غير نامٍ سُمّي[٥] جمادًا؛ هذا[٦] المستقرّ عند أهل الكشف. وأمّا الحقّ - سبحانه - فإنّه قال: ﴿وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ﴾[٧]، ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ﴾[٨]، ﴿أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّـهَ يَسْجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَالُ [وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَن يُهِنِ اللَّـهُ فَمَا لَهُ مِن مُّكْرِمٍ إِنَّ اللَّـهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ]﴾[٩] الآية. وقال للسموات والأرض[١٠]: ﴿ائْتِيَا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾[١١] وأهل الكشف من ملَك ونبيّ

[١] م: يسبح.
[٢] ي: - حيًّا.
[٣] خ: و.
[٤] ج: - أو غير نامٍ. فإن كان ناميًا.
[٥] خ، م: يسمّىٰ.
[٦] ي: وهذا.
[٧] [الإسراء: 44]
[٨] [النور: 41]
[٩] [الحج: 18]
[١٠] ج: وللأرض. ي: - وقال للسموات والأرض.
[١١] [فصلت: 11]

Marfat.com

وولّيّ عاينوا قيام الحياة بالجمادات، عندكم: «ثوبي حجر»[١].

التخلّق: من أحيا أرضًا ميتة[٢] ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا﴾[٣] ومن اشتغل بالفكر والاستبصار[٤] فقد أحيا نفسه أيضًا، وقد استحقّ أن يُسمَّى باسم المحيي[٥].

---

[١] أي: اعطني ثوبي يا حجر. ذكر الطبري في جامع البيان، تحقيق أحمد محمد شاكر (20/ 334) أن رسول الله صلّى الله عليه وسلّم قال: "إن موسى كان رجلا حييًّا سِتِّيرًا لا يكاد يرى من جلده شيء استحياء منه فآذاه من آذاه من بني إسرائيل، وقالوا: ما تستر هذا التستر إلا من عيب في جلده؛ إما برص، وإما أدرة، وإما آفة. وإن الله أراد أن يبرئه مما قالوا، وإن موسى خلا يومًا وحده فوضع ثيابه على حجر ثم اغتسل فلما فرغ من غسله، أقبل على ثوبه ليأخذه وإن الحجر عدا بثوبه، فأخذ موسى عصًا وطلب الحجر، وجعل يقول: ثوبي حجر، حتى انتهى إلى ملأ من بني إسرائيل، فرأوه عريانًا كأحسن الناس خلقًا وبرأه الله مما قالوا، وإن الحجر قام فأخذ ثوبه ولبسه فطفق بالحجر ضربًا بذلك، فوالله إن في الحجر لندبًا من أثر ضربه ثلاثًا أو أربعًا أو خمسًا". م: الحجر.

[٢] م: + فهي له.

[٣] [المائدة: 32]

[٤] ج: والابتصار.

[٥] ج: - باسم المحيي، + حيًا.

Marfat.com

اسم الحیی[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تیرے قلب کو حیاتِ علم سے زندہ کرے اور تیرے اعضا کو حیاتِ طاعت شعاری بخشے۔

تحقق:

الحیی وہ ہے جو ہر موجود کو حیات بخشے حتی کہ یہ اس کی تعریف و تسبیح کرے۔ پس جس کی حیات ظاہر ہوئی وہ زندہ ہے، اور جس کی حیات پوشیدہ رہی یا تو اِس میں افزائش اور نمو ہو گی یا نہیں۔ اگر وہ افزائش کرے تو وہ زندہ ہے، اور اگر اس میں نمو نہیں تو وہ جامد کہلاتا ہے؛ اہلِ کشف کے ہاں یہی ثابت ہے۔[2] جہاں تک حق سبحانہ و تعالیٰ کا تعلق ہے تو وہ فرماتا ہے: ﴿اور ہر چیز اس کی تعریف اور تسبیح بیان کرتی ہے﴾ (الاسراء: ۴۴) ﴿ہر کوئی اپنی صلاۃ اور تسبیح سے

---

[1] وہ اپنے وجود سے ہر اُس عین ثابت کو وجود بخشا ہے جو ایجاد کا حکم قبول کرتی ہے؛ لہٰذا حق تعالی نے اسے اپنے وجود میں ایجاد کیا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۵ ب)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الحیی" کہلاتا ہے، وہی ہر چیز کو حیات بخشا ہے۔ چنانچہ یہاں ہر شے زندہ ہے؛ کیونکہ ہر شے اللہ کی تسبیح اور تحمید بیان کرتی ہے، اور تسبیح صرف زندہ ہی کر سکتا ہے، چاہے وہ بظاہر مردہ ہو یا غیر مردہ؛ وہ زندہ ہی ہے؛ کیونکہ اشیا کی حیات ان پر حق تعالیٰ کی حیات کا فیض ہے؛ یہ اشیا اپنے ثبوت کی حالت میں بھی زندہ ہیں؛ اگر یہ زندہ نہ ہوتیں تو اس کا قول "کن" نہ سنتیں اور نہ ہی موجود ہوتیں۔... یہ اشیا نہ تو اپنی حالت ثبوت میں اس کی نظر سے اوجھل ہیں اور نہ حالت وجود میں؛ ان دونوں حالتوں میں انہیں حیات حاصل ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵۶)

واقف ہے﴾ (النور: ۴۱) ﴿کیا تو نے غور نہیں کیا کہ جو (مخلوق) آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت، چوپائے اور بہت سے انسان، بہت سے (انسان) ایسے بھی ہیں جن پر (ان کے کفر و شرک کے باعث) عذاب ثابت ہو چکا ہے، اور اللہ جسے ذلیل کر دے تو اسے کوئی عزت دینے والا نہیں، بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے﴾ (الحج: ۱۸) اس نے زمین اور آسمانوں سے فرمایا: ﴿اپنی خوشی یا بیزاری سے آؤ، دونوں بولے: ہم مطیع ہو کر آتے ہیں﴾ (فصلت: ۱۱) اہل کشف یعنی فرشتوں، انبیا اور اولیا نے جمادات میں زندگی کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھے ہیں: "اے پتھر میرے کپڑے تیرے پاس ہیں؟"[۱]

تخلق:

جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا، ﴿اور جس نے کسی ایک نفس کو زندہ کیا تو اس نے ساری انسانیت کو زندہ کیا﴾ (المائدہ: ۳۲) اور جو غور و فکر اور بصیرت کی طلب میں رہا تو اُس نے اپنے

---

۱ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: حضرت موسیٰ بڑے شرمیلے اور ستر پوش آدمی تھے، ان کی شرم کی وجہ سے ان کے جسم کا ذرا سا حصہ بھی ظاہر نہ ہوتا تھا۔ بنی اسرائیل والوں نے اس بات پر انہیں کافی تکلیف دی کہتے: یہ اس لیے اتنی پردہ پوشی کرتے ہیں کیونکہ ان کی جلد عیب دار ہے یا تو انہیں برص ہے یا پیپ پڑی ہے یا اور کوئی بیماری ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو ان تمام بہتانوں سے پاک کرنا چاہا۔ سو ایک دن حضرت موسیٰ نے تنہائی میں جا کر کپڑے اتار کر پتھر پر رکھ دیئے اور غسل کرنے لگے، جب غسل سے فارغ ہوئے تو اپنے کپڑے لینے کے لیے گئے تو وہ پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ حضرت موسیٰ اپنا عصا لے کر پتھر کے پیچھے بھاگے اور کہنے لگے اے پتھر! میرے کپڑے دے، اے پتھر! میرے کپڑے دے حتیٰ کہ آپ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کے سامنے پہنچ گیے اور انہوں نے آپ کو بے لباس دیکھ لیا کہ آپ کا جسم تو بہترین صورت پر ہے۔ یوں اللہ نے آپ کو ان تمام الزامات سے بری کر دایا، پھر وہ پتھر بھی رک گیا، آپ نے کپڑے پہنے اور پتھر کو ڈنڈے لگائے۔ (صحیح البخاری اور الطبری - جامع البیان)

نفس کو زندہ کیا؛ وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے اسم الحی سے یاد کیا جائے۔

Marfat.com

(٦٢) الاسم: المميت

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يعصمك من[٢] أن تكون ممّن أمات قلبه بالغفلة عن ذكر الله وما في ضمنه.

التحقّق: [المميت هو] مزيل الحياة ممّن قامت به[٣]. واختلفوا في الحيّ قبل وجود الحياة فيه؛ هل يُسمّى ميّتا أو[٤] لا؟ ﴿وَكُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ﴾[٥] ولم تتقدّمهم حياة.

التخلّق: ﴿مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا﴾[٦] ﴿قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ﴾[٧] ومَن أمات ما كان حيًّا مِن البدع والضلالات[٨]، لا شكّ[٩] أنّه مميت ولكن بنسبة[١٠] سعادته[١١]؛ إذ يلزم هذا في[١٢] النقيض[١٣].

---

[١] ج: – في.

[٢] ج: – من.

[٣] خ: – به.

[٤] خ، م: أم.

[٥] [البقرة: 28]

[٦] [المائدة: 32]

[٧] [السجدة: 11]

[٨] خ: والضلال.

[٩] خ: نشك. م: يشك.

[١٠] ي: بنسبته.

[١١] ف، ي، ط: سعادية.

[١٢] ج: + في.

[١٣] ف: القبض.

اسم الممیت

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی یہی ہے کہ یہ تجھے ان لوگوں میں شامل ہونے سے بچائے جنہوں نے اللہ کے ذکر - اور اس کے نتائج - سے غافل ہو کر اپنا دل مردہ کر لیا۔

تحقق:

(الممیت) کسی شے میں قائم حیات کو زائل کرتا ہے۔[1] لوگوں کا کسی شے میں حیات کے وجود سے قبل حی ہونے میں اختلاف ہے؛ آیا اُسے مردہ کہا جائے گا یا نہیں؟ ﴿اور تم بے جان تھے سو اس نے تمہیں زندگی بخشی﴾ (البقرہ:۲۸) حیات اس (موت) سے پہلے نہ ہوئی۔

---

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الممیت" کہلاتا ہے۔... موت دنیا کے گھر سے آخرت کے گھر کی طرف منتقل ہونے کا نام ہے، یہ در حقیقت کسی شے سے حیات کا زائل ہونا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ہماری آنکھوں پر پردہ ڈال رکھا ہے کہ ہم اس چیز کی حیات کا ادراک نہیں کر پاتے۔ راہ خدا کے شہیدوں کے بارے میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں، ہمیں اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ ہم انہیں مردہ کہیں۔

ہمارے نزدیک جب میت ایک جہان سے دوسرے جہان منتقل ہو جاتی ہے تب بھی اِس کی زندگی باقی رہتی ہے، یہ زائل نہیں ہوتی۔ صرف اس مملکت پر حاکم - یعنی روح کہ اللہ تعالیٰ نے جسے اس کے ایام ولایت میں بدن کی تدبیر سونپی - اپنی ولایت سے معزول ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہمارے نزدیک میت خود سے یہ جانتی ہے کہ وہ زندہ ہے، لیکن تو اپنی جہالت کے باعث اس پر یہ حکم لگاتا ہے کہ وہ زندہ نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵۷)

Marfat.com

تحلق:

﴿جس کسی نے بغیر بدلے کے کسی کو قتل کیا یا زمین میں فساد پھیلانے کے لیے ایسا کیا تو گویا اس نے ساری انسانیت کا قتل کیا﴾ (المائدہ: ۳۲) ﴿کہہ دو کہ ملک الموت جو تم پر نگران بنایا گیا وہ تمہاری روحیں قبض کر لیتا ہے﴾ (السجدہ: ۱۱) جو کوئی بدعت اور گمراہی کو مارے تو وہ اِس بدعت کو مارنے والا کہلاتا ہے لیکن اپنی سعادت مندی کی نسبت سے؛ لیکن جسے اس نسبت سے سعادت نہ ملی تو وہ بدعت کو مارنے والوں میں سے بھی نہیں۔

Marfat.com

(٦٣) الاسم: الحيّ

التعلّق: افتقارك إليه في اتّصال[1] حياتك بالحياة الآخرة. قال تعالى: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَن شَاءَ اللَّهُ﴾[2] وقال: ﴿بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ﴾[3].

التحقّق: الحيّ مَن كانت حياته لنفسه غير مستفادة[4] من غيره. وتحت هذا مسألة كبيرة بين نفاة[5] الصفات ومثبتيها أعيانًا زائدةً، ليس هذا موضعها.

التخلّق: قال رسول الله – صلّى الله عليه وسلّم – في[6] أهل النار الذين هم أهلها: «[إنّهم] لا يموتون فيها ولا يحيون» خرّجه مسلم.

الحيُّ من العباد من حيي[7] سرّه بنور الله، وقلبه بذكر الله، وجوارحه بطاعة الله، ومن اتّصف بهذه الحياة كانت له الحياة الدائمة في دار السعادة التي نقلها[8] الحقّ عن الأشقياء.

[1] ي: إيصال.
[2] [الزمر: 68]
[3] [آل عمران: 3]
[4] ي: مستفاد.
[5] ي: نفاذ.
[6] ط: أما.
[7] ي: أحيا.
[8] ف، خ، ي، م، ط: نفاها.

Marfat.com

اسم الحی

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تیری اِس زندگی کو اُخروی زندگی سے جوڑ دے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور جب صور پھونکا جائے گا تو زمین اور آسمان میں موجود سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اس کے جسے اللہ بچانا چاہے﴾ (الزمر: ٦٨) اور فرمایا: ﴿بلکہ وہ زندہ ہیں اور اپنے رب سے رزق پاتے ہیں﴾ (آل عمران: ١٦٩)

تحقق:

اصل زندہ وہ ہے جس کی زندگی ذاتی ہو اور اس نے یہ کسی دوسرے سے حاصل نہ کی ہو۔[1] اِس (اشارے) کے تحت صفات کی نفی اور ان کا اثبات۔ بحیثیت اعیان زائدہ۔ کرنے والوں کے درمیان بہت بڑا مسئلہ ہے، لیکن یہ اس کی مناسب جگہ نہیں۔

تخلق:

رسول اللہ ﷺ نے اہل دوزخ کے بارے میں فرمایا، جو اس کے حقیقی اہل ہیں: "وہ نہ

---

[1] فتوحات میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الحی" کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اللہ وہ ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ الحی القیوم ہے﴾ (البقرۃ: ٢٥٥) اور اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿اور چہرے اس الحی القیوم کے آگے جھک گئے﴾ (طہ: ١١١) چونکہ قیومیت الحی کے لوازمات میں سے ہے: اللہ تعالیٰ نے الحی (زندہ) کے ساتھ اس کا ذکر کیا؛ سو ہر معلوم زندہ ہے۔ بیشک معلوم نے ہی اپنے عالم کو اپنا علم دیا، چاہے وہ عدم ہی تھا؛ بیشک صرف وہی کچھ دے سکتا ہے جس کو صفت حیات حاصل ہو لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے کیونکہ وہ غور نہیں کرتے۔ (مخطوط: السفر-٣٣، ص ٥٨ ب)

Marfat.com

اس میں مر سکیں گے نہ جی سکیں گے۔" (صحیح مسلم)

بندوں میں الحی وہ ہے جس کی روح اللہ کے نور سے، جس کا دل اللہ کے ذکر سے اور جس کے اعضا اللہ کی فرمانبرداری سے زندہ کیے گئے، اور جو اس حیات سے متصف ہوا تو دارِ سعادت (یعنی جنت) میں اِس کے لیے ہمیشہ کی زندگی ہے، جس (زندگی) کو اللہ نے بدبختوں سے دور کر رکھا ہے۔

Marfat.com

(٦٤) الاسم: القيّوم

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يرزقك المعونة[٢] فيما أمرك به من القيام على من كُلّفت القيام به.

التحقّق: القيّوم على الحقيقة هو الذي يقوم بنفسه ويقوم به كلّ من سواه على جهة الافتقار إليه في ذاته ولوازمها.

التخلّق: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾[٣] فمن قام[٤] من العباد بحاجات من استند إليه وكثر ذلك منه[٥] فهو قيّوم.

---

[١] ج: – في.

[٢] م: – في أن يرزقك المعونة.

[٣] [النساء: 34]

[٤] ي: – قام.

[٥] م: وكثر منه ذلك.

اسم القیوم[1]

تعلق:

تیری اس سے محتاجی یہ ہے کہ یہ ان کاموں کے کرنے میں تیرا مددگار ہو جن کے قائم کرنے کا اس نے تجھے حکم دیا اور جن کے قائم کرنے پر تجھے مکلف کیا گیا۔

تحقق:

حقیقت میں القیوم وہ ہے جو خود سے قائم ہو اور اس کے سوا ہر ایک اِس طرح اُس سے قائم ہو کہ اپنی ذات اور اُس کے لوازم میں اُسی ایک کا محتاج ہو۔

تخلق:

﴿مرد عورتوں پر منتظم ہیں﴾ (النساء:۳۴) لہٰذا جو بندوں میں اُس پر بھروسا کرنے والوں کی حاجت روائی کرے، اور ایسا کثرت سے کرے تو وہ قیّوم ہے۔[2]

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد القیوم" کہلاتا ہے، چونکہ قیومیت الحی کی صفات میں سے ہے اسی لیے یہ اس کے ساتھ ہے، اور اس کے ساتھ ہی اس کا ذکر ہوتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۵۹ ب)

[2] اس اسم کے تخلق کے بارے میں شیخ فرماتے ہیں: قیومیت اپنی ذات سے ہر چیز میں سرایت کر گئی، اسی لیے تو اس نے ہمیں کہا: ﴿اور اللہ کے لیے ادب سے کھڑے ہو جاؤ﴾ (البقرۃ:۲۳۸) اگر ہم میں قیومیت کی سرایت نہ ہوتی تو وہ ہمیں یہ حکم نہ دیتا۔ اور اِسی طرح ہم نے کیا، ہم اُس کے لیے اُسی سے کھڑے ہو گئے۔ خود میں تو میں نے یہ اپنی آنکھوں سے دیکھا، جیسا کہ اِسے میں نے ایمان سے بھی دیکھا۔ مجھے تو اس کی بات پر حیرت ہوتی ہے جو یہ کہتا ہے کہ قیومیت سے متخلق نہیں ہوا جاتا، اور یہ

Marfat.com

⇆ ↓

حق کے اختصاصات میں سے ہے۔ قیومیت تو موجود کی زیادہ حقدار ہے؛ کیونکہ یہ اس میں سرایت کرتی ہے، اور اسی سے اسمائے الٰہیہ کا ظہور ہوا۔ اسی سے حق نے موجود کو قائم کیا... اور اگر یہ نہ ہوتی تو مخلوق کا عین اور حکم ظاہر نہ ہوتا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۵۹ ب)

Marfat.com

(٦٥) الاسم: الواجد

التعلّق: افتقارك إليه في[1] أن يهبك حالًا[2]؛ عدم تعيين حاجة.

التحقّق: الواجد من لا يعوزه شيء البتّة، وهو أقصىٰ مراتب الواجدين.

التخلّق: إذا حصل العبد في مقام لا يعوزه شيء[3] ولا يحتاج إلىٰ شيء لمعرفته ذوقًا أنّ[4] كلّ شيء فيه صلاحه[5] وبقاؤه معيّن[6] عند الحقّ مدّخر له عندما اتّخذه وكيلًا. فإنّ الشخص إذا علم أنّ[7] وكيله قد ادّخر له في بيته جميع ما يحتاج إليه في جميع سنته، فهو واجد لكلّ شيء يحتاج إليه في سنته - والسنة في حقّ العبد المتخلّق، وفي حقّ الحقّ، عبارة عن الأبد الذي لا نهاية لبقائه - فقد صحّ له اسم الواجد.

[1] ج، ف، خ، م: - في.
[2] خ: + وهو.
[3] ج: - وهو أقصىٰ مراتب الواجدين. التخلّق: إذا حصل العبد في مقام لا يعوزه شيء.
[4] خ: + كان.
[5] ي: صلاحية.
[6] خ: ومعين.
[7] م: من.

Marfat.com

اسم الواجد

تعلق:

تیری اس سے محتاجی اسکا تجھے ایسا حال عطا کرنا ہے کہ اس کے بعد تو کسی حاجت کو متعین نہ کرے۔

تحقق:

الواجد وہ ہے کہ کبھی کوئی چیز اسے اپنا محتاج نہ بنا سکے، یہ تو واجدین کا انتہائی مرتبہ ہے۔[1]

---

[1] اس حاضرت کا بندہ "عبد الواجد" کہلاتا ہے، یہ ایسا شخص ہے جس پر کوئی چیز مشکل نہیں ہوتی، اور چیزوں سے غنی ہوتا ہے۔ جب وہ کسی معاملے کی طلب رکھے اور وہ معاملہ وجود پذیر نہ ہو، یعنی پورا نہ ہو تو اس کا نہ ہونا اِسی کی وجہ سے ہے؛ کیونکہ اس پر کچھ دشوار نہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ابو جہل سے یہ کہا کہ وہ اللہ کی احدیت، اُس کے رسول۔ اور جو کچھ وہ رسول اللہ کی طرف سے لایا۔ اُس پر ایمان لے آئے؛ لیکن ابو جہل نے وہ بات نہ مانی جس کا اِس سے مطالبہ کیا گیا۔ اس کے انکار کی ظاہری وجہ یہ تھی کہ اسے وہ چیز خود میں نہیں مل رہی تھی جو اس سے مانگی گئی تھی، رکاوٹ تو خود اس میں تھی؛ کہ اسے توفیق ہی نہ دی گئی: ﴿وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ﴾ (النحل:۹) اگر وہ چاہے تو تم سب کو ہدایت دے دیتا، اگر وہ کسی چیز کا ارادہ کرے تو "کُن" سے اسے لا کھڑا کرتا ہے، اس پر تو کچھ دشوار نہیں وہ تو بس "کُن" کہتا ہے۔ اگر وہ ابو جہل اور دیگر کافروں کے ایمان کو۔ جو ایمان نہ لائے اور ایمان لانے کا اس نے کہا۔ "کُن" کہتا تو ان مخاطب لوگوں: یعنی ابو جہل اور دیگر کافروں میں ایمان پیدا ہو جاتا۔ سو "الواجد" کی حیثیت سے اُس کا پیدا کرنا صرف "کن" سے ہے۔ جبکہ "کن" کے علاوہ جو پیدا ہوا وہ "حاضرت وجدان" سے نہیں۔...

جب بندہ اس حاضرت سے متحقق ہوتا ہے کہ ممکنات میں سے کوئی چیز اس پر دشوار نہیں رہتی تو اِس کا تحقق یہ ہے کہ حق اِس کی زبان ہوتا ہے، کوئی اور نہیں۔ یہ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے وہ موجود ہو جاتی

ہے

تخلق:

جب بندہ ایسے مقام پر پہنچتا ہے جس میں کوئی چیز اِسے اپنا محتاج نہیں بنا سکتی اور نہ اُسے کسی چیز کی ضرورت رہتی ہے، کیونکہ وہ ذوق سے یہ جانتا ہے کہ ہر وہ چیز جس میں اِس کی صلاح اور بقا ہے، وہ تو اللہ کے ہاں معین ہے اور اُس وقت سے اِس کے لیے محفوظ ہے جب سے اِس نے حق تعالیٰ کو اپنا وکیل بنایا۔ اگر کوئی شخص یہ جان لے کہ اس کے وکیل (یعنی کارساز) نے اپنے گھر میں اِس کے لیے ہر وہ چیز جمع کر رکھی ہے جس کی ضرورت اسے اگلے پورے سال ہونی ہے، اور وہ ہر اُس چیز کو لا موجود کرے گا جس کا یہ اس سال محتاج ہو گا۔ سال تو متخلق بندے کے لیے ہے، جبکہ حق تعالیٰ کے لیے تو یہ ابد ہے جس کی بقا کی کوئی حد نہیں۔ تو اس کے لیے اسم الواجد درست ہے۔

ہے؛ لہٰذا وہ ہر چیز کو پالیتا ہے۔... اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ اللہ سے ہی بولتا ہے، اور اللہ جب بندے کی زبان سے کوئی بات کرتا ہے، تو لازم نہیں کہ وہ پوری بھی ہو، اور جب حق تعالیٰ خود اپنی زبان سے کچھ کہتا ہے تو اس کا پورا ہونا لازم ہے۔ بندہ تو ہمیشہ اندازہ ہی لگاتا ہے؛ وہ اس کا یہ کہنا ہے: "اگر" جیسا کہ اس نے مشئیت حق تعالیٰ میں اگر کا لفظ استعمال کیا ﴿لو شاء﴾ اگر وہ چاہے، اور اس نے جو چاہا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۶۱)

Marfat.com

(٦٦) الاسم: الماجد

التعلّق: افتقارك إليه في إعطاء شرفٍ مّا من غير تعيين.

التحقّق: نسبة الشرف على الجملة إليه من غير تفصيل.

التخلّق: كذلك أيضًا نسبة[١] الشرف بما يقوم به من الأوصاف الشريفة من حيث الجملة. والمجيدُ بنية مبالغة بها[٢] يقع التفصيل لهذا الشرف الجمليّ، فيُقال: شريف من حيث كذا ومن حيث كذا[٣] إلى ما لا يتناهى.

---

[١] خ: يشبه.

[٢] خ: بها.

[٣] م: - ومن حيث كذا.

Marfat.com

اسم الماجد

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اس کا تجھے متعین کیے بغیر خاص شرف عطا کرنا ہے۔

تحقق:

شرف کی اجمالی نسبت - جس میں تفصیل نہ ہو - اسی کی جانب ہے۔

تخلق:

اسی طرح شرف کی نسبت اُس مقدار کے مطابق ہے جس سے شرف والے اوصاف سے متحقق ہوا جائے، اگر زیادہ تو زیادہ، نہیں تو کم۔ "المجید" مبالغے کا صیغہ ہے، اور اسی سے اِس اجمالی شرف کی تفصیل بیان ہوتی ہے، کہا جاتا ہے: اِس رخ سے شرف والا اِس رخ سے شرف والا، اور اِس میں لامتناہی رخ ہیں۔

(٦٧) الاسم: الواحد

التعلّق: افتقارك إليه في أن يجعلك وحيد وقتك في همّك به[١] وهمّتك.

التحقّق: الواحد على الحقيقة هو الذي يتّصف بالوحدة من جميع الوجوه[٢]، ولا يقبل الكثرة بوجه من الوجوه، وهذه مسألة كبيرة[٣] فيها للعلماء[٤] كلام كثير.

التخلّق: «إذا بُويع لخليفتين فاقتلوا الآخر منهما»، فينبغي للعبد أن يستعد بالتوجّه[٥] الكلّي إلى جانب الحقّ تعالى، والتخلّق[٦] بها[٧] في الوسع الإمكاني بالأخلاق الإلهيّة، لتحصل[٨] له رتبة القطبيّة، ليكون واحد الزمان في وقته لا[٩] يشاركه فيها أحد، إذ[١٠] لا بدّ في كلّ زمان من واحد لا ثاني له، وهذا المقام مكتسب[١١].

---

[١] ي: + في. ط: + وفي.

[٢] ج: + ولا يقيّد.

[٣] ي، م: كثيرة.

[٤] ي: للعالم.

[٥] ج، ف، ي، م: بالوجه.

[٦] ي: ويتخلق.

[٧] ي: بها.

[٨] ي، ط: ليحصل.

[٩] خ: ولا.

[١٠] ي: – إذ.

[١١] ج: + والله أعلم.

Marfat.com

اسم الواحد[1]

تعلق:

تیری اس سے محتاجی اس کا تجھے تیرے دور میں تیری ہمت اور توجہ میں یکتا کر دینا ہے۔

تحقق:

در حقیقت واحد وہ ہے جو تمام اعتبارات سے تنہا ہو، اور کسی اعتبار سے کثرت قبول نہ کرے۔[2] یہ ایک بڑا مسئلہ ہے، جس بارے میں علما نے بہت بات کی ہے۔[1]

[1] وہ اپنی الوہیت میں واحد ہے، سو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۶)

[2] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: کیا وجود میں کوئی ایسا بھی ہے جو تمام رخوں سے واحد ہو، یا نہیں؟ تو اِس میں توقف ہے۔ بیشک ہر قدیم اور جدید چیز کی احدیت بلا شک و شبہ معقول ہے، اِس میں کوئی عاقل اور صحیح النظر شک نہیں کرتا۔ پھر اگر تو اِس واحد پر غور کرے؛ تو لازماً تو اِس پر کسی ایک نسبت سے حکم لگائے گا، جس (حکم لگانے) کا سب سے ادنیٰ درجہ رتبہ کہلاتا ہے؛ کیونکہ وہ اس رتبے سے الگ نہیں جس پر وہ وجود میں موجود ہے۔ یا وہ موثِر-اسم فاعل- ہوگا یا موثَر-اسم مفعول- یا ان کا مجموعہ یا اِن میں سے کوئی بھی نہیں ہوگا۔ موثِر فاعل ہے اور موثَر فیہ انفعال کی جگہ ہے۔ لہٰذا وجود میں مجموعہ ہی ہے، اور عقلی تقسیم میں بھی مجموعہ ہی ظاہر ہوا؛ لہٰذا یہاں تاثیر میں یکتا اور آزاد کوئی نہیں۔ کیونکہ اثر قبول کرنے والے کا بھی قبول کرنے میں خود پر اثر ہے، جیسا کہ قادر کا اِس پر اثر ہے۔ چونکہ منفعل چاہتا ہے کہ اُس کے ساتھ وہ کیا جائے جس کا وہ طالب ہے؛ تو جس سے یہ چاہا گیا، اُس نے اِس ممکن کی چاہت کے مطابق ہی فعل کیا؛ یہی ممکن کی واجب اور فاعل میں تاثیر ہے؛ کیونکہ اُسی نے یہ طلب رکھی کہ ایسا کیا جائے تو اِس (فاعل) نے ایسا کیا، جیسے وہ فرماتا ہے: ﴿میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارے﴾ (البقرۃ: ۱۸۶) لہٰذا سوال اور پکار نے جواب دینے والے کے جواب پر اثر ڈالا، حالانکہ اِس میں کوئی نئی چیز نہیں ہوئی کیونکہ وہ (قدیم ہے اور) حوادث کی جا نہیں۔
بقیہ

ہم جو چیز ثابت کر رہے ہیں وہ نسبتوں کی اعیان ہیں، اور شارع نے ان کی تعبیر اسما سے کی۔ سو ہر اسم کا دوسرے اسم سے الگ ایک مطلب ہے، اور یہ معنی ذات حق تعالیٰ سے منسوب ہے؛ اہل کلام اسی کو صفت کہتے ہیں جبکہ محققین اسے "نسبت" کہتے ہیں۔ وجود میں تمام رخوں سے واحد کوئی نہیں، کیونکہ وجود میں واحد اور احد ہے، یہ لازم ہے۔ پھر اسی نسبت کی معقولیت کے باعث واحد اور احد کے مابین نسبتیں ہیں۔ بیشک نسبتیں ایک دوسرے سے جدا ہیں۔ کہاں ارادہ اور کہاں قدرت، کہاں کلام کہاں حیات اور کہاں علم؟ اسم العلیم کی عطا اسم القدیر کی عطا سے جدا ہے، اسی طرح اسم الحکیم کی عطا دیگر اسما کی عطا سے جدا ہے۔ ان سب کو نسبتیں سمجھ، یا اسما جان، یا صفات کہہ۔ بہتر ہے اسما ہی جان، اور یہی لازم ہے کیونکہ شریعت الٰہی میں حق تعالیٰ کے بارے میں صفات اور نسبتوں کا ذکر نہیں، بلکہ اسما کا ذکر آیا ہے، اس نے کہا: ﴿اور اللہ کے اچھے اسما ہیں﴾ (الاعراف: ۱۸۰) اور یہ ان نسبتوں کے سوا کچھ نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۶۴)

۱ کیا یہ اسما وجودی اعیان رکھتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں اہل عقل کا اختلاف ہے۔ جبکہ ہمارے نزدیک اِس میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ غیر وجودی معقول حقائق پر نسبتیں اور اسما ہی ہیں۔ ذات ان سے کثیر نہیں؛ کیونکہ کوئی چیز وجودی اعیان سے ہی کثیر ہوتی ہے، احکام اضافات اور نسبتوں سے نہیں۔ سو ہر معلوم چیز میں اُس کی احدیت ہے، اور اسی (احدیت) سے اُس (چیز) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ واحد ہے۔ ابی عتاہیہ کا کہنا ہے:

ہر چیز میں اس کی ایک نشانی ہے، جو یہ بتاتی ہے کہ وہ واحد ہے۔

یہاں چند رخ ہیں: ایک یہ کہ "لہ" اور "انہ" کی ضمیر اسی مذکور چیز پر لوٹی۔ یوں مطلب یہ ہوگا کہ "ہر چیز میں اس چیز کی ایک نشانی ہے جو اس پر دلالت کرتی ہے کہ یہ چیز خود میں واحد ہے، اور یہ اس کی خاص عین ہی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ "لہ" اور "انہ" کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹے؛ یعنی وہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اسے ایجاد کیا وہ واحد ہے، اور اس چیز کی ایجاد میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ بلا شک وشبہ شاعر کا یہی مقصود ہے۔

یہ نشانی اور دلالت کیا ہے؟ ... جان لے کہ یہ نشانی ہر عین کی احدیت ہی ہے، چاہے یہ واحد کی احدیت ہو یا کثرت کی احدیت۔ ہر ممکن عین کی احدیت اسما کی کثرت کے باوجود عین حق کی احدیت پر دلالت کرتی ہے۔ اور ہر اسم کی دلالت اس مطلب پر ہے جو کسی دوسرے مدلول کے معنی سے الگ ہے۔ اس کا حاصل یہی ہے کہ حق کی احدیت اس کی عین سے ہے اور کثرت کی احدیت اس کے اسما

Marfat.com

تخلق:

"جب دو خلیفوں کی بیعت کی جائے تو بعد والے کو قتل کر دو۔" بندے کو چاہیے کہ اپنی پوری توجہ سے حق تعالیٰ کی جانب متوجہ رہے اور جس قدر ہو سکے اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہو، تا کہ اسے رتبہ قطبیت حاصل ہو، اور وہ اپنے زمانے کا ایسا یکتا ہو کہ کوئی دوسرا اِس (مقام) میں اس کا شریک نہ ہو۔ بیشک ہر زمانے میں ایسا کوئی ایک ہوتا ہے جس کا کوئی ثانی نہیں ہوتا، اور کسب سے حاصل ہونے والا مقام ہے۔

بقیہ

سے ہے۔ سو وجود میں موجود ہر چیز نے اس بات پر دلالت کی کہ حق تعالیٰ اپنے اسما اور اپنی ذات میں واحد ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۶۵)

(٦٨) الاسم: الصمد

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يجعل[٢] من الفرج بيدك حتّى تكون ملجأ لكلّ وارد من الحقّ ومن[٣] الخلق، وأن تكون[٤] في حال تركيبك من الطهارة على ماكنت عليه قبل وجودك.

التحقّق: الصمد على الحقيقة؛ الذي يُلجَأ إليه في جميع الأمور: دقيقها وجليلها[٥]، معلومها ومجهولها.

التخلّق: إذا اكتسب الإنسان بتخلّقه الخُلق الإلهيّ، واتّصف بمكارم الأخلاق، وكان موضع نظر الحقّ من العالم؛ لجأتْ إليه النفوس كلّها لتحقّقها بحصول أغراضها وإراداتها[٦]، علوًا وسفلًا حقًّا وخَلقًا. وليس من شرطه أن يكون [المتخلّق] معلومًا في علم التركيب. ﴿وَأَقْرِضُوا اللَّـهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾[٧] ﴿فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾[٨]. هو حضرة ظهور آثار الأسماء.

---

[١] ج: - في.

[٢] خ: يجعلك.

[٣] ج: و.

[٤] ي: يكون.

[٥] ج: وجليها.

[٦] خ، ي، م، ط: وإرادتها.

[٧] [الحديد: 18]

[٨] [طه: 14]

Marfat.com

اسم الصمد[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تیرے ہاتھ کشائش رکھ دے حتیٰ کہ تو حق اور مخلوق کی جانب سے ہر وارد پر جائے پناہ بن جائے، اور تو اپنی ترکیبی حالت میں ایسی پاکیزگی پر ہو جو تجھے تیرے اس وجود سے قبل حاصل تھی۔

تحقق:

حقیقت میں الصمد وہ ہوتا ہے کہ تمام امور — یعنی باریکیوں والے، عظمت والے، ان میں سے جو معلوم ہوں اور جو معلوم نہ ہوں، ان سب — میں اُسی کی پناہ لی جائے۔[2]

---

[1] وہ الصمد ہے کہ مشکلات میں اسی کی پناہ لی جاتی ہے، اور اسی لیے تو ہم نے اُسے اپنا وکیل بنایا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۲۶)

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: حق تعالیٰ اس حیثیت میں الصمد ہے کہ ہر چیز کے خزانے اسی کے پاس ہیں۔ لیکن یہ خزانے ثابت معلومات کے سوا کچھ نہیں؛ بیشک یہ معلومات اس کے پاس ثابت ہیں؛ وہ انہیں جانتا ہے، انہیں دیکھتا ہے، اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ ان میں کیا کیا ہے؛ سو ان میں سے جو چاہتا ہے باہر نکالتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رہنے دیتا ہے۔ اور یہ معلومات اپنی ہستی میں خزانوں میں ہیں؛ انہیں محدود اور متناہی سمجھا جاتا ہے جبکہ یہ لامتناہی ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۶۶)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الصمد" کہلاتا ہے۔... یہ حاضرت حاضرتِ اعتماد اور بھروسا ہے، جس پر ہر وہ بھروسا کرتا ہے جو کسی خاص چیز کا محتاج ہے؛ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ یہ خاص معاملہ جس کا وہ محتاج ہے وہ اسی حاضرت سے ہے۔ اس حاضرت کا محتاج نہ ہونا بھی انہی امور کی وجہ سے ہے جن کی بدولت اس کی محتاجی ہوئی۔... اس حاضرت میں ضروری بات ان امور کی نشاندہی ہے کہ جن کی وجہ سے محتاج اس کے محتاج ہوئے؛ کیا اس کے پاس خزانوں میں ان (امور) کا وجود ہے

بقیہ

تخلق:

جب انسان اپنے تخلق سے اخلاق الٰہی کماتا ہے، اچھے اخلاق سے متصف ہوتا ہے اور کائنات میں حق کی نظر گاہ بن جاتا ہے؛ تو سب کے سب نفوس اِس کے پاس دوڑے چلے آتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہوتا ہے کہ ان کی اغراض اور مرادیں اپنی بلندی، پستی، حق اور مخلوق میں اسی سے پوری ہوتی ہیں۔ اِس کی شرط یہ نہیں کہ (یہ متخلق) عالم ترکیب میں معلوم ہو۔ ﴿اور جنہوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا﴾ (الحدید: ۱۸) ﴿میری عبادت کر اور میرے ذکر کے لیے نماز قائم کر﴾ (طہٰ: ۱۴) یہ آثارِ اسما کے ظہور کی حاضرت ہے۔

جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: ﴿اور ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں﴾ (الحجر: ۲۱) سو یہ خزانے اس حاضرت کا عین ہیں، غیر نہیں، اگر تو اس بات کو حقیقتاً سمجھے۔...

یہ بھی جان کہ حق تعالیٰ کے پاس خزانے دو طرح کے ہیں: ان میں سے ایک ذخیرہ کی گئی موجود چیزوں کے وجودی خزانے ہیں۔ جیسے کہ کوئی چیز زید کے پاس ہو، مثلاً کوئی لونڈی، غلام، گھوڑا، گھر، لباس یا پھر کوئی بھی چیز۔ سو زید اس چیز کا خزانچی ہے اور یہ چیز ذخیرہ ہے اور یہ دونوں اللہ کے پاس ہیں؛ کیونکہ تمام اشیا اللہ کے ہاتھ ہیں۔ سو عمر زید کے پاس اس چیز میں اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے کہ یہ اس کے پاس بھی ہو، چاہے یہ کچھ بھی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ زید کے دل میں یہ ڈالتا ہے کہ یہ چیز تحفتاً یا بیچ کر، یا صدقہ کر دے یا پھر اسے یہ بری لگنے لگے اور وہ عمر کو یہ دے دے۔ یہ حق تعالیٰ کے خزانوں کی ایک مثال ہے جو اس کے پاس ہیں۔ اس صورت پر یہ سارا جہان ہی کسی نہ کسی کے لیے خزانہ ہے، اور یہی ذخیرہ شدہ ہے۔ سو یہ جہان ذخیرہ کیا گیا خزانہ ہوا، اور ذخیرہ کی گئی چیز ایک خزانے سے دوسرے خزانے میں جاتی ہے؛ اور اس نے اس میں سے کوئی چیز بغیر خزانے کے نازل نہیں کی۔ یہ سب اس کے پاس ذخیرہ ہے؛ اور وہی اس کا اصل خزانچی ہے کہ اس کے خزانے سے کوئی چیز باہر نہیں نکلتی۔ جبکہ حق تعالیٰ کے سوا ہر ایک کے خزانے سے چیز نکل کر کسی دوسرے کے خزانے میں جاتی ہے۔ سو خزانوں کی خزانوں سے خزانوں تک محتاجی ہے۔ اور یہ سب اللہ کے ہاتھ اور اس کے پاس ہے؛ اور وہ الصمد ہے کہ امور میں اسی کی پناہ لی جاتی ہے اور اسی پر بھروسا کیا جاتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۶۶)

(٦٩) الاسم: القادر

التعلّق: افتقارك إليه في[1] أن يرزقك التمكّن ممّا[2] أمرك الله - تعالى - به من الأفعال.

التحقّق: القادر هو الذي إذا شاء فعل من غير مانع ولا دافع.

التخلّق: إذا كانت يد العبد يد الحقّ فهو التمكّن المطلوب من التخلّق ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّـهَ يَدُ اللَّـهِ فَوْقَ أَيْدِيهِمْ﴾[3]. يقول الله - تعالى -[4]: «فإذا أحببته كنتُ سمعَه الذي يسمع به - وفيه - ويدَه التي يبطش بها» الحديث. ومَن بطش بحقّ فلا مانع له[5] ولا دافع: ﴿فَتَنفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي﴾[6] ولا يُشترَط في هذا الاسم إيجاد الفعل، لكن يُشترَط فيه التمكّن منه إذا شاء بغير مانع.

---

[1] ج، ف، خ، م، ط: - في.

[2] ط: بها.

[3] [الفتح: 10]

[4] ي: - يقول الله تعالى.

[5] ف: - له.

[6] [المائدة: 110]

Marfat.com

اسم القادر

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے اُن افعال کے کرنے کی قدرت بخشے جن کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے تجھے حکم دیا۔

تحقق:

القادر وہ ہوتا ہے کہ کسی رکاوٹ اور دشواری کے بغیر جب جو کرنا چاہتا ہے کرتا ہے۔[۱]

تخلق:

جب بندے کا ہاتھ ہی اللہ کا ہاتھ ہو تو (اس اسم کے) تخلق سے یہی تمکن (قدرت) مطلوب ہے: ﴿بیشک جو آپ کی بیعت کرتے ہیں تو وہ اللہ کی بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے﴾ (الفتح:۱۸) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "جب میں اُس سے محبت کرتا ہوں تو اُس کی وہ سماعت ہوتا ہوں جس سے -اور جس میں- وہ سنتا ہے، اور اُس کا وہ ہاتھ ہوتا ہوں جس سے وہ

۱ شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد القادر" "عبد القدیر" اور "عبد المقتدر" کہلاتا ہے۔... اس حاضرت کا اثر ممکنات میں سے ہر اُس عین کو وجود بخشنا ہے جن کو وجود پذیر کرنے کا ارادہ حق تعالیٰ نے کیا، سو وہ ان سے کہتا ہے: ﴿کُن﴾۔ اس نے اپنے قول ﴿کن﴾ میں اقتدار چھپایا اور اسے اقتدار پر پردہ بنایا۔ سو ممکن ایسے اقتدار الٰہی سے ہے جس کی اِسے خبر نہیں، اِس نے وجود پذیر ہونے میں جلدی کی اور وجود پذیر ہوا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۶۸)

Marfat.com

پکڑتا ہے[1]۔" اور جس نے حق سے پکڑا تو اُسے کوئی رکاوٹ اور دشواری پیش نہیں آتی ﴿اور تو اُس میں پھونکتا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا﴾[2] (المائدہ: ۱۱۰) اس اسم میں فعل کا ایجاد کرنا شرط نہیں، بلکہ اپنی مرضی کے مطابق بغیر کسی رکاوٹ کے اس (فعل) پر قدرت رکھنا اِس کی شرط ہے۔

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ اگر تو فرائض کی ادائیگی میں ثابت قدمی دکھائے گا تو تو اللہ تعالیٰ کا قرب اُس کے محبوب ترین معاملات سے حاصل کرے گا۔ اگر تو اِس صفت کا حامل ہوا؛ پھر تو حق تعالیٰ کی سماعت اور بصارت ہو گا، اور وہ تجھ سے سنے گا، تجھ سے دیکھے گا، حق کا ہاتھ تیرا ہاتھ ہو گا ﴿جو لوگ آپؐ کی بیعت کر رہے ہیں وہ اللہ کی بیعت کر رہے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے﴾ (الفتح: ۱۰) ان کے ہاتھ جیسے اللہ کا ہاتھ؛ اُن کے ہاتھوں پر ہونا جیسے اُن کے ہاتھ ہونا ہے؛ کیونکہ یہ "المبایعہ" ہے۔ اسم فاعل۔ اور فاعل تو اللہ ہی ہے؛ سو اِن کے ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے؛ پس اللہ تعالیٰ نے بیعت میں ان کے ہاتھ استعمال کیے اور وہ بیعت کرنے والے بنے۔ (اسی طرح) یہ سب اسباب حق تعالیٰ کے ہاتھ ہیں، اور انہیں ہی مسببات کو ایجاد پذیر کرنے کی قدرت حاصل ہے... (مخطوط: السفر۔ ۳۶، ص ۱۱ ب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: "بسم اللہ بندے کے پاس تخلیق کی خاطر ایسا کلمہ ہے جو تکوین کے لیے حاضرت وجود ہے، اور یہ اللہ پاک کے لفظ "کن" جیسا ہے، لہٰذا اگر تحقق سے بسم اللہ پڑھی جائے تو بندے کے لیے وہی کچھ مسخر ہوتا ہے جو کلمہ "کن" سے مسخر ہوتا ہے، گویا کہ وہ کہہ رہا ہے "بسم اللہ" ہستی کے ظہور کی وجہ ہے۔ یہ حقیقت کی وہ بات ہے جس سے محبوبؐ کی وہ سچائی مناسبت رکھتی ہے کہ حق تعالیٰ اس کی سماعت اور زبان ہوتا ہے، سو اس شخص سے بھی وہ کچھ صادر ہوتا ہے جو "کن" سے صادر ہوتا ہے۔ اور یہ اس کا یہی کہنا ہے: ﴿اور تو اُس میں پھونکتا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا﴾ (المائدہ: ۱۱۰) لہٰذا "میرا حکم" پھونک مارنے سے جڑا... یہ اس وقت جب میں تیری زبان اور بصارت بنا، اور تجھ سے ان اشیا کا صدور ہوا جو تیرے بس سے باہر ہیں جب تک کہ میں تیری زبان سے نہ بولوں۔ دونوں صورتوں میں وجود بخشنا مجھے ہی حاصل ہے، اور "بسم اللہ" بعینہ "کن" ہے۔ (مخطوط: السفر۔ ۱۶، ص ۱۱۸)

Marfat.com

(٧٠) الاسم: المقتدر

التعلّق: افتقارك إليه في استعمالك فيما أُمِرت به.

التحقّق: المقتدر لا تكون[1] له إلّا حالة الإيجاد للمكوَّنات[2]، وبهذا ينفصل عن القادر، كالمكتسب حالَ الكسب.

التخلّق: من شرط هذا الاسم في المتخلّق[3] وجود الفعل كما ذكرنا من غير مانع للتمكّن[4] الذي حصل[5] له[6] من الاسم القادر. فمن شرطه في هذا الاسم ظهور الفعل ولا بدّ من جهة الحقيقة، وإن أُطلِق عليه من غير ظهور الفعل فهو مجاز.

---

[1] خ، ي، م، ط: يكون.

[2] ج: المكونات.

[3] ج: التخلق.

[4] ج: التمكن. م: للممكن.

[5] ط: حصب. [وهو خطأ مطبعي]

[6] م: - له.

Marfat.com

اسم المقتدر[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اُس معاملے میں تیرا اِس کو استعمال کرنا ہے جس کا تجھے حکم دیا گیا۔

تحقق:

المقتدر کے لیے وہی حالت ہے جس میں وہ مخلوقات کو ایجاد کرے، اور اسی وجہ سے یہ اسم القادر سے جدا ہے، جیسا کہ مکتسب کسب کی حالت ہے۔[2]

---

[1] وہ ہمارے اعمال میں المقتدر ہے۔ اقتدار اِس کا ہے جبکہ عمل ہمارے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے۔ اِس کائنات میں ہر عمل کرنے والا ہاتھ، اللہ کا ہاتھ ہے؛ کیونکہ اقتدار جو اللہ کا ہے، سو وہ خود سے قادر اور ہم سے مقتدر ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۶)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: المقتدر کا ایک الگ حکم ہے، جو القادر کا حکم نہیں۔ پس اقتدار القادر کا وہ حکم ہے جو اسباب کے ہاتھوں اشیا کے ظہور میں ہے، اور اسباب ہی قدرت کے کسب سے متصف ہیں۔ لہٰذا یہ (اسباب) مقتدر ہیں یعنی اقتدار میں کام کرتے ہیں، جو کہ صرف حق تعالیٰ ہی ہے۔ وہ ہر اُس شے پر مقتدر ہے جسے وہ کسی سبب کے پاس یا کسی سبب سے وجود پذیر کرتا ہے، جیسے چاہے کہہ لے، یہ اس کا کہنا ہے: ﴿اسی کے لیے خلق ہے﴾ اور جو سبب کے بغیر ایجاد پذیر ہوا اُس کے لیے کہا ﴿اور امر ہے﴾ ﴿اسی کے لیے خلق اور امر ہے، بڑی برکت والا ہے وہ تمام جہانوں کا رب﴾ (الاعراف: ۵۴) اسی لیے اللہ والوں نے اپنے قول میں عالم خلق و امر کی اصطلاح بنائی، عالم خلق سے ان کی مراد وہ عالم ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسباب کے ہاتھوں تخلیق کیا، یہ اُس کا کہنا ہے: ﴿جو ہم نے اپنے ہاتھوں سے بنائیں﴾ (یٰس: ۷۱) اور یہ ہاتھ اسباب ہی ہیں۔ یہ شرف کی نہیں بلکہ تحقیق کی اضافت ہے۔ اور عالم امر وہ ہے جو کسی سبب سے ایجاد پذیر نہیں ہوا۔ پس اللہ تعالیٰ امر کی حیثیت سے

⇆

تخلق:

متخلق میں اِس اسم کی شرط فعل کا بغیر کسی مانع کے اُس قدرت اور تمکن سے وجود پذیر ہونا ہے جو اِسے اسم القادر سے حاصل ہوا۔ اس اسم میں اس کی شرط فعل کا ظہور، اور وہ بھی لازماً حقیقت کی جہت سے ہے، لیکن اگر فعل کے ظہور کے سوا اُس پر اسم المقتدر کا اطلاق کیا جائے تو وہ مجازاً ہو گا۔

ع ۱ "القادر" اور خلق کی حیثیت سے "المقتدر" ہے؛ یہ ہے اِس کی تفصیل۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۶۹ ب)

Marfat.com

(٧١، ٧٢) الاسم: المقدِّم المؤخِّر

التعلّق: افتقارك إليهما[١] في أن يجعلك [المقدِّم] من السابقين المقرَّبين، وأن يعصمك [المؤخِّر] من[٢] التأخّر عن هذه المسابقة والتقريب.

التحقّق: المقدِّم المؤخِّر مَن قدّم نفسه أو غيره إلى أمرٍ مّا، وأخّر نفسه أو غيره عن أمرٍ مّا[٣].

التخلّق: إذا قدّم الإنسان[٤] مَن أمره الحقّ بتقديمه من ذاته أو غيره فهو المقدِّم، وإذا أخّر مَن أمَره الحقّ بتأخيره فهو المؤخِّر.

---

[١] ف، خ: إليه.

[٢] خ: عن.

[٣] ف: – وأخّر نفسه أو غيره عن أمرٍ مّا.

[٤] م: أقدم لنا.

اسم المقدم المؤخر

تعلق:

تیری ان دونوں سے محتاجی یہ ہے کہ (المقدم) تجھے سابقین المقربین میں شامل کرے، اور (المؤخر) اِس دوڑ اور قربت میں تجھے پیچھے رہ جانے سے بچائے۔

تحقق:

المقدم وہ ہے جس نے خود کو یا کسی دوسرے کو کسی خاص معاملے میں آگے کیا،[۱] اور المؤخر وہ ہے جس نے خود کو یا کسی دوسرے کو کسی خاص معاملے میں پیچھے کیا۔[۲]

تخلق:

جب انسان اپنی ذات میں یا کسی دوسرے میں اُسے آگے کرتا ہے جسے آگے کرنے کا حق

۱ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد المقدم" کہلاتا ہے۔ اسی حاضرت میں دلیل سے مرجح (یعنی ترجیح دینے والے) کا ثبوت ملتا ہے، اور وہ اللہ ہی ہے۔ وہ اس طرح کہ تمام ممکنات وجود پذیر ہونے میں یا ان کی طرف ایجاد کی نسبت ہونے میں یکساں ہیں، یعنی ان میں سے ہر ایک۔ لہٰذا جب ممکنات میں سے کوئی وجود پذیر ہونے میں دوسروں سے سبقت لے گیا، حالانکہ نسبت تو سب کے لیے برابر ہے، تو ثابت ہوا کہ یہ کسی ترجیح دینے والے کا کرنا ہے، اس کے خود کا نہیں۔ پس ہمیں پتا چلا کہ مرجح بھی لازم ہے اور وہی بعض ممکنات کو بعض سے آگے کرتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۷۰ ب)

۲ شیخ فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد المؤخر" کہلاتا ہے۔ جب حق تعالیٰ کچھ مراتب میں کسی بندے کو پیچھے کرے تو وہ اسی حاضرت سے ہے۔ وہ کسی دوسرے کو اس میں آگے کرتا ہے لیکن یہ پیچھے رہنے والا اس میں کبھی آگے نہیں ہوتا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۷۱ ب)

Marfat.com

تعالیٰ نے حکم دیا تو وہ المقدِّم ہے۔ اور جب وہ اُسے پیچھے کرتا ہے جسے پیچھے کرنے کا حق تعالیٰ نے حکم دیا تو وہ الموخر ہے۔

(٧٣، ٧٤) الاسم: الأوّل الآخر[١]

التعلّق: افتقارك إليه في[٢] أن يجعلك أوّلًا في التقدّم[٣] إلى الطاعات، وآخرًا في الانفصال عنها، إذا كانت محدودةً بمكان أو زمان[٤] أو هيئة؛ كالدخول إلى المسجد والخروج منه والتهجير[٥] والانتشار.

التحقّق: الأوّل المقصود هنا الذي لا مُفتتَح لوجوده، والآخر هو الذي لا نهاية لوجوده. وليس ثمّ[٦] موجود يوصَف بالضدّين من وجه واحد إلّا الحقّ تعالى.

قيل لأبي سعيد الخرّاز[٧]: بِمَ عرفتَ الله؟ قال: بجمعه بين الضدّين. ثمّ تلا: ﴿هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ﴾[٨].

التخلّق: «من عرف نفسه عرف ربّه»، فصحّت الأوّليّة للعبد في المعرفة لأنّه الدليل، وصحّت الآخريّة للحقّ فإنّه المدلول، وصحّت الأوّليّة للحقّ في الوجود فإنّه الموجِد، وصحّت الآخريّة للعبد[٩] لأنّه[١٠] الموجود، فهو الأوّل والآخِر.

---

[١] خ: والآخر.

[٢] ج، ف، خ، م، ط: - في.

[٣] خ: التقديم.

[٤] ف: بزمان.

[٥] ج: والخروج والتهجر.

[٦] ي، م، ط: ثمة.

[٧] أبو سعيد الخراز، من كبار الصوفية، مات في سنة مائتين وثمانين للهجرة.

[٨] [الحديد: 3]

[٩] ح، ي، خ، م، ط: + في الوجود.

[١٠] ي: - لأنه.

اسم الاول الآخر[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ نیک کاموں کے کرنے میں تجھے اول بنائے، اور ان کو چھوڑنے میں تجھے آخر بنائے، جب یہ (نیک کام) مکان، زمان اور ہیئت سے محدود ہوں؛ جیسا کہ مسجد جانا یا مسجد سے باہر نکلنا، یا اول وقت میں نماز ادا کرنا اور منتشر ہو جانا۔

تحقق:

یہاں وہ اوّل مقصود ہے جس کے وجود کی کوئی ابتدا نہیں، اور وہ آخر جس کے وجود کا کوئی اختتام نہیں۔ اور یہاں حق تعالیٰ کے سوا ایسا کوئی موجود نہیں جسے ایک ہی رخ سے یہ دونوں متناقض معاملات حاصل ہوں۔[2]

ابو سعید الخراز سے پوچھا گیا: آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ بولے: اس کے دو متناقض چیزوں کو جمع کر لینے سے، پھر یہ آیت پڑھی: ﴿وہی اول بھی ہے اور آخر بھی، ظاہر بھی ہے اور

---

[1] وہ وجوب سے اول ہے، اور تمام معاملات کا اسی کی طرف لوٹنے سے آخر ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۲۶)

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کو ہی اولیت حاصل ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا موجد ہے، اور اللہ تعالیٰ کو ہی آخریت حاصل ہے کیونکہ وہ کہتا ہے: ﴿سارا معاملہ اسی کی جانب لوٹتا ہے﴾ (ہود: ۱۲۳) اور فرمایا: ﴿اور اسی کی طرف تمہیں لوٹنا ہے﴾ (البقرۃ: ۲۴۵) اور فرمایا: ﴿اور سب معاملات اللہ کی طرف ہی لوٹتے ہیں﴾ (الشوریٰ: ۵۳) لہٰذا وہ آخر ہے، جیسا کہ وہ اول ہے۔ اسی اول اور آخر کے درمیان تمام اسمائے الہیہ کے مراتب ظاہر ہوئے؛ آخر کا حکم یہی ہے کہ ہر معاملے میں اسی کی جانب رجوع کیا جائے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۳۷ب)

Marfat.com

باطن بھی﴾(الحدید:۳)

تخلق:

"جس نے خود کو پہچانا اُس نے اپنے رب کو پہچانا" چنانچہ معرفت میں بندے کی اولیت درست ٹھہری؛ کیونکہ بندہ دلیل ہے، اور حق تعالیٰ کی آخریت درست ٹھہری کیونکہ وہ مدلول ہے۔ اور وجود میں حق تعالیٰ کی اولیت درست ٹھہری کیونکہ وہ موجد ہے، جبکہ بندے کی آخریت درست ٹھہری کیونکہ وہ موجود ہے[1]، چنانچہ (بندہ بھی) اول اور آخر ہے۔

[1] اگر اللہ تعالیٰ اول ہے تو انسان کامل آخر ہے؛ کیونکہ یہ دوسرے مرتبے میں ہے، خلیفہ ہے، اور اپنی طبعی تخلیق میں بھی یہ آخر ہے؛ کیونکہ یہ سب سے آخر میں پیدا ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس انسان کو خلیفہ اور امام بنانے کا ارادہ کیا؛ تو سب سے پہلے اس جہان کو تخلیق کیا، اسے درست کیا، برابر کیا، سازگار بنایا اور ایک قائم مملکت پر ترتیب دیا۔ جب یہ رعایا بننے کے قابل ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انسان کے طبعی جسم کو تخلیق کیا، اور اس میں خدائی روح پھونکی۔ اسے اسی خلافت کے باعث اپنی صورت پر تخلیق کیا؛ یوں وہ اس جسم سے ظاہر ہوا اور آدم کہلایا، پھر اسے زمین میں خلیفہ بنایا۔... سو یہ انسان خدائی صورت پر ہونے کی وجہ سے بھی آخر ہے اور اپنے طبعی وجود کی صورت پر بھی آخر ہے۔ یہ روح اور جسم سے آخر ہے، یہ آخر ہے کہ تمام جہان کا معاملہ اسی کی طرف لوٹتا ہے۔ یہی مقصود ہے: کہ اسی سے دنیا آباد اور قائم ہوئی، اور جب یہ دنیا چھوڑ جائے گا تو دنیا بھی ختم ہو جائے گی، آسمان تھرتھرائے گا اور ستارے بکھر جائیں گے، جب سورج اندھیر ہو جائے گا اور لپیٹ لیا جائے گا، جب پہاڑ چلنے لگیں گے، اور جب لوگوں کو اپنی سب سے قیمتی چیز کی بھی پروانہ ہو گی، جب سمندر ابل پڑیں گے اور یہ دنیا اپنی کلیت میں ختم ہو جائے گی۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۷۴)

Marfat.com

(٧٥، ٧٦) الاسم: الظاهر الباطن[١]

التعلّق: افتقارك إليه[٢] في[٣] أن يظهرك في المواطن[٤] التي يرتضيها[٥]، ويسترك[٦] في المواطن التي[٧] يرتضيها[٨].

التحقّق: [هو] الظاهر بآثاره وأفعاله، الباطن بذاته. الظاهر بألوهيّته، الباطن بحقيقته.

التخلّق: الظاهر بالأفعال الحميدة لربّه[٩]، الباطن عن الصفات المذمومة أن تقوم[١٠] به[١١]. الحقّ سبحانه لا يبطن[١٢] عن نفسه وهو ظاهر لذاته. وهل الموجودات تتّصف[١٣] بالباطن في حال عدمها؟ أو هي مشهودة له سبحانه على مذهب من يقول أنّ[١٤] لها أعيانًا

---

[١] ف، خ،م: والباطن.

[٢] ي: إليهما.

[٣] خ: – في.

[٤] ي: يظهرك للمواطن.

[٥] ف، ي: ترتضيها.

[٦] ج: ويشترك.

[٧] ط: + لا.

[٨] ي: – ويسترك في المواطن التي يرتضيها. ف: ترتضيها.

[٩] خ: بربه.

[١٠] ف، خ: يقوم.

[١١] ج: – به.

[١٢] ي: لا ينطق.

[١٣] ي: أن يتصف.

[١٤] ف، خ،م، ط: بأن.

Marfat.com

ثابتةً حال عدمها؟[١] وعلى مذهب من يقول: إنّ الوجود للرؤية ليس علّةً[٢]؟ وعلى مذهب من يقول: إنّ العلم تصوّر المعلوم؟

[١] ي: – أو هي مشهودة له سبحانه على مذهب من يقول أنّ لها أعيانًا ثابتةً حال عدمها؟.

[٢] ج: علما.

اسم الظاہر الباطن[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی ان مقامات پر اُس کا تجھے ظاہر کرنا ہے جن سے وہ راضی ہے، اور اُن مقامات پر اس کا تجھے چھپائے رکھنا ہے جن (میں وہ چھپانے) سے راضی ہے۔

تحقق:

وہ اپنے آثار اور افعال سے ظاہر ہے، اور اپنی ذات سے باطن ہے۔ اپنی الوہیت سے ظاہر ہے اور اپنی حقیقت سے باطن ہے۔

تخلق:

جو اپنے قابل تعریف افعال سے اپنے رب کے لیے ظاہر ہو، اور مذموم صفات سے اوجھل رہے کہ یہ اس میں قائم ہو سکیں۔ حق تعالیٰ خود سے پوشیدہ نہیں جبکہ وہ خود پر ظاہر ہے۔ کیا موجودات حالتِ عدم میں باطن سے متصف تھیں، یا وہ اس مذہب پر سبحانہ تعالیٰ پر ظاہر تھیں جو یہ کہتا ہے کہ حالتِ عدم میں اُن کے اعیان ثابت تھے؟ اور اُس مذہب پر جو یہ کہتا ہے کہ رویت کے لیے وجود علت نہیں؟ اور اس مذہب پر جو یہ کہتا ہے کہ علم معلوم کا تصور ہے؟[2]

---

[1] وہ خود پر ظاہر ہے؛ تو ہمیشہ سے ظاہر ہے۔ اور اپنی مخلوق سے باطن ہے تو ہمیشہ سے باطن ہے؛ لہٰذا وہ کبھی جانا نہیں جاتا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۶)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: (الظاہر کی) حاضرت حق تعالیٰ کے لیے ہے؛ کیونکہ وہ خود پر ظاہر ہے، اپنی مخلوق پر نہیں؛ لہٰذا اِس کے سوا کوئی اس کا ادراک نہیں کرتا۔ ہمارے لیے اس حاضرت میں اس کے اسمائے حسنیٰ کے احکام کا ظہور، اور حق کے وجود میں ہماری اعیان کے احکام کا ظہور ہے، جبکہ وہ اس ظہور سے

بقیہ

Marfat.com

۲۱۔ ماورا ہے۔ پس ہماری اعیان کا ادراک روئیت سے نہیں، نہ عین حق کا ادراک روئیت سے ہے، اور نہ ہی اس کے اسما کے اعیان کا ادراک روئیت سے ہے۔ ہمیں اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہم نے روئیت سے کسی معاملے کا ادراک کیا؛ اور یہ وہی (معاملہ) ہے جس کا مشاہدہ ہماری بصیرت کرتی ہے۔ یہ ہماری اعیان کے احکام ہی ہیں، جو ہمارے لیے وجود حق تعالیٰ میں ظاہر ہوئے؛ اور وہ ان کا مظہر ہوا۔ سو ہمارے اعیان اس میں اس طرح ظاہر ہوئے جیسے آئینے میں صورتیں ظاہر ہوتی ہیں ...(مخطوط: السفر-۳۳، ص ۷۵)

Marfat.com

(٧٧) الاسم: البرّ

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يجعلك ممّن أحسن عبادته على الوجه الثاني.

التحقق: المحسنُ[٢] مَن أنعم على المشاهدة، والإيجاد للأعيان من أكبر الإحسان، ولا يكون إلّا عن مشاهدة. ويتأيّد قول القائل: «إنّ للأشياء أعيانًا[٣] ثابتةً حال[٤] عدمها».

التخلّق: [البرُّ] مَن عمّ إحسانه المحتاجَ وغير المحتاج، حسًّا ومعنىً، وسواء كان عن طلب أو غير طلب. فإن كان [إحسانه] عن[٥] طلب فالمحسن ذو إحسانين: إحسان[٦] بقبول السؤال، وإحسان بإعطاء[٧] المسئول فيه[٨].

العبد مُطالَب بإقامة الفرض. العبد مُنعِم بالنوافل على نفسه. فهذا[٩] حظّه[١٠] من الاسم البرّ.

---

[١] ج، ف، خ، م: – في.

[٢] ج: – المحسن.

[٣] ج، ف، خ، ي، م: عينا.

[٤] ي: بحال.

[٥] م: – عن.

[٦] م: – إحسان.

[٧] ج، ف، ي، م: بعطاء.

[٨] م: منه.

[٩] م: فهو.

[١٠] ج، ي: حظ.

Marfat.com

اسم البر[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اس کا تجھے ایسا بنا دینا ہے کہ اس دوسرے رخ پر بھی تو اُس کی بہترین عبادت کرے۔

تحقق:

محسن وہ ہے جو مشاہدے کا انعام دے، اعیان کے لیے ایجاد سب سے بڑا احسان ہے، اور یہ مشاہدے سے ہی ہوتا ہے۔ اِس کی تائید کہنے والے کے اِس قول سے بھی ہے: "بیشک عدم کی حالت میں بھی اشیا کی اعیان ثابت ہیں۔"

تخلق:

(نیکی کرنے والا وہ ہے) جس کے احسانات حسی اور معنوی حیثیت میں محتاج اور غیر محتاج سب تک پھیلے ہوں، چاہے یہ کسی طلب کا نتیجہ ہوں یا بغیر طلب کے ہوں۔ اگر اُس کا احسان طلب کا نتیجہ ہے تو یہ محسن دو طرح کا احسان کرتا ہے: ایک سوال قبول کرنے کا احسان، اور دوسرا مانگی گئی چیز دینے کا احسان۔

بندے سے فرائض ادا کرنے کا مطالبہ ہے، جبکہ نوافل سے بندہ خود پر احسان کرتا ہے۔

اسم البر سے بندے کا یہی حصہ ہے۔

---

[1] وہ اپنے اُن احسانات، عطایات اور نعمتوں سے البر ہے جو انعامات اس نے اپنے بندوں پر کیے۔
(مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۶ب)

Marfat.com

(٧٨) الاسم: التوّاب

التعلّق: افتقارك إليه[١] في كلّ حال.

التحقّق: التوّابُ الرجّاعُ عن كلّ حال إلى كلّ حال أو إلى الترك وهو عدم.

التخلّق: التوّابُ من العباد الذي يرجع عن نفسه وعن[٢] غيره إلى ربّه في كلّ حال.

---

[١] م: + بالنوافل على نفسه (وهو خطأ في الكتابة).

[٢] م: ومن.

Marfat.com

اسم التوّاب[1]

تعلق:

تو ہر حال میں اِس کا محتاج ہے۔

تحقق:

"التوّاب[2]" لوٹنے والے کو کہتے ہیں، جو ہر حال سے ہر حال کی جانب یا ترک کی جانب لوٹتا ہے، اور ترک عدم ہے۔

تخلق:

بندوں میں سے التوّاب وہ ہے جو ہر حال میں اپنے نفس کو یا دوسروں کو چھوڑ کر اپنے رب

---

[1] وہ اپنے بندوں کی جانب لوٹتا ہے کہ یہ توبہ کریں، اور پھر توبہ کے بعد ان کی توبہ قبول کرتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۲۶ب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد التوّاب" کہلاتا ہے۔ اور اسی حاضرت سے توبہ کرنے والے توبہ کرتے ہیں؛ لہٰذا اِس کے لیے پہلا رجوع ہے ﴿پھر وہ ان کی طرف متوجہ ہوا تاکہ یہ اس کی جانب متوجہ ہوں﴾ (التوبہ:۱۱۸) یعنی وہ اس لیے ان کی طرف لوٹا تاکہ یہ اس کی جانب لوٹیں۔... سو اللہ کا بندے کی طرف پہلا لوٹنا اسی میں حق تعالیٰ نے اس بندے کو اس کی جانب لوٹنے کی توفیق دی۔ اور جب بندہ توبہ کرتے ہوئے اس کی جانب لوٹا؛ تو حق تعالیٰ اس کی جانب دوسری طرح سے متوجہ ہوا؛ اور یہ اس کا بندے کی توبہ قبول کرنے کی حیثیت میں لوٹنا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۸۰)

Marfat.com

کی جانب لوٹے۔[۱]

۱ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اولیا اللہ میں تائبون، تائبات اور توابون - اللہ ان سے راضی ہو- شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہر حال میں توبہ کی توفیق دی، یا پھر ایک حال میں جو تمام مقامات کا جامع ہو۔ یہ بھی جان کہ اللہ تعالیٰ نے خود کو "التوّاب" کہا، "التائب" نہیں، اور "التوّابین" کے لیے اپنی محبت کا ذکر کیا فرمایا: ﴿إِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۲۲) بیشک اللہ تعالیٰ (التوابین) توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، یہ وہی لوگ ہیں جو اُس سے اُسی کی جانب لوٹتے ہیں، جو لوگ اس کے غیر سے اس کی جانب لوٹیں تو وہ تائب کہلاتے ہیں۔ جس کی یہ صفت ہو وہ اس کے غیر سے اس کی جانب، ایک عین کی طرف ہی لوٹتا ہے، اور جو اس سے اس کی جانب لوٹتا ہے؛ تو وہ ایک عین میں متعدد اسما کی جانب لوٹتا ہے۔ یہی تو محبوب ہے۔ اور جسے اللہ محبوب بنائے تو وہ اس کی سماعت، بصارت، ہاتھ، ٹانگ اور زبان ہوتا ہے، اس کی تمام قوتیں اور ان قوتوں کے مقامات، یعنی وہ ان کی قوتوں کا عین ہوتا ہے، بلکہ ان قوتوں کی جا ہوتا ہے۔ یوں اس نے خود سے محبت کی، اور اس میں کسی دوسرے سے محبت کرنے سے زیادہ محبت ہے۔ کسی دوسرے سے محبت میں خود سے محبت ہے لیکن خود سے محبت میں کسی دوسرے سے محبت نہیں۔ لہٰذا اصلی محبت کسی چیز کا خود سے محبت کرنا ہے۔
﴿بیشک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے﴾ (البقرۃ: ۲۲۲) اور وہ "التواب" ہے۔ جبکہ "التوابون" توبہ کرنے والے "صورت التواب" کا مظہر ہیں، اُس نے خود کو دیکھا تو خود سے محبت کی؛ کیونکہ وہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے۔ یہ موجودات اس کے مظاہر ہیں، لہٰذا اُس کی محبت اِن سے جڑی؛ کیونکہ یہ صورتیں اُسی سے ہیں۔ بندے کی عین تو عنایتِ الٰہی میں غرق ہے۔ سو توبہ کرنے والا "مخالفت کی عین" سے اس کی جانب رجوع کرتا ہے؛ چاہے وہ ایک دن میں ہزار بار رجوع کرے، وہ مخالفت سے "عینِ واحد" کی جانب ہی آتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۱۱، ص ۱۲۶ ب)

Marfat.com

(٧٩) الاسم: المنتقم

التعلّق: افتقارك إليه في[1] أن يعصمك من نِقمه وإن كانت مستلذّةً.

التحقّق: المنتقم الذي يأخذ بالذنب فلا يعفو ولا يصفح.

التخلّق: إقامة الحدود من العباد على الوجه المشروع على الإطلاق[2] من مؤمن وكافر.

[1] ج: - في.

[2] ي: الاطلاع.

Marfat.com

اسم المنتقم

تعلق:

تیری اس سے محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے اُس کی سزا سے بچائے، چاہے اس (سزا) میں لذت ہی کیوں نہ ہو۔

تحقق:

المنتقم گناہ پر پکڑ کرتا ہے، نہ اِسے معاف کرتا ہے اور نہ ہی اس کو بھلاتا ہے۔

تخلق:

(اس اسم سے تخلق یہ ہے کہ) بندوں کی طرف سے شرعی تقاضوں کے مطابق مومن یا کافر کی تفریق کے بغیر اُن پر حدود قائم کی جائیں۔[1]

---

[1] اللہ تعالیٰ کے اسم المنتقم اور اس کی حدود کے قائم کرنے کے درمیان واضح مناسبت ہے، فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: المنتقم اس سے انتقام لیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے؛ اور دنیا میں حدود کے قیام سے یا تکلیفیں لا کر اِس کا مقصد اُس کو پاک صاف کرنا ہوتا ہے؛ یہ تمام تکلیفیں اس کا انتقام اور وہ پوشیدہ جزا ہے جسے ہر کوئی نہیں سمجھتا، حتیٰ کہ دودھ پیتے بچے کی تکلیف بھی جزا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۶ ب)

Marfat.com

(٨٠) الاسم: العفوّ

التعلّق: افتقارك إليه في أن يعفو عنك[١]، فإنّه عفوّ يحبّ العفو.

التحقّق: العفوّ[٢] من كثر[٣] إحسانه وقلّت مؤاخذته.

التخلّق: على هذا الحدّ ولكن بشرط الجرائم[٤] لا بدّ من ذلك، لا الإحسان المبتدأ[٥].

وهذا الاسم من الأضداد: ﴿مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا﴾[٦] وقد لا يُؤاخَذ بها من هذا الاسم وإخوانه[٧].

---

[١] ط: - عنك.

[٢] م: - العفو.

[٣] خ: أكثر.

[٤] ف، ي: الجزاء ثم.

[٥] ج: + ويريد بقوله لا الإحسان شرح المبتدأ وذلك أن الإحسان على نوعين إحسان يتقدمه جرم، فإذا عفوت عنه فقد أحسنت إليه. وإحسان يكون منك ابتداء من غير جرم فذلك هو الإحسان المبتدأ، أي من لم يتقدمه ما يوجب إحسانك إليه.

[٦] [الأنعام: 160]

[٧] ي، ط: وأخواته.

اسم العفو

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اس کا تجھے معاف کرنا ہے؛ کیونکہ وہ معاف کرنے والا ہے اور معافی پسند کرتا ہے۔

تحقق:

العفو (معاف کرنے والا) وہ ہوتا ہے جس کے احسانات زیادہ ہوں اور پکڑ کم ہو۔

تخلق:

تخلق بھی اسی حد پر ہے (یعنی کہ معاف کرنے پر) لیکن جرائم یا گناہوں کے بعد کہ یہ لازم ہے، یہ ان پر ابتدائی احسان نہیں۔[1] یہ اسم متضاد باتوں سے عبارت ہے: ﴿جو نیکی لے کر آیا تو اُسے اِس جیسی دس نیکیاں ملیں گی، اور جو برائی لے کر آیا تو اُسے صرف اِسی کا بدلہ دیا جائے گا﴾ (الانعام: ۱۶۰) اور ہو سکتا ہے کہ اِس اسم یا اس جیسے اسما کی بدولت اُس کی پکڑ ہی نہ ہو۔[2]

---

[1] نسخہ ج میں یہ عبارت زائد ہے: آپ کے اس قول کہ یہ اول احسان نہیں کی شرح یہ ہے کہ احسان دو طرح سے ہے، ایک وہ احسان جو کسی جرم یا گناہ کے بعد ہو، پس اگر تو نے اسے معاف کیا تو اس کے ساتھ احسان کیا۔ اور دوسرا وہ احسان جو کسی جرم اور گناہ کے بغیر ابتداً تیری طرف سے کیا جائے، یہی ہے ابتدائی احسان، یعنی وہ احسان جس سے پہلے ایسا کچھ نہ تھا جو اس پر تیرا احسان واجب کرتا۔

[2] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: یہ حاضرت حاضرت جلال کے مشابہ ہے؛ کیونکہ وہ دو متضاد چیزوں کو جمع کرتی ہے۔ اور یہ حاضرت قلیل اور کثیر دونوں پر دلالت کرتی ہے، عربی زبان کے وضع کرنے میں یہی اصل ہے، جیسا کہ جلیل عظیم اور حقیر کو جمع کرتا ہے۔...

Marfat.com

⇆ ↓

گناہوں پر پکڑ کے بارے میں وہ کہتا ہے: ﴿اور وہ بہت غلطیوں کو معاف کرتا ہے﴾ (المائدہ: ۱۵) اور تھوڑی پر پکڑ کرتا ہے۔ یہ معافی اس بات پر دلالت ہے کہ پکڑ بھی لازم ہے لیکن تھوڑی باتوں پر.... سو وہ کم عذاب دینے میں بھی معاف کرنے والا ہے اور کثرت سے مغفرت کرنے اور سزا نہ دینے میں بھی معاف کرنے والا ہے۔ بیشک اس نے ہمیں اس شخص کو معاف کرنے، پکڑ نہ کرنے اور بھلا دینے کا حکم دیا، جو ہمارے ساتھ زیادتی کرے، اور وہ اس صفت میں ہم سے زیادہ بہتر ہے؛ اسی لیے معاف کرنے والوں کا اجر اللہ کے ذمے ہو گا؛ کیونکہ وہ معاف بھی کرتا ہے اور مغفرت بھی کرتا ہے۔
(مخطوط: السفر-۳۳، ص ۸۲)

Marfat.com

(٨١) الاسم: الرءوف

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يجعل في[٢] قلبك رأفةً ورحمةً بنفسك وغيرك.

التحقّق: الرأفة وإن كانت مثل الرحمة فإنّ لها وجهًا إلى الإصلاح[٣].

التخلّق: إذا عرض العبد نفسه إلى المصالح المطلوبة منه[٤]، وإن كانت شاقّةً[٥] في الوقت، فإنّه قد رأف بها؛ ولذا[٦] قال: ﴿وَلَا تَأْخُذْكُم بِهِمَا رَأْفَةٌ فِي دِينِ اللَّـهِ﴾[٧] أي شفقة طبيعيّة تؤدّيك[٨] إلى تعطيل الحدّ أو نقضه[٩].

[١] ج، ف، خ، م، ط: – في.

[٢] م: – في.

[٣] ج، ي: الاصطلاح. ف: الصلاح.

[٤] م: إذا أعرض العبد عن نفسه إلى المصالح المطلق منه.

[٥] ج: مشاقة.

[٦] ج: وكذلك. م: ولهذا.

[٧] [النور: 2]

[٨] ي: ترديك.

[٩] م: ونقيضه. ف، ي، ط: أو نقصه.

Marfat.com

اسم الرؤوف

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تیرے دل میں اپنے اور دوسروں کے لیے رحمت اور شفقت کے جذبات پیدا کرے۔

تحقق:

رأفہ (یعنی جوڑنا)[۱] اگرچہ رحمت جیسی ہی ہے لیکن اِس کا ایک رخ اصلاح کی جانب ہے۔

تخلق:

جب بندہ اپنے نفس کو اِس اسم سے مطلوب مصالح کے سامنے پیش کرتا ہے، چاہے وہ اُس وقت کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں، تو وہ اِس (نفس) پر شفقت کرتا ہے، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور دین اللہ کے معاملے میں تمہیں ان دونوں پر ترس نہ آئے﴾ (النور: ۲) یعنی وہ طبعی شفقت جو اس حد کو معطل کردے یا اس میں کمی کا باعث بنے۔[۲]

---

۱ اردو میں عربی لفظ رأفہ کے معنی والا کوئی خصوصی لفظ نہیں ملا، شیخ اکبر فتوحات میں فرماتے ہیں: رأفہ شفقت کی ہی ایک قسم ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۲۶ اب)

۲ شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: جان لے کہ لفظ رافة (یعنی شفقت) مقلوب کلام میں سے ہے جیسا کہ جبذ اور جذب ہے اسی طرح رأف اور رفأ ہے، اور یہ رفوگری اور درستگی سے ہے۔ سو رأفہ لوگوں سے رحمت کو جوڑنا ہے، اسی لیے حدود قائم کرتے وقت اس سے منع فرمایا گیا، اور وہ بھی تمام حدود میں نہیں، بلکہ صرف زانی اور زانیہ کو حد لگاتے وقت جب دونوں کنوارے ہوں... اور مقصود اللہ کا یہ قول ہے: ﴿اور دین اللہ کے معاملے میں تمہیں ان دونوں پر ترس نہ آئے﴾ (النور: ۲) اور ⇆

؏ ⇆

اللہ کے دین کا مطلب ان کے اس عمل کا بدلہ ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۸۴ ب)

Marfat.com

(٨٢) الاسم: مالك الملك

التعلّق: افتقارك إليه في أن يشغلك بعبوديّتك في ربوبيّته[١] عمّا ملّكك.

التحقّق: مالك الملك، على الحقيقة، من لا يُتصوَّر في حقّ ملكه عِتق ولا حُرّيّة، ولا تقوم لملكه عليه[٢] حجّة بوجه من الوجوه فيصير المالك مملوكًا لتلك الحجّة: ﴿قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ﴾[٣].

التخلّق: إذا ملك العبد نفسه بربّه لم تقم[٤] لنفسه عليه حجّة ولا اتّصف بالحرّيّة عنه يومًا مّا[٥]، لأنّ الشيء لا يخرج عن نفسه، فبهذا القدر يصحّ أن يكون مالك الملك.

---

[١] م: ربوبيتك.

[٢] خ،م: – عليه.

[٣] [الأنعام: 149]

[٤] ف: يقم.

[٥] ي،م: – ما.

Marfat.com

اسم مالک الملک

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ اِس نے تجھے جس چیز کا مالک بنایا یہ اُس میں تیری عبودیت کو اپنی ربوبیت میں مشغول رکھے۔

تحقق:

حقیقت میں مالک الملک وہ ہے جس کی ملکیت میں سے نکل جانا اور آزاد ہونا (ممکن) نہیں،[1] اور اس کی ملکیت کسی صورت بھی اُس پر حجت نہ ہو کہ وہ مالک اِس حجت کا غلام ہو کر رہ جائے: ﴿کہہ دو کہ بالغ حجت اللہ کے لیے ہی ہے﴾ (الانعام:۱۴۹)

تخلق:

جب بندہ اپنے رب سے اپنے نفس کا مالک بنتا ہے تو پھر اِس کے نفس کی اُس پر کوئی حجت باقی نہیں رہتی، اور نہ ہی وہ اس کی ملکیت سے کبھی آزاد ہوتا ہے؛ کیونکہ کوئی چیز خود سے نہیں

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: جب کوئی بندہ مقید ہوتا ہے، تو اُسے چاہیے کہ اپنے نفس کو اِس عالم کی غلامی سے آزاد کرے، تاکہ وہ غیر (کی غلامی) سے چھٹکارا پائے، اور اللہ کا بندہ بن جائے۔ بیشک اللہ کے لیے ہماری عبودیت سے چھٹکارا اور آزادی ممکن نہیں؛ کیونکہ یہ (عبودیت) تو عبد کی ذاتی صفات میں سے ہے، اور اِس صورت میں اِس سے چھٹکارا ممکن نہیں، جبکہ پہلی صورت میں ایسا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اِس قول میں اس جانب اشارہ کیا: ﴿کہہ دو اے اللہ! مالک الملک﴾ (آل عمران: ۲۶) سو اُسے "ملک" کہا تاکہ اُس کا مالک ہونا درست ہو، اور "مالک العالم" نہیں کہا۔ (مخطوط: السفر-۹، ص۵۳ب)

Marfat.com

نکل سکتی، اسی مقدار پر اس کا مالک الملک ہونا درست ہوتا ہے۔

Marfat.com

(٨٣) الاسم: ذو الجلال والإكرام

هذا بلغة حِمْيَر[١].

التعلّق: افتقارك إليه في[٢] أن يجعلك محلًّا[٣] لتعظيمه وإكرامه.

التحقّق: ذو الجلال؛ ذو العظمة أن تُدرَك حقيقته، وذو الإكرام أن يتجلّىٰ لعباده حتّىٰ يرَوه كما يرَون الشمس بالظهيرة ليس دونها سحاب. «ذو» بمعنىٰ «الذي» أي[٤] الذي الجلال والإكرام من صفته. بلغة طي:

وبئري[٥] ذو حفرت وذو طويت[٦]

التخلّق: تحصيل هاتين الصفتين فيك حتّىٰ تكون جليلًا علىٰ الوجهين: ذو جلال من حيث حقيقتك وعبوديّتك؛ فإنّك عبد حقير فقير[٧]، وذو عظمة بربّك حيث جعلك مقصودًا، وقرن معرفة نفسك بمعرفته، فيعظم[٨] الدليل لعظم[٩] المدلول.

---

[١] ج: – هذا بلغة حمير. وكتبت في الهامش في النسخة ف.

[٢] ج، ف، م، ط: – في. ورسمها في خ أقرب إلىٰ: من.

[٣] ج: جلا. ي: + له.

[٤] ي، م: – بمعنىٰ «الذي» أي.

[٥] ج، ي، ط: وبئر.

[٦] هذا عجز بيت لسنان بن الفحل الطائي وهو:

فإنّ الماء ماء أبي وجدي   وبئري ذو حفرت وذو طويت

[٧] م: فقير حقير. ج: – فقير.

[٨] ج: فتعظّم.

[٩] خ: بعظم. م: لعظمة.

وذو إكرام أيضًا به[١] سبحانه؛ لأنّه أمرك بأن تكرم أسماءه وكلامه وذاته[٢] بالتنزيه عمّا لا يجوز عليها وعمّا لا[٣] يجوز على المرقوم منها حيث هي دلالة عليها من[٤] وصول النجاسات الحُكميّة والعينيّة إليها، وأن تكرِم مِن خلقه مَن أمرك بإكرامه، وجوبًا وندبًا. فأنت ذو الجلال والإكرام على قدرك، وهكذا في[٥] كلّ اسم تخلّقت به.

[١] ج: - وذو إكرام أيضا به. ي: - به.

[٢] ي: وذواته.

[٣] ف، ي، م، ط: - لا.

[٤] ط: + حصول.

[٥] ج: - في.

اسم ذو الجلال والاکرام

یہ (اسم) لغت حمیر میں ہے۔

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے اپنی تعظیم اور اکرام کی جا بنائے۔

تحقق:

ذو الجلال؛ مطلب بڑی عظمت والا کہ اُس کی حقیقت نہیں جانی جاتی، اور ذو الاکرام؛ کہ وہ اپنے بندوں پر ایسی تجلی کرے کہ یہ اُس کا دیدار ویسے کریں جیسے دن میں سورج کو دیکھتے ہیں، جس کے سامنے بادل نہ ہوں۔ "ذو" "الذی" کے معنوں میں ہے یعنی وہ کہ جلال اور اکرام جس کی صفات میں سے ہے، لغت طیی میں کہا جاتا ہے:

"یہ میرا کنواں ہے جسے میں نے کھودا اور بنایا ہے۔"

تخلق:

(اس اسم سے تخلق) خود میں اِن دونوں صفات کو اس طرح سے حاصل کرنا ہے جس سے تو ان دو رخوں پر عظیم القدر ہو سکے: بڑے جلال والا؛ اپنی حقیقت اور عبودیت پر؛ کیونکہ تو حقیر اور فقیر بندہ ہے۔ اور بڑی عظمت والا؛ اپنے رب سے، کہ اُس نے تجھے غایت قرار دیا اور تیرے نفس کی معرفت کو اپنی معرفت سے جوڑا، چنانچہ مدلول کی عظمت کے باعث دلیل بھی عظیم ہوئی۔

اور اسی پاک ذات سے ذو الاکرام بھی؛ کیونکہ اُس نے تجھے حکم دیا کہ تو اُس کے اسماء، اس

Marfat.com

کے کلام اور اُس کی ذات کی عزت اور وقار کا تنزیہ سے پاس کر؛ اُسے ان چیزوں سے منزہ جان جو اس کے شایان شان نہیں، اور دوسرا اُن باتوں سے اُسے منزہ جان جو لکھنے میں آتی ہیں اور جن پر وہ ذات دلیل ہے؛ جیسا کہ حکمی اور عینی نجاسات کا اس تک پہنچنا۔ اور تو اس کی مخلوق میں اُن لوگوں کو عزت دے جن کی عزت افزائی کا اُس نے تجھے فرض یا نفلی حکم دیا۔ یوں تو اپنے مرتبے کے حساب سے "ذوالجلال والاکرام" ہو گا، اور اسی طرح ہر وہ اسم جس سے تو متخلق ہوا (تو اپنے مرتبے کے حساب سے اس سے متخلق ہوتا ہے نہ کہ اس کے مرتبے کے مطابق۔)

Marfat.com

(٨٤) الاسم: الوالي

التعلّق: افتقارك إليه في إجراء العدل وإسباغ الفضل على من جعل أمرَه تحت ولايتك.

التحقّق: الوالي مَن وَلِي أمور الخلق كلّهم[١] ولم يل[٢] أمره في خلقه غيره: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾[٣] ويندرج في هذا الاسم استعمال جميع الأسماء[٤] المتعلّقة بالكون.

التخلّق: الوالي من العباد[٥] مَن ولّاه الحق[٦] تعالى أمرَ نفسه وأمرَ غيره، فأسبغ عليهم[٧] فضله، وأقام فيه وفيهم[٨] عدلَه، فحينئذ يكون متخلّقًا بهذا الاسم. فإن جار[٩] فهو والٍ ولكن غير متخلّق، وهكذا كلّ اسم. فإنّ الغرض من التخلّق بهذه الأسماء [هو] أن تُنسَب إليك[١٠] على حدّ ما تُنسب[١١] إلى الحقّ، ولكن من الوجه الذي يليق بك.

---

[١] م: كلها. ي: من ولي الأمور كلها.

[٢] خ: يكن.

[٣] [الرحمن: 29]

[٤] خ: الأشياء.

[٥] م: – الوالي من العباد.

[٦] خ: الله.

[٧] ف: فيهم.

[٨] ج: وأقام فيهم.

[٩] ي: جاز.

[١٠] ف، م: إليها.

[١١] ف، ي، م، ط: نسبت.

Marfat.com

اسم الوالی[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی اُن سب میں عدل کا اجرا اور فضل کا اِتمام ہے، جن کا معاملہ تیرے سپرد کیا گیا۔

تحقق:

"الوالی" وہ ہے جس کے ہاتھ تمام مخلوقات کے امور ہوں، اور اُس کا معاملہ اُس کے سوا مخلوق میں سے کسی کے ہاتھ نہ ہو: ﴿وہ ہر روز کام میں لگا ہے﴾ (الرحمن:۲۹) کائنات یا ہستی سے متعلق تمام اسما کو استعمال میں لانا بھی اسی اسم میں داخل ہے۔[2]

---

[1] حق تعالیٰ خود سے ان پر والی ہے جو اسے والی بنائیں۔ یہ اعیان ثابتہ پر والی بنا تو انہیں ایجاد کیا۔ موجودات پر والی بنا تو جسے چاہا پیچھے کیا اور جسے چاہا آگے کیا، حکم لگایا تو عدل کیا، اور جب دیا تو فضل کیا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۶ اب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: حقیقت میں والی اللہ تعالیٰ ہی ہے؛ کیونکہ منصب ولایت پر فائز (شخص) اللہ کے حکم سے اور اس کی ہدایت -جو کہ حق ہے- پر فیصلہ کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ایک دعا میں ہمیں سکھاتے ہوئے فرمایا: "اور سب خیر تیرے ہی ہاتھ ہے۔" سو وہ خیر کا والی ہے اور خیر کا حکم دیتا ہے، اور ہر جزا اور سزا خیر ہے۔ آگے فرمایا: "اور شر تجھ سے نہیں۔" سو والی شر کا والی نہیں؛ بلکہ وہ تو کوئی شر والا فعل نہیں کرتا؛ کیونکہ شر اس سے نہیں۔ اگر بندوں میں سے کوئی والی حق سے منصوب ہو تو شر اس سے نہیں ہوتا؛ ہاں اگر وہ حق کی ولایت چھوڑ کر خواہش کا فیصلہ کرے؛ اور راہ خدا سے بھٹک جائے؛ تو ایسے والی کے لیے دردناک عذاب ہے کہ اس نے حساب کے دن کو بھلا دیا؛ حکم الٰہی کا دیوان جب اس کا حساب کرے گا تو اسے پکڑے گا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۸۵ ب)

تخلق:

بندوں میں سے والی وہ ہے جس کے سپرد حق تعالیٰ نے اُس کے نفس اور بندوں کے معاملات لگائے، سو اُس نے اِن پر اپنا فضل کیا، اور اِس نفس اور رعایا کے معاملات میں عدل سے کام لیا، تو ایسی صورت پر وہ اِس اسم سے متخلق ہوتا ہے۔[1] اگر وہ ظلم کرے تو وہ والی (یعنی حاکم) تو ہے پر متخلق نہیں، ہر اسم اسی طرح سے ہے۔ ان اسما سے متخلق ہونے کا مقصد یہی ہے کہ یہ تجھ سے ایسے منسوب ہوں جیسے یہ حق تعالیٰ سے منسوب ہوتے ہیں، لیکن اُس رخ پر جو تیرے لائق ہے۔

---

[1] شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الوالی" اور "عبد الولی" کہلاتا ہے۔ عبد الوالی وہ ہے جو خود معاملات سنبھالے: اگر اس کے حکم سے کسی دوسرے نے معاملات کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لی تو یہ پہلا والی اور امام نہیں؛ اصل والی اور امام وہی ہے جو منصب ولایت پر فائز ہو۔ اسے والی اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اپنی ولایت کے معاملات میں کسی معاملے سے تغافل نہیں برتتا۔ وہ ایسا کرے گا تو وہ خواہش کا غلام حاکم ہوگا، اور ایسے حاکم کے بارے میں کہا گیا ہے: ﴿اپنی خواہش کی پیروی مت کر کہ یہ تجھے اللہ کی راہ سے دور کر دے گی﴾ (ص: ۲۶) سو والی کے انفاس، حرکات اور تصرفات گنے ہوئے ہیں۔ اور والی ہمیشہ خیر پر والی ہوتا ہے، یہ لازم ہے؛ کیونکہ وہ ذمادم موجد ہے۔ لہٰذا تو اسے ہمیشہ فضل، انعام اور پاک کرنے کے لیے حد قائم کرتا ہی دیکھے گا، اور پاکیزگی خیر ہے۔
(مخطوط: السفر-۳۳، ص ۸۵ ب)

Marfat.com

(٨٥) الاسم: المتعالي

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يرزقك التواضع فإنّه «مَن تواضع لله رفعه الله».

التحقّق: المتعالي هو الذي إذا نسبت إليه أمرًا مّا ممّا[٢] يقتضي التنزيه كان حقًّا، وتعالى إلى أمر آخر لم يبلغه علمك، فكيف أن[٣] تنسب إليه ما لا يليق به[٤]، وليس العليّ كذلك؟ تعالى الله عمّا يقول الظالمون علوًّا كبيرًا[٥].

التخلّق: المتعالي من العباد من إذا قامت به صفة محمودة يتعالى عن الوقوف معها إلى ما هو أعلى منها، لعلمه أنّ عند ربّه[٦] ما هو أعلى من ذلك، هكذا دائمًا. ﴿وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾[٧] فقد طلب فوق ما حصل له.

---

[١] ج، ف، خ، م، ط: – في.

[٢] ي: – مما.

[٣] ط: إذا.

[٤] خ: – به.

[٥] ج، ف، م: – علوا كبيرا.

[٦] م: أن عندها.

[٧] [طه: 114]

اسم المتعالی[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اس کا تجھے (تکبر سے دور کرنا اور) عاجزی عطا کرنا ہے؛ کیونکہ جو اللہ کی خاطر خاکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ اُسے بلندی عطا کرتا ہے۔

تحقق:

المتعالی وہ ہوتا ہے جب تو اُس سے کوئی ایسا معاملہ منسوب کرتا ہے جو تنزیہ کا متقاضی ہو اور حق ہو، تو وہ کسی دوسرے معاملے کی جانب بلند ہو جاتا ہے جو تیرے علم میں نہ سمایا۔ لہذا تو اُس سے کچھ ایسا کیسے منسوب کر سکتا ہے جو اُس کے لائق نہیں، جبکہ العلی ایسا نہیں؟ بہت پاک اور بلند ہے اللہ تعالیٰ ان باتوں سے جو یہ ظالم اس کے بارے میں کہتے ہیں۔

تخلق:

بندوں میں سے متعالی[2] وہ ہے کہ جب اُس میں کوئی قابل تعریف صفت قائم ہو، تو وہ اس

---

[1] حق تعالیٰ اُس پر المتعالی ہے جو زمین میں تکبر کا ارادہ کرے، اور وہ دعویٰ کرے جس دعوے کا اُسے کوئی حق نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۶ ب)

[2] کتاب العبادلہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: متعالی وہ ہوتا ہے کہ جب وہ بلند ہوتا ہے تو پھر نزول سے موصوف ہوتا ہے، عالی متعالی نہیں۔۔۔ آگے فرماتے ہیں: المتعالی بلندی کا کسب کرتا ہے، جبکہ حق تعالیٰ تو اپنی ذات سے رفیع اور عالی ہے۔ لہذا اسے المتعالی نہیں کہنا چاہیے، سوائے اس صورت میں جب وہ اپنی مخلوق کی جانب نزول کرے اور خود کو اپنے بندے کے مقام میں ٹھہرائے، ایک صحیح حدیث میں اس نے کہا: "میں بھوکا تھا اور تو نے مجھے کھانا نہ دیا، میں پیاسا تھا اور تو نے مجھے پانی نہ دیا، میں بیمار

Marfat.com

کے پاس ٹھہرنے کی بجائے اِس سے اگلی بلند صفت کی جانب چل پڑتا ہے؛ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اُس کے رب کے پاس اِس سے بڑھ کر بہت کچھ ہے، وہ ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہے۔ ﴿اور کہہ: اے رب! میرے علم میں اضافہ فرما﴾ (طہٰ: ۱۱۴) تو اس نے حاصل سے اوپر کی طلب رکھی۔

تھا اور تو میری تیمارداری کو نہ آیا۔" پھر اس نے خود اس بات کی وضاحت کی جب اس سے پوچھا گیا: یا اللہ تجھے کوئی کیسے کھلا سکتا ہے جبکہ تو خود رب العالمین ہے؟ تو اس نے فرمایا: کیا تجھے میرا وہ بندہ یاد نہیں، پھر اس کا نام لیا، جب وہ بھوکا تھا اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو اسے میرے پاس پاتا، اور مریض کے بارے میں فرمایا: اگر تو اس کی عیادت کو جاتا تو مجھے اس کے پاس پاتا۔ (کتاب العبادلہ، ص ۱۵۴)

شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: صفات الٰہیہ دو طرح کی ہیں: ایک وہ صفات جو تنزیہ کی متقاضی ہیں؛ جیسا کہ الکبیر اور العلی، اور دوسری وہ صفات الٰہیہ جو تشبیہ کی متقاضی ہیں، جیسا کہ المتکبر اور المتعالی، یا حق تعالیٰ نے خود کو جن ایسی صفات سے موصوف کیا جن سے بندہ متصف ہوتا ہے۔ لہٰذا جس نے اِسے حق کا ہماری طرف نزول قرار دیا اُس نے ان صفات کو بندے کی اصل کہا۔ اور جس نے اِسے حق کی خدائی صفات کہا، کہ حق سے اِن کی نسبت عقل میں نہیں آتی اور ہم انہیں نہیں جانتے، تو بندے کا ان صفات سے موصوف ہونا اپنی حالتِ عبودیت میں رہتے ہوئے ربانی صفات سے موصوف ہونا ہے، لہٰذا بندے کی وہ تمام صفات جن کے بارے میں ہمارا یہ کہنا ہے کہ وہ تنزیہ کی متقاضی نہیں تو وہ حق تعالیٰ کی صفات ہی ہیں، کسی اور کی نہیں۔ لیکن جب بندہ انہیں اوڑھتا ہے تو زبانی یہ بندے کا استحقاق قرار پاتی ہیں، جبکہ اصل معاملہ اِس کے برخلاف ہے (یعنی اصل میں یہ حق کا استحقاق ہیں)۔
(مخطوط: السفر-۱۰، ص ۵۸ب)

Marfat.com

(٨٦) الاسم: المقسط

التعلّق: افتقارك إليه في[1] أن يجعلك ممّن عدل في أحكامه.

التحقّق: المقسط هو الذي يأخذ للمظلوم من الظالم في نفسه وفي غيره، إلّا أن يعفو المظلوم، وأسماء العفو كثيرة.

التخلّق: على هذا الحدّ.

[1] خ: – في.

Marfat.com

اسم المقسط[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی تجھے ایسا بنا دینا ہے کہ تو اپنے فیصلوں میں عدل کرے۔

تحقق:

المقسط وہ ہے جو ظالم سے مظلوم کا حق دلوائے، چاہے وہ ظالم اس کا نفس ہو یا کوئی دوسرا، ہاں اگر وہ مظلوم معاف کر دے، معافی کے بہت سے اسماء ہیں۔

تخلق:

اس اسم سے تخلق بھی اسی حد پر ہے۔

[1] المقسط اس طرح کہ عدل کا حکم کرے، یہ اس کا کہنا ہے: ﴿وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ﴾ (الحجر: ٢١) اور ہم اسے ایک معلوم اندازے پر اتارتے ہیں، اور یہی عدل ہے۔ (مخطوط: السفر-٣٣، ص ١٢٦ اب)

Marfat.com

(٨٧) الاسم: الجامع

التعلّق: افتقارك إليه في أن يجمعك عليه؛ فإنّك عبد[١] آبق شارد.

التحقّق: الجامعُ، على الحقيقة، مَن جمع[٢] الصفات العلى والأسماء الحسنى في[٣] ذاته مع نسبة الوحدة له من جميع الوجوه. والجامعُ أيضًا مَن إذا جمع لا يقدر غيره على تفريق ذلك الجمع. إنّ الله ﴿جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ﴾[٤]، ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّـهُ الرُّسُلَ﴾[٥]، ﴿ذَٰلِكَ حَشْرٌ عَلَيْنَا يَسِيرٌ﴾[٦].

التخلّق: المتخلّق[٧] من العباد بهذا الاسم مَن تخلّق بالأخلاق الإلهيّة أجمعها التي وصل إليها علمه[٨]، وجمع مكارم الأخلاق، وجمع[٩] عباد الله على طاعة الله تعالى[١٠].

---

[١] خ، م: – عبد.

[٢] ي، م: جميع.

[٣] م: – في.

[٤] [آل عمران: 9]

[٥] [المائدة: 109]

[٦] [ق: 44]

[٧] م: – المتخلق.

[٨] خ: وصل علمه إليها.

[٩] م: + من تخلق.

[١٠] ج: + والله تعالى أعلم.

اسم الجامع[1]

تعلق:

اس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے اس اسم میں جمع کرے؛ کیونکہ تو ایک نافرمان مفرور غلام ہے۔

تحقق:

حقیقت میں الجامع وہ ہے جو اپنی ذات میں بلند صفات اور خوبصورت اسما کو جمع کرے کہ تمام رخوں سے اُس کی نسبت ایک ہی ہو۔[2] اور الجامع وہ بھی ہے کہ جب وہ جمع کرے تو غیر اس جمع میں تفریق نہ ڈال سکے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ﴿لوگوں کو اس روز جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں﴾ (آل عمران:۹) ﴿جس روز اللہ رسولوں کو جمع کرے گا﴾ (المائدہ:۱۰۹) ﴿یہ اکٹھا کرنا

---

[1] وہ اپنے وجود سے ہر اس وجود پر جامع ہے جس میں یہ موجود ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۲۶اب)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اگرچہ احدیت جمع کے ساتھ ہے، لہذا احد میں جمع لازم ہے، اور جمع میں احد لازم ہے؛ کہ ہر واحد اپنے ساتھی کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے﴾ (الحدید:۴) معیت صحبت ہے، اور صحبت جمع ہے۔۔۔ چونکہ کائنات ہمیشہ حق تعالیٰ کی معیت میں ہے تو جمع کا حکم وجود اور عدم میں ہر لحظہ قائم ہے۔ حق تعالیٰ ممکن کی عدم والی حالت میں بھی اس کے ساتھ ہے جیسا کہ وہ اس کی وجود والی حالت میں اس کے ساتھ ہے؛ ہم جہاں کہیں بھی ہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس توحید معقول ہے موجود نہیں، اور جمع موجود بھی ہے اور معقول بھی۔۔۔ اگر حق تعالیٰ (صرف) توحید کا ارادہ کرتا تو یہ کائنات نہ بناتا، کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے یہ بنائی تو اس کے ساتھ شرک کیا جائے گا۔ پھر اس نے اس عالم کو اپنی توحید کا حکم دیا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۸۸ب)

Marfat.com

تو ہمارے لیے آسان ہے﴾(ق:۴۴)[1]

تخلق:

بندوں میں اس اسم سے متخلق وہ ہے جو اُن تمام اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہو جن تک اُس کے علم کی رسائی ہوئی، جو اچھے اخلاق کو جمع کرے، اور اللہ کے بندوں کو اس کی فرمانبرداری پر جمع کرے۔

---

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: بیشک اللہ تعالیٰ ﴿لوگوں کو اس روز جمع کرے گا جس میں کوئی شک نہیں﴾ (آل عمران:۹) سو وہ خود میں جامع ہے۔ اور اس کے لیے عالم کا علم اس کے لیے اپنی ذات کے علم جیسا ہے؛ یہ کائنات اس کی صورت پر ظاہر ہوئی؛ اسی لیے ہم نے کہا: بیشک حق ہی وجود کا عین ہے۔ اسی حاضرت سے اس نے تمام عالم کو اپنی تسبیح، حمد اور اس کو سجدہ کرنے پر جمع کیا؛ لیکن اکثر لوگ جن پر عذاب واجب ہو چکا، وہ اللہ تعالیٰ کو غیر مشروع صورت میں سجدہ کرتے ہیں؛ اور اسی وجہ سے پکڑے جاتے ہیں؛ حالانکہ ایسے شخص نے در حقیقت اللہ کو ہی سجدہ کیا، یہ سمجھ! (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۸۸)

(٨٨، ٨٩) الاسم: الغنيّ المغني

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يشغلك به عن سؤاله، لا ليُعطيك.

وافتقارك إليه أيضًا إذا ردّك إليك[٢] أن تفيض[٣] على غيرك ممّا أعطاك من هذين الاسمين؛ فتستغني وتغني[٤].

التحقّق: الغنيّ من كان غنيًّا لذاته[٥] لا بغيره[٦]، والمغني من أغنى غيره بحيث أن لا تقوم[٧] به حاجة إليه لشغله به[٨]، أو[٩] لا يعيّن حاجةً[١٠] لعلمه أنّ[١١] بيده المصالح.

التخلّق: إذا حصّل العبد من الغنى بربّه بحيث أن[١٢] يشغله ذكره عن مسألته عظمةً وجلالًا، ولا يخطر له خاطر في حاجة لغيبته عن نفسه بربّه، فيكون غنيًّا. وإذا كسب[١٣] غيره بحسن تربيته إيّاه[١] ونفوذ همّته هذا الوصف الذي اتّصف به، كان[٢] مغنيًا.

---

[١] ج، ف، خ، م، ط: – في.

[٢] ج: إليه.

[٣] خ، م: يفيض.

[٤] خ: فيستغني ويغني.

[٥] ط: بذاته.

[٦] خ: لغيره.

[٧] خ، ي، م: لا يقوم.

[٨] ي: – به. ط: إليه تشغله.

[٩] ف: إذ.

[١٠] ي: – حاجة. ج: – إليه لشغله به، أو لا يعيّن حاجةً.

[١١] ي، م، ط: بأن.

[١٢] ط: – أن.

[١٣] ف، م، ط: أكسب. خ: اكتسب.

Marfat.com

[1] خ، م: - إياه.

[2] ج: + غنيًا.

Marfat.com

اسم الغنی المغنی[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے خود میں ایسا مشغول رکھے کہ تو اُس سے سوال نہ کر

---

[1] مغنی وہ ہے جو اُسے صفت بے نیازی بخشے؛ وہ اس طرح کہ اُسے یہ بتائے کہ عالم کے بارے میں اُس کا علم معلوم کے تابع ہے؛ اور اس نے خود سے اس کو کچھ نہیں دیا؛ اور وہ اس میں خود سے اثر انداز ہونے سے بے نیاز ہوا؛ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس میں وہی کچھ وجود پذیر ہوگا جو اس (معلوم میں ازل سے) ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۶ ب)

اس حاضرت کا بندہ "عبد الغنی" اور "عبد المغنی" کہلاتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿بیشک اللہ تعالی تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے﴾ (آل عمران: ۹۷) اور اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿بیشک وہی غنا اور قناعت بخشتا ہے﴾ (النجم: ۴۸) رسول اللہ ﷺ نے اس حاضرت سے فرمایا: "غنا مال و متاع کی کثرت نہیں، بلکہ اصل غنا غنائے نفس ہے۔" ایک امیر کبیر تاجر اپنے پاس اتنا مال موجود دیکھتا ہے جو اس کی ساری زندگی اور نسلوں تک کے لیے کافی ہوتا ہے؛ لیکن اس کے پاس خود میں کسی چیز سے غنا نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ تو انتہا درجے کا محتاج ہوتا ہے؛ وہ اس طرح کہ وہ اپنے نفس کا یہ خلا پر کرتے کرتے اپنے مال کو برباد کر دے گا، کاش وہ بے نیاز ہو جاتا لیکن وہ نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ تو ہمیشہ اس غنا کی طلب میں ہی رہتا ہے جو کہ نفس کا غنا ہے، اور شعور نہیں رکھتا!۔

غنا کا پہلا درجہ قناعت اور میسر پر اکتفا کرنا ہے۔ اصل غنا تو نفس کا غنا ہے؛ اور اصل غنی وہی ہے جسے اللہ تعالی نفس کا غنا دے۔ غنی وہ نہیں جس کے پاس تو کثرت سے مال و دولت دیکھے؛ اور وہ اس کے باوجود اس کو مزید جمع کرنے میں لگا ہو؛ ایسے شخص پر تو فقر حاکم ہے۔ انسان اپنی ذات سے محتاج ہے کیونکہ وہ ممکن ہے، جبکہ مال و متاع سے غنی ہے؛ کیونکہ یہ صورت سے غنی ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۹۱ ب)

Marfat.com

پائے، اِس لیے نہیں کہ وہ تجھے دے۔[1]

اور اِس سے تیری محتاجی یہ بھی ہے کہ جب یہ تجھے تیری جانب لوٹائے تو تُو دوسروں تک بھی وہ فیض پہنچائے جو اس نے تجھے اِن دو اسما سے عطا کیا؛ یوں خود بھی غنی ہو اور دوسروں کو بھی غنی کرے۔

تحقق:

غنی وہ ہے جو اپنی ذات سے غنی ہو کسی دوسرے سے نہیں، اور مغنی وہ ہے جو دوسرے کو غنی کرے؛ وہ اس طرح کہ تو اُس میں ایسا مشغول ہو جائے کہ اُس کے سامنے کوئی حاجت نہ پیش کر پائے، اور نہ ہی وہ کوئی حاجت متعین کرے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ تمام بھلائیاں اُسی کے ہاتھ ہیں۔

تخلق:

جب بندے کو غنا بالرب حاصل ہو جائے کہ اُس کی عظمت اور جلال کے باعث اِس (رب) کا ذکر اِسے سوال کرنے سے بے پروا کر دے، اور اس کے دل میں کسی حاجت کا خیال تک نہ آئے کیونکہ اپنے رب کے حضور وہ اپنے نفس سے غافل ہے، تو ایسا شخص غنی ہوتا ہے۔ اور جب کوئی دوسرا اِس کی بہترین تربیت اور توجہ کے نفوذ کے باعث یہ وصف کسب کرے جس سے وہ پہلا متصف تھا، تو یہ پہلا مغنی (غنی کرنے والا) ہے۔

---

[1] یعنی اس میں مشغول ہوتے وقت تیرا دھیان اُس میں ہو، نہ کہ اُس کی عطایات میں۔

(٩٠) الاسم: المانع

التعلّق: افتقارك إليه في أن يرزقك الذبَّ عن دينه وحمايته ممّا يؤدّي إلى إفساده[١].

التحقّق: جميع الممكنات متوجّهة بذاتها إلى الوجود في حال عدمها وإلى[٢] عدمها في حال وجودها، فبما[٣] منع من[٤] إيجادها أو[٥] إعدامها فهو مانع. غير أنّ لفظة المانع أكثر ما تُطلَق[٦] فيمن يمنع وقوع المفسدة والشرور.

التخلّق: مَن منع نفسه بحمى الله تعالى، ومنع نفسه من قيام ما لا يرضى الله تعالى به، ومنع غيره أيضًا فهو المانع تخلّقًا، لا مَن منع المنافع[٧] على اختلافها؛ فإنّ ذلك بُخل. فكلّ مَن منع من أهل هذا[٨] الطريق منفعةً[٩] فإنّما منعها لمصلحة يراها، فهو حكيم.

---

[١] خ: فساده. ي: يؤديه إلى فساده.

[٢] خ: أو إلى.

[٣] ط: فمن. ورسمها في ج، خ، م: فيما. ف: فما.

[٤] م: في.

[٥] خ، م: و.

[٦] ف، ي، م: يطلق.

[٧] ي: المانع.

[٨] خ: هذه.

[٩] م: - منفعة. ي: منعة.

Marfat.com

اسم المانع[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اِس کا تجھے وہ قوت دینا ہے کہ تو اُن عوامل سے اُس کے دین کا دفاع کر سکے جو اِس (دین) کی خرابی کا باعث ہیں۔

تحقق:

تمام ممکنات حالت عدم میں اپنی ذات سے وجود کی طرف متوجہ ہیں، اور حالت وجود میں عدم کی طرف متوجہ ہیں، پس جو (چیز) اِن کی ہست یا نیست کو روکے وہی مانع ہے،[2] لیکن لفظ مانع

---

[1] اس چیز کے دینے کے امکان میں جو اس نے روک لی وہ مانع ہے، اور جو کچھ اس نے روکا وہ حکمت کے باعث تھا جو اس کی مخلوق میں اس کے علم کا تقاضا تھا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۷)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: تو خود حاضرت منع ہے؛ کیونکہ خدائی سخاوت تو مطلق ہے۔ اور منع اس کا قبول نہ کرنا ہے؛ کیونکہ یہ مزاج کے مطابق نہیں۔ مزاج ایسی عطا قبول نہیں کرتا، ... تو نے وہی عطا قبول کی جس کی قبولیت تیری استعداد میں تھی۔ اگر اس حصول سے تجھے تکلیف ہوئی؛ تو اس کی وجہ تیری قبولیت ہی ہے۔ اور اگر تجھے لذت محسوس ہوئی؛ تو بھی اس کی وجہ تیری قبولیت ہی ہے۔ فیض دینے اور عطا کرنے والے کی طرف سے نہ درد ہے نہ لذت؛ بلکہ یہ تو خالص کھری اور صاف سخاوت ہی ہے۔ اگر تو یہ کہے: اُس ذات نے خود کو روکنے سے موصوف کیا؛ جو کہ در اصل منع کرنا ہی ہے کچھ اور نہیں! تو ہم کہیں گے: جب اس نے اس حال میں خود کو روکنے سے موصوف کیا، تو کیا تو عطا کے بغیر رہا؟ بیشک وہ کہے گا: نہیں؛ بلکہ میں تو اللہ کی عطایات کے زیر سایہ رہا؛ کیونکہ (روکنا) خدائی سخاوت کے منافی ہے۔...

اگر تو یہ کہے کہ اس نے مجھ سے وہ کچھ روکے رکھا جو میں چاہتا تھا جیسے وہ بارش کو روکے رکھتا ہے۔ ہم کہیں گے: اُس نے جو کچھ بھی روکا تو اس کا یہ روکنا بھی ایک طرح سے دینا ہے، جسے یہ چاہنے والا بندہ

Marfat.com

کا اطلاق زیادہ تر اُس چیز پر ہوتا ہے جو شرور اور فساد کے وقوع پذیر ہونے کو روکے۔

تخلق:

جو اپنے نفس کو اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے روکے، اور نفس کو وہ کچھ کرنے سے روکے جو اللہ کی ناراضگی کا باعث ہو، اور دوسروں کو بھی اِس سب سے روکے تو وہ اسم المانع سے متخلق ہے۔ ایسا شخص (اس اسم سے متخلق) نہیں جو مختلف قسم کے فوائد کو روکے؛ کیونکہ یہ بخل ہے۔[1]

گزشتہ سے پیوستہ
نہیں جانتا۔ اُس نے اسے (بارش کی) چاہت دی اور بارش روکے رکھی؛ تاکہ یہ اِس سے بارش مانگے؛ یوں اسے محتاجی کی ذاتی عبادت میں کھڑا کیا۔ اور اُسے وہ دیا جو اُس کے لیے بہتر تھا؛ یہی عطائے کرم ہے۔ اب اپنی جہالت کو مت دیکھ، بلکہ اپنے فائدے میں اُس کے علم پر نظر رکھ؛ تاکہ تجھے سمجھ آئے کہ اس کا روکنا بھی عطا ہے۔ سو جس کا روکنا عطا ہو تو اُسے روکنے والا کیوں سمجھتا ہے، دینے والا کیوں نہیں سمجھتا؟ اور تو نے اُسے روکنے والا اسی لیے کہا کیونکہ تو نے اسے روکنے والا بنا دیا؛ کہ اس سے تیری یہ غرض پوری نہ ہوئی؛ اور اس نے کسی مصلحت کے تحت ایسا کیا۔

اگر تو یہ کہے: جو اس سے لاعلم ہے اُس نے اِسے اپنا علم نہ دیا۔ ہم کہیں گے: یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اللہ کا علم تو ناممکن ہے۔ اب اس کے بارے میں علم؛ اس کے بارے میں لاعلمی ہی ہے، اور یہی علما باللہ کا علم ہے۔ ان کے سوا اہل خرد لوگ؛ ان میں سے ہر ایک یہ گمان کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کو جانتا ہے۔ حالانکہ یہ علم اس کا رب کو نہ جاننا ہے (کیونکہ اللہ کا علم تو ناممکن ہے اور اس کے بارے میں علم اس کے بارے میں لاعلمی ہے) ان میں سے کوئی یہ نہیں کہتا: کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا علم نہیں بخشا؛ بلکہ وہ تو اپنے عقیدے پر خوش اور مسرور ہے، خود میں وہ اپنے رب کو جاننے والا بنا پھرتا ہے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۹۵ ب)

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: یہاں بہت سے ایسے اسما ہیں جن کا اطلاق بندے پر تو ہوتا ہے لیکن حق تعالیٰ پر نہیں ہوتا اگرچہ معنی اس کو شامل ہی کیوں نہ کیے ہو؛ جیسا کہ اسم بخیل کا اطلاق بندے پر تو ہوتا ہے لیکن حق تعالیٰ پر نہیں ہوتا، حالانکہ یہ بھی منع کرتا ہے اور اس کا ایک اسم المانع بھی ہے، اور جس نے بخل کیا اس نے منع کیا یہ ٹھیک بات ہے لیکن ہم اس کا ایک دوسرا رخ بھی دیکھتے ہیں وہ یہ کہ ہم یوں کہتے ہیں: ہر بخل منع کرنا ہے لیکن ہر منع کرنا بخل نہیں۔ جس کسی نے مستحق سے اس کا حق روکا تو اس

جاری ہے

لہٰذا اہل طریقت میں سے جس کسی نے کسی منفعت کو روکا، تو اس نے ایسا کسی مصلحت کے تحت کیا، ایسا شخص صاحبِ حکمت ہے۔

بقیہ

نے بخل کیا۔ جبکہ حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کے اس قول میں فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کی تخلیق بخشی، سو جس نے تجھے تخلیق کیا اس نے تجھ پر بخل نہیں کیا بلکہ تیرا حق مکمل ادا کیا، صرف وہی منع کیا کہ مخلوق جس کی حق دار نہیں، یہ بخل والا منع کرنا نہیں۔ یوں ہم بخل اور منع کرنے کے معنوں میں فرق کرتے ہیں۔ (مجلد-۲، ص ۲۴۲)

Marfat.com

(٩١، ٩٢) الاسم: الضارّ النافع

التعلّق: افتقارك إليه في دفع ما يضرّك في دينك ودُنياك وآخرتك، وإعطاء ما ينفعك في دينك ودنياك وآخرتك، حسًّا ومعنىً.

التحقّق: الضارُّ[١] معطي الضرر الذي هو الألم خاصّةً وأسبابه، سواء كان سببه مستلَذًا أو غير مستلذ[٢]. والنافعُ معطي[٣] النفع الذي هو اللذّة وأسبابها[٤]، سواء كان ذلك السبب ملائمًا أو غير ملائم، حسًّا ومعنىً.

التخلّق: الضارُّ مِن عباد الله الصالحين مَن أضرّ[٥] من أجل الله تعالى إيثارًا لجناب الله تعالى[٦]، والنافعُ مَن نفع[٧] عباد الله تعالى وكلّ[٨] منتفِع[٩] بما أمكنه ممّا لا يتعدّى في ذلك حدًّا مشروعًا، حسًّا ومعنىً.

---

[١] ج: – الضار.

[٢] خ: ذلك.

[٣] م: – النافع معطي.

[٤] ط: أسبابه. ي: – سواء كان سببه مستلَذًا أو غير ذلك. والنافعُ معطي النفع الذي هو اللذّة وأسبابها.

[٥] خ: ضر.

[٦] ج: – إيثارا لجناب الله تعالى.

[٧] ي: منع.

[٨] خ: بكل.

[٩] ج: من نفع.

Marfat.com

اسم الضار النافع[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اُس حسی اور معنوی چیز کو دور کرنا ہے جو دین، دنیا اور آخرت میں تجھے نقصان پہنچائے، اور اس کا تجھے وہ حسی اور معنوی چیز دینا ہے جو دین، دنیا اور آخرت میں تجھے نفع دے۔

تحقق:

ضرر دینے والا "الضار[2]" کہلاتا ہے؛ یہ (ضرر) خاص درد و الم اور اس کے اسباب ہی ہیں، چاہے اس کا سبب باعث لذت[3] ہو یا نہ ہو۔ اور نفع دینے والا "النافع[4]" کہلاتا ہے؛ یہ (نفع) لذت

---

[1] نقصان پہنچانے والا: جو غرض سے موافقت نہ رکھے اور نفع پہنچانا جو غرض سے موافق ہو۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۲۷)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الضار" کہلاتا ہے، لہٰذا وہ (ذات) اور انسان کامل ایک دوسرے کے الٹ ہیں؛ کیونکہ اس کی منزلت میں وہی دخل اندازی کرتا ہے جسے اُس نے اپنی صورت پر تخلیق کیا۔ لہٰذا سب سے پہلا نقصان تو اُس کا خود کو نقصان پہنچانا ہے۔ اسی لیے جس چیز میں بھی الوہیت کا دعوی ہوا وہ انسان ہی کی کاروائی تھی۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۹۷)

[3] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اللہ والے جب اس اسم سے متحقق ہوئے، تو انہوں نے تکلیف کی طلب شروع کر دی، کہ اس میں انہیں لذت محسوس ہوتی تھی، وہ اس تکلیف کو اسی لذت کی وجہ سے طلب کرتے۔ لہٰذا ان کا مطلوب یہ لذت ہی بنی۔ (کتاب العبادلہ، ص۱۴۷)

[4] شیخ فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد النافع" کہلاتا ہے، اس حاضرت کا نفع بعینہٖ خاص نقصان کا ازالہ کرنا ہے، اور بعض اوقات اس کا نفع نقصان کے ازالے سے بڑھ کر بھی ہوتا ہے۔ نفع کے

⇐

Marfat.com

اور اس کے اسباب ہی ہیں، چاہے یہ سبب حسی اور معنوی طور پر مناسبت رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو۔

تخلق:

اللہ کے نیک بندوں میں ضرر دینے والے وہ ہیں جو اللہ کی خاطر اللہ کی رضا کے لیے کسی کو نقصان پہنچائیں۔ اور نافع وہ ہے جو اللہ کے بندوں تک ممکنات میں سے ہر وہ نفع پہنچائے جس میں حسی اور معنوی طور پر کسی شرعی حد سے تجاوز نہ ہو۔

معاملے کی تحقیق صاحب غرض کی غرض کا حصول ہے، غرض ارادے کو کہتے ہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۹۸ ب)

Marfat.com

(٩٣) الاسم: النور

التعلّق: افتقارك إليه في[1] أن يجعلك نورًا يُهتدَىٰ بك[2].

التحقّق: النور هو الذي يأنف لذاته، وينفر من[3] أن يُنسَب إليه ما لا[4] يليق به ولا تقتضيه[5] ذاته، ولذلك قال: ﴿إِنَّ اللَّـهَ لَا يَغْفِرُ أَن يُشْرَكَ بِهِ﴾[6] فجعله من أكبر الكبائر؛ إذ النور في اللغة هو النفور، ولمّا كان منفّرًا للظلمة[7] سُمّي نورًا، يُقال: «نارت[8] الغزالة إذا نفرت من الصائد»، ولمّا ظهرت الأشياء لأعين[9] البصائر والأبصار بالنور، و[10]كان أصل ظهور[11] الأشياء في أعيانها وجوده سبحانه، سَمّىٰ[12] نفسه نورًا توصيلًا.

التخلّق: مَن نفرتْ عنه الأشياء كلّها خوفًا على نفسها أن تلحق[13] بالعدم أو العمىٰ أو العشىٰ[1] كان اسم النور[2] الذي[3] نفر عنه أولىٰ.

---

[1] ج، ف، خ، م، ط: - في.

[2] ج: به.

[3] ف: - من.

[4] ي: - لا.

[5] ي: يقتضيه.

[6] [النساء: 116]

[7] ج: منفّر الظلمة.

[8] ج، ف، خ، ي، م: أنارت.

[9] م: في. ج: في الأعين.

[10] م: + لو.

[11] ج: - ظهور.

[12] ج: + في.

[13] خ: تلتحق.

Marfat.com

قال - عليه السلام -: «اللّهمّ اجعلني كلّي نورًا». فجعله معصومًا يُقتدَىٰ به ويُهتدىٰ[٤].

---

[١] ف، خ، ط: أو الغشى.

[٢] م: - أو العمى أو الغشى كان اسم النور.

[٣] ط: بالذي.

[٤] م: + به. ف: - قال - عليه السلام -: «اللّهمّ اجعلني كلّي نورًا». فجعله معصومًا يُقتدَىٰ به ويُهتدىٰ.

Marfat.com

اسم النور[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اس کا تجھے پُر نور بنا دینا ہے کہ تجھ سے رہنمائی لی جائے۔[2]

تخلق:

النور وہ ہے جو اپنی ذات سے کسی کو خاطر میں نہ لائے، اور دور رہے کہ کوئی ایسی چیز اس کی ذات سے منسوب نہ ہو جائے جو اِس کے شایان شان نہیں اور جو اِس ذات کا تقاضا نہیں۔ اسی لیے تو اُس نے کہا: ﴿بیشک اللہ یہ کبھی نہیں بخشے گا کہ اُس کے ساتھ شرک کیا جائے﴾ (النساء: ۴۸) اُس نے شرک کو سب سے بڑا کبیرہ گناہ قرار دیا؛ بیشک لغت میں نور کا مطلب نفور ہے،

[1] حق تعالی النور اس طرح سے ہے کہ وہ اعیان عالم میں ظاہر ہوا، اور اس نے افعال کی نسبت کی ظلمت کو عالم سے دور کیا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۷)

[2] شیخ اکبر اسم النور سے وجود حق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد النور" کہلاتا ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿اللہ زمین و آسمان کا نور ہے﴾ (النور: ۳۵) اور احسان گنواتے ہوئے کہا: ﴿اور اس کے لیے ایک نور بنایا جس سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے﴾ (الانعام: ۱۲۲) حالانکہ وہ تو خود سے چلتا ہے۔ سو اس کا اپنا آپ ہی بعینہ اس کا نور ہے۔ اور اس کا وجود وجودِ حق کے سوا کچھ نہیں؛ جو کہ نور ہے۔ لہذا یہ اپنے رب سے لوگوں کے درمیان چلتا ہے جبکہ انہیں شعور نہیں۔ نبی کریم ﷺ کا ایک حدیث قدسی میں فرمانا ہے: جب اللہ تعالی کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کی سماعت بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے، اسی حدیث میں بندے کی تمام قوتوں اور اعضا کا ذکر ہے، حتی کہ فرمایا: اور اس کی ٹانگ بن جاتا ہے جس سے وہ چلتا ہے۔ اب لوگوں کے درمیان اپنی ٹانگ سے چلنے میں وہ اپنے رب سے چلتا ہے؛ اور یہ قوت حق ہی ہے کچھ اور نہیں۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۹۹ ب)

Marfat.com

چونکہ یہ اندھیرے کو دور بھگاتا ہے تو اِسی لیے نور کہلایا۔ کہا جاتا ہے: "نارت الغزالة" ہرنی بھاگ کھڑی ہوئی، یعنی شکاری کو دیکھ کر بھاگ پڑی۔ چونکہ بصر اور بصیرت کی آنکھ پر چیزوں کا ظہور نور سے ہے، اور اعیان میں اشیا کے ظہور کی اصل اُس پاک ذات کا وجود ہی ہے، تو اُس نے اس مناسبت سے خود کو نور سے موسوم کیا۔

تحقق:

جس سے تمام اشیا اپنی جان کے خوف سے دور بھاگیں کہ کہیں وہ معدوم نہ ہو جائیں، اندھی نہ ہوں یا ان کی بینائی میں فرق نہ پڑ جائے، تو ایسی چیز۔ جس سے سب دور بھاگیں۔ پر اسم النور کا اطلاق ہی بہتر ہے۔

نبی کریم ﷺ کا کہنا ہے: "اے اللہ مجھے سارے کا سارا نور بنا دے[1]۔" تو اللہ نے آپؐ کو گناہوں سے پاک کر دیا کہ آپؐ کی پیروی بھی کی جاتی ہے اور آپؐ سے ہدایت بھی لی جاتی ہے۔[2]

---

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: یہ مقام عبودیت ہی ہے جس میں ہمیشہ رہنے کی نبی کریم ﷺ نے دعا کی، کہا: "اے اللہ مجھے سارے کا سارا نور بنا دے۔" بیشک النور اللہ پاک کے اسما میں سے ہے، بلکہ ایک ثابت حدیث میں وہ خود النور ہے: نور أنىٰ أراه "وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھ سکتا ہوں۔" بعض نقل کرنے والوں نے اس لفظ کو ٹھیک پڑھنے میں غلطی کھائی انہوں نے پڑھا: "نوراني أراه" وہ تو نورانی ہے میں نے اس کو دیکھا۔ اس غلط پڑھنے میں بھی ایک عجیب مطلب ظاہر ہوا؛ وہ یہ کہ جب تو اس کے بندے کو نور بنائے، تو حق تعالی اس میں اور اس سے دیکھا جاتا ہے، اس وقت وہ نورانی ہوتا ہے کچھ اور نہیں۔ وہ اپنی ذات میں نور ہے اور اپنے بندے میں نورانی ہے۔ جو ہم نے کہا اِسے سمجھ۔ (مخطوط: السفر-۹، ص۵۳ب)

[2] شیخ اکبر کے بقول نور دو طرح کے ہیں ایک محسوس اور دوسرا معنوی: ایک نورِ وجود جو عدم کے اندھیروں کو دور کرتا ہے اور دوسرا نورِ علم جو جہالت کی تاریکیاں مٹاتا ہے۔ یہاں اس حدیث میں آپ کا اشارہ نور علم کی جانب ہے اسی لیے تو کہا کہ آپؐ کی پیروی بھی کی جاتی ہے اور آپؐ سے ہدایت بھی لی جاتی ہے۔ (ماخوذ از فتوحات مکیہ: السفر-۳۳، ص۱۰۰)

Marfat.com

(٩٤) الاسم: الهادي

التعلّق: افتقارك إليه في الهداية من عنده فيما يُوصَل إليه ممّا فيه سعادتك.

التحقّق: الهدىٰ البيان، والهادي المبيّن طريق السعادة من طريق الشقاوة[١] وطريق المنافع من طريق المضار، في العلوم والأعمال والأحوال.

التخلّق: المبلّغ من العباد بيانَ الحقّ بهذه الطرق[٢] فهو هاديهم بلسان حقّ[٣]: ﴿فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّـهِ﴾[٤]. «إنّ الله قال علىٰ لسان عبده: سمع الله لمن حمده» في الصلاة، وهو خبر صحيح.

[١] ف، ي: الشقاء.

[٢] ف، ي، م: الطريق.

[٣] ي، م، ط: الحق.

[٤] [التوبة: 6]

Marfat.com

اسم الہادی[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اُس کی خاص ہدایت کے حصول میں ہے جو وہ تجھ تک پہنچائے اور جو تیری سعادت کا باعث ہو۔[2]

---

[1] حق تعالیٰ الہادی اس طرح سے ہے کہ اس نے علما باللہ پر وہ حقیقت واضح کی جس پر یہ معاملہ قائم ہے۔(مخطوط:السفر-۳۳،ص۱۲۷)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: ہدایت دو طرح کی ہے: ۱- ہدایت تبیانی (یعنی واضح کر دینے والی ہدایت) ۲- ہدایتِ توفیقی۔

۱. واضح کر دینے والی ہدایت آزمائش ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہدایت کے بعد گمراہ نہیں کرتا حتیٰ کہ ان پر واضح نہ کر دے کہ انہیں کس چیز سے بچنا چاہیے﴾(التوبہ:۱۱۵) اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: کوئی بھی قوم ہدایت کے بعد صرف اسی صورت پر گمراہ ہوئی کہ وہ جدل میں پڑ گئے۔ اور اللہ کا یہ فرمانا:﴿اور اللہ نے اُسے علم کے ہوتے ہوئے گمراہ کیا﴾ (الجاثیہ:۲۳)

۲. توفیقی ہدایت ہی کسی شخص میں سعادت مندی کا باعث ہے، یہ اللہ کا کہنا ہے:﴿بیشک تو جسے چاہے ہدایت نہیں دے سکتا لیکن اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے﴾(القصص:۵۶) اور اللہ کا فرمانا:﴿لوگوں کی ہدایت آپ کے ذمے نہیں﴾ (البقرۃ:۲۷۲) یہی انبیا کا راستہ ہے۔ توفیقی ہدایت ہی انبیا علیہم السلام کی سنت ہے ﴿سو اُن کے راستے پر چلو﴾ یہی ہدایت بندوں کو سعادت مندی عطا کرتی ہے۔﴿اور میری توفیق اللہ کے سوا نہیں﴾(ہود:۸۸)

ہدایت بمعنی بیان بعض اوقات باعث سعادت ہوتی ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتی؛ ہاں یہ علم ضرور دیتی ہے، یہ جان۔﴿بیشک اللہ ہی حق کہتا اور راہ دکھلاتا ہے﴾(الاحزاب:۴)

Marfat.com

تحقیق:

"الہدٰی" بیان کو کہتے ہیں[1]، اور ہادی وہ ہوتا ہے جو علوم، اعمال اور احوال میں راہِ سعادت کو راہِ شقاوت سے، اور راہِ منفعت کو راہِ نقصان سے جدا کرے۔

تخلق:

بندوں میں مبلغ وہ ہوتا ہے جو اِن راستوں سے حق کو واضح کرے، وہی زبانِ حق سے اِن کا ہادی ہے: ﴿اِس کو پناہ دو یہاں تک کہ اللہ کا کلام سن لے﴾ (التوبہ: ٦) اللہ تعالیٰ نے (نماز میں) اپنے بندے کی زبان سے کہا: "بیشک اللہ نے سن لیا جس نے اللہ کی تعریف کی۔" یہ حدیث صحیح ہے۔

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الہادی" کہلاتا ہے، جب اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کا تذکرہ کیا تو اپنے نبی حضرت محمد ﷺ سے فرمایا: ﴿یہ ہیں وہ لوگ جو اللہ کے ہدایت یافتہ ہیں سو آپ ان کی راہ چلو﴾ (الانعام: ٩٠) اور انبیا علیہم السلام کی ہدایت اللہ کی قربت بخشنے والے معاملات میں ہے۔
ایک ماثور دعا میں آپؐ نے: "انبیا کا راستہ اور سعادت مندوں کی زندگی" مانگی۔ اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے؛ یعنی اللہ کا بیان ہی بیان ہے۔ اور اللہ ہمارے درمیان تو صرف اپنے رسولوں کی زبانی ہی بولتا ہے۔ لہٰذا اللہ کا بیان اصل بیان ہے؛ نا کہ عقل کا بیان جو وہ اپنے گمان کے مطابق اپنی برہان سے بیان کرے۔ بیان اسے ہی کہتے ہیں جس میں شک اور احتمال کا راستہ نہ ہو، اور ایسا صرف درست کشف یا واضح خبر سے ہی ملتا ہے۔
جس کسی نے اپنی عقل اور فکر کی برہان کو اُس کی شریعت پر حاکم بنایا؛ تو اس نے اپنا بھلا نہ کیا۔ آخرت میں جب پردہ اٹھے گا اور وہ معنوی اشیا کی تاویلات کو محسوس شکل میں دیکھے گا تو اُس کی حسرت میں کس قدر اضافہ ہو جائے گا۔ (مخطوط: السفر-٣٣، ص ١٠٢)

Marfat.com

(٩٥) الاسم: البديع

التعلّق: افتقارك إليه في نفي المماثلة في علوّ المقام عند الله تعالى[١] في جنسك.

التحقّق: قد يكون البديع[٢] مَن لا مِثل له، وقد يكون البديع[٣] المبدِع شيئًا[٤] لم يُسبَق إليه في علمه.

التخلّق: بما يعطي السعادة من هذا الاسم: «مَن سنّ سنّةً حسنةً[٥] فله أجرها وأجر من عمل بها»، ﴿وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا﴾[٦] أي أنشئوها ابتداءً، ﴿فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا﴾[٧] مع أنها لم تكن عن الوحي المنزّل المعهود الحكميّ.

---

[١] خ: – تعالى.

[٢] ي: بالبديع.

[٣] ج: – مَن لا مِثل له، وقد يكون البديع.

[٤] م: + لمن.

[٥] ي: – حسنة.

[٦] [الحديد: 27]

[٧] [الحديد: 27]

Marfat.com

اسم البدیع[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی تیرے ہم جنسوں میں اللہ کے ہاں مقام کی بلندی میں مماثلت کی نفی ہے۔(یعنی تیرے ہم جنسوں میں تجھ جیسا کوئی نہ ہو)

تحقق:

البدیع[2] اُسے بھی کہتے ہیں جس جیسا کوئی نہ ہو، اور البدیع اُسے بھی کہتے ہیں جو کوئی ایسی چیز بنائے جو اِس سے پہلے -اُس کے علم کی حد تک- کسی نے نہ بنائی ہو۔[3]

---

[1] وہ اپنی مخلوق میں ہمیشہ سے دائمی بدیع ہے؛ کیونکہ وہ امثال اور غیر امثال تخلیق کرتا ہے۔ وہ رخ بھی لازم ہے جس سے ایک مثل دوسری مثل سے متمیز ہو؛ اور وہ اسی رخ سے بدیع ہے۔(مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۷)

[2] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد البدیع" کہلاتا ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا﴾ (البقرۃ: ۱۱۷) یہ بلند اور پست مخلوقات ہیں، اور تو بلند اور پست میں فرق کرنے والا ہے؛ کیونکہ تو صاحب جہات ہے۔ چنانچہ وہی ہر چیز کا خالق ہے، اور ابداع (یعنی تخلیق) سے مراد ہر چیز میں موجود اس کا خاص رخ ہی ہے جس کی وجہ سے یہ چیز دوسروں سے مختلف ہے۔ یہ چیز کسی وجودی مثال پر نہیں بلکہ یہ تو خود اپنی عین کی مثال پر ہے، کہ وجود میں اس کی عین کا ظہور ثبوت میں اس کی عین کے حکم پر ہے، اور اس میں ذرہ برابر فرق نہیں۔(مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۰۵)

[3] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس تخلیق کردہ شے کی شرط یہ نہیں کہ کبھی اِس جیسی کوئی چیز نہ بنی ہو، بلکہ بدیع ہونے کی شرط یہ ہے کہ جس نے یہ چیز بنائی اس کی نظر میں اس جیسی سابق مثال نہ ہو، چاہے اس سے پہلے ہزار ہا دفعہ یہ چیز بن چکی ہو۔ ہر وہ جس نے غور و فکر سے کچھ نیا سوچا اور پھر اس کو عملی جامہ پہنایا

←

Marfat.com

تخلق:

اس اسم سے اُسے خوش بختی ملتی ہے جو "کوئی اچھا طریقہ (سنت حسنہ)[1] رائج کرے، سو

⇆

تو وہ بلا شک وشبہ مبدع ہے، چاہے اس کی تخلیق کردہ شے کی مثال موجود ہو۔ لیکن اس خالق کے علم میں یہ مثال نہ تھی۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۰۵ ب)

[1] شیخ اکبر فرماتے ہیں: اللہ اور اس کے رسول پر ایمان یہ ہے کہ ہر اس چیز پر ایمان رکھا جائے جو اللہ کی طرف سے ہے، اور اللہ کی طرف سے وہ سب ہے جو اس نے رائج کیا یا شرع کا حصہ بنایا۔ اس میں اس پر ایمان بھی شامل ہے جو کوئی اچھا طریقہ (یعنی سنت حسنہ) رائج کرے۔ چنانچہ شریعت اور رغبت والی عبادت کا حدوث قیامت تک جاری رہے گا۔ یہ خصوصیت صرف اس امت کو حاصل ہے؛ میرا مطلب ہے اس حادث عبادت کو "سنت" کہنا اسی امت کے شرف کا پتا دیتا ہے۔ پرانی امتوں میں اس کا نام "رہبانیت" تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿انہوں نے رہبانیت ایجاد کرلی﴾ سو اس امت میں سے جو کوئی اس حادث عبادت کو "بدعت" کہے جسے شارع نے "سنت" کہا تو وہ سنت کو نہ سمجھا، سوائے اس صورت میں اگر اس تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ اتباع ابتداع سے بہتر ہے۔

اتباع اور ابتداع کا فرق بھی سمجھ میں آتا ہے۔ اسی لیے شارع نے اسے "سنت" کہنا مناسب سمجھا اور "بدعت" نہ کہا۔ ابتداع کا مطلب ہوتا ہے بغیر کسی سابق مثال کے ایجاد کرنا، یہی اس کی حقیقت ہے۔ اور اسی لیے تو حق تعالیٰ نے اپنے بارے میں فرمایا: ﴿آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا﴾ (البقرۃ:۱۱۷) یعنی بغیر سابق مثال کے ان کو ایجاد کرنے والا۔ اگر آج کوئی شخص ایسی چیز شریعت کا حصہ بنائے جس کی شریعت میں کوئی اصل یا حقیقت نہیں تو یہ ابداع کہلائے گا، اور ہمارے لیے یہ اپنانا جائز نہیں۔ اسی لیے شریعت نے لفظ "ابتداع" کی بجائے لفظ "سنت" استعمال کیا، کہ اگر وہ مشروع سنت ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کو انبیا کا طریقہ اپنانے کو کہا۔ (مخطوط: السفر-۵، ص ۲۸)

اس مقام پر شیخ اکبر کے ہاں فقہ کے ابواب میں تفصیل ہے جو یہاں بیان نہیں ہو سکتی، ان تمام باتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے مجتہدین امت کو یہ گنجائش دی ہے کہ وہ سنت حسنہ کو رواج دے سکتے ہیں اور اس کی چند مثالیں آپ یوں گنواتے ہیں جیسے: جب وضو ٹوٹے وضو کر لینا، یا وضو کرنے کے بعد دو رکعتیں پڑھ لینا، یا کھانے کے بعد دو رکعتیں پڑھنا، یا کسی خاص طریقے پر صدقہ کرنا، یا ہر وہ اچھی بات

⇆

اِسے اپنا بھی اجر ملے اور جو اِس پر عمل کرے اُس کا بھی۔" ﴿انہوں نے رہبانیت ایجاد کر لی﴾ یعنی خود سے بنالی ﴿پھر جیسے اس کو نبھانا چاہیے تھا نہ نبھا سکے﴾ (الحدید: ۲۷) حالانکہ یہ کسی نازل شدہ وحی کا حکم نہ تھا جس کا اُن سے عہد لیا گیا ہو۔

جو شارع نے متعین نہ کی ہو تو یہ امت اُسے رواج دے سکتی ہے، اور جو کوئی اس پر عمل کرے گا تو اس کے رائج کرنے والوں کو ان کا ثواب بھی ملے گا۔ ہاں البتہ وہ کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں قرار دے سکتے، یا کوئی نئی عبادت خود سے نہیں بنا سکتے۔ شیخ اکبر فرماتے ہیں: البتہ میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ تیرے اوقات اصلی سنتوں اور نبوی شرائع کی پیروی میں بسر ہونے چاہئیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی اتباع بہتر ہے، اس سے بہتر تو کچھ نہیں ہو سکتا ناجو کہ آپؐ کا طریقہ ہے، لہٰذا کوشش کر کہ کوئی نیا طریقہ نہ ہی بنا، اگر تو نے کوئی اچھا طریقہ رواج دیا جس کی مثال سنت نبوی میں نہیں تو تجھے بھی اس پر عمل کا اجر ملے گا اور جو جو اس پر عمل کرے گا ان کا اجر بھی ملے گا لیکن اگر تو نے کوئی نیا طریقہ اس لیے رائج نہ کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا نہ کیا تو اس اتباع میں - یعنی رائج نہ کرنے میں - تیرا اجر اس سے بڑھ کر ہو گا جس نے نیا طریقہ رائج کیا۔ بیشک نبی کریم ﷺ نے تکلیف کی کثرت کو ناپسند فرمایا ہے، آپؐ کو تو یہ بھی پسند نہیں تھا کہ آپؐ سے زیادہ پوچھا جائے، اس خوف سے کہ کہیں ان پر کوئی نیا حکم لاگو نہ ہو جائے جس کے کرنے کی ان میں استطاعت نہ ہو، سو جس نے نیا طریقہ رائج کیا اس نے تکلیف میں اضافہ کیا، اور نبی کریم ﷺ تو بہتر انداز میں ایسا کر سکتے تھے لیکن آپؐ نے تخفیف کی خاطر ایسا نہ کیا، اسی لیے ہمارا کہنا ہے: نیا طریقہ نہ بنانے میں آپؐ کی اتباع اجر میں نیا طریقہ بنانے سے زیادہ ہے۔ (الفقہ عند الشیخ الاکبر، ص ۸۵)

Marfat.com

(٩٦) الاسم: الباقي

التعلّق: افتقارك إليه في أن يجعلك ممّن استمرّت حالاته على أسباب السعادة والنجاة من كلّ مكروه.

التحقّق: الباقي على الحقيقة، مَن كان بقاؤه لنفسه فلا[١] يجوز عليه العدم.

التخلّق: الباقي من العباد مَن بقي في عبوديّته مع الله تعالى دائمًا، سالم الذات لا يتجرّح[٢] بشيء من الربوبيّة، كما أنّ الحقّ باقٍ في ربوبيّته لا ينبغي[٣] أن يكون عبدًا، كذلك العبد ينبغي أن يكون باقيًا في عبوديّته عند نفسه، مستصحب الحال فيها، لا ينبغي أن يكون ربًّا بوجه من الوجوه، ولا بنسبة من النِّسب. قال بعضهم: «العارف مسودّ الوجه في الدنيا والآخرة»، معناه[٤] مذكور في «كتاب البياض والسواد»[٥]، والوجه هنا حقيقته وذاته وعينه.

[١] ف: ولا.

[٢] ج: لا ينجرح. م: لا ينحرج. خ: (بين): لا ينحرج، لا ينجرح. ي، ط: لا يتحرّج.

[٣] خ: + له.

[٤] ف، ح، ي، م، ط: − معناه.

[٥] كتاب "السواد والبياض" لعلي بن الحسن السيرجاني، بكرمان، وكان له رباط فيها. ذكره صدر الدين، أبو طاهر السِّلَفي (ت: 576هـ) في كتابه معجم السفر، في رواية عن عبد العزيز بن صالح بن المظفر الأشتري بنهاوند، وكان قد رحل إليه، ونسخ كتابه هذا في اثني عشر يوما وسمعه عليه.

Marfat.com

اسم الباقی[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اس کا تجھے اس جیسا بنا دینا ہے جس کے حالات اَسباب سعادت میں جاری ہوں اور جسے ہر مکروہ سے نجات حاصل ہو۔

تحقق:

حقیقت میں الباقی وہ ہے جس کی بقا خود سے ہو، اور جس پر عدم کا اطلاق نہ ہو سکے۔

تخلق:

بندوں میں سے باقی وہ ہے جو اللہ کے ساتھ ہمیشہ اپنی عبودیت پر باقی رہے، اپنی ذات کی حفاظت کرے اور ربوبیت کی کسی شے کا اثر نہ لے، جیسے حق تعالیٰ اپنی ربوبیت پر باقی ہے اور وہ بندہ نہیں ہو سکتا، اِسی طرح بندے کو چاہیے کہ خود میں ہر وقت اپنی عبودیت پر باقی رہے، اسی عبودیت والے حال پر قائم رہے، اسے صورتوں میں سے کسی صورت اور نسبتوں میں سے کسی نسبت سے رب نہیں بننا چاہیے۔[2] کسی نے کہا ہے: عارف دنیا اور آخرت میں "سیاہ رو" ہی ہوتا ہے، اس قول کا مطلب "کتاب سفید و سیاہ" میں مذکور ہے، یہاں "چہرے" سے مراد اُس کی حقیقت، اُس کی ذات اور اُس کا عین ہی ہے۔

---

[1] حق تعالیٰ الباقی اس طرح ہے کہ اسے زوال نہیں جیسے دیگر ممکنات کو وجود کے بعد زوال ہے؛ اس کے لیے دائمی وجود اور دوام الایجاد ہے۔

[2] شیخ اکبر نے اپنی کتاب روح القدس میں اس بیماری اور اس کے علاج پر تفصیلی بات کی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے عنوان: "عمومی جامعیت کبریائی کی رمز" (اصلاح نفس کا آئینہ حق، ص ۴۰۹)

Marfat.com

(٩٧) الاسم: الوارث

التعلّق: افتقارك إليه في[١] أن يوفّقك للاقتداء[٢] بسنّة نبيّه -صلّى الله عليه وسلّم-.

التحقّق: الوارث من ترجع الأملاك إليه بعد انتزاع أيدي الملّاك عنها بالموت، وسواء كان المنتزَع منه عند[٣] الوارث أو[٤] لا ﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا﴾[٥].

التخلّق: الوارث من العباد مَن ورث الأنبياء في علومهم وأعمالهم وأحوالهم بعد[٦] انقلابهم إلى بارئهم: «العلماء ورثة الأنبياء»، ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا﴾[٧]، ﴿تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا﴾[٨] مقامات الكفّار منها، «حين[٩] دخلوا النار فلم يخرجوا منها»، وفي الدنيا ﴿اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ﴾[١٠]. وورث الصالح من الأرض طاعتها: ﴿قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾[١١]، و﴿إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾[١٢].

---

[١] خ: - في.

[٢] ف: يوفقك الاقتداء. م: يوفقك إلى الاقتداء.

[٣] ج، ف، خ: عبد.

[٤] ي: أم.

[٥] [مريم: 40]

[٦] خ: - بعد، + و.

[٧] [الزخرف: 72]، وهذه الآية وردت في ج، ط فقط.

[٨] [مريم: 63]

[٩] ي: حتى.

[١٠] [البقرة: 16]

[١١] [فصلت: 11]

[١٢] [الأعراف: 128]

Marfat.com

اسم الوارث[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ یہ تجھے نبی کریم ﷺ کی سنت پر چلنے کی توفیق دے۔

تحقق:

وارث وہ ہوتا ہے کہ اصل مالک کی موت کے بعد ملکیت جس کے ہاتھوں سے نکل کر اِس وارث کے پاس آ جائے، چاہے وہ ملکیت وارث کے پاس ہو یا نہ ہو: ﴿ہم ہی اس سب کے وارث ہیں جو زمین میں یا اس کے اوپر ہے﴾ (مریم:۴۰)

تخلق:

بندوں میں وارث وہ ہے جو انبیا کا اپنے رب کے پاس لوٹ جانے کے بعد اُن کے علوم، اعمال اور احوال میں اُن کا وارث ہو: "بیشک علما انبیا کے وارث ہیں" ﴿یہ ہے وہ جنت جس کا وارث ہم تمھیں بنائیں گے﴾ (الزخرف:۷۲) ﴿یہ وہ جنت ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں کو بنائیں گے﴾ (مریم:۶۳) (آخرت میں) کافروں کا ٹھکانہ یہ ہوگا کہ جب وہ دوزخ میں داخل ہوں گے تو اُس سے باہر نہیں نکلیں گے، اور دنیا میں ﴿انہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی﴾ (البقرہ:۱۶)

صالح کی زمین سے وراثت اس کی اطاعت ہے: ﴿وہ دونوں بولے: ہم اطاعت کرتے ہوئے آتے ہیں﴾ (فصلت:۱۱) ﴿بیشک زمین تو اللہ ہی کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے

[1] حق تعالیٰ الوارث اس طرح ہے کہ ہم نے برزخ میں جا کر اپنے اعمال اس کے سپرد کر دیئے۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۲۷)

Marfat.com

چاہتا ہے اس کا وارث بنا دیتا ہے، جبکہ عاقبت تو متقین کے لیے ہے﴾ (الاعراف:۱۲۸)

Marfat.com

(٩٨) الاسم: الرشيد

التعلّق: افتقارك إليه في أن يرشدك إلى ما فيه سعادتك.

التحقّق: [الرشيدُ هو] المرشد إلى معالي الأمور. قال الله[١] تعالى: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ﴾[٢].

التخلّق: الرشيدُ من العباد هو الذي قد عرف الأمور وحقّقها[٣]، فهو يعمل[٤] ما ينبغي لما ينبغي كما ينبغي[٥]، ويترك ما ينبغي لما ينبغي كما ينبغي.

---

[١] ف، خ: - الله.

[٢] [الأنبياء: 51]

[٣] م: وحقيقتها.

[٤] ج: يفعل.

[٥] خ: - كما ينبغي.

Marfat.com

اسم الرشید[1]

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی اس کا تجھے تیری سعادت مندی کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔

تحقق:

(رشید وہ ہوتا ہے) جو بلند امور کی جانب رہنمائی کرے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اور ہم نے ابراہیم کو ان کی ہدایت بخشی﴾ (الانبیا:۵۱)

تخلق:

بندوں میں سے رشید وہ ہے جو معاملات کو سمجھے اور اِن کی حقیقت جانے، یہ وہ کرتا ہے جو کرنا چاہیے، جس کے لیے کرنا چاہیے اور جس طرح کرنا چاہیے، اور وہ چھوڑ دیتا ہے جو چھوڑنا چاہیے، جس کے لیے چھوڑنا چاہیے اور جس طرح چھوڑنا چاہیے۔

---

[1] فتوحات مکیہ میں شیخ اکبر فرماتے ہیں: الرشید وہ ہے جو اپنے بندوں کی رہنمائی کرے کیونکہ اس نے بتایا کہ وہ ﴿صراط مستقیم پر ہے﴾ (ھود:۵۶) اور اس نے ہر جانور کو پیشانی سے پکڑ رکھا ہے۔ لہذا یہاں ہر ایک صراط مستقیم پر ہے، استقامت کا مطلب رحمت کی جانب ان کا لوٹنا ہے۔ اللہ نے اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہ کی کہ انہیں اِن کی پیشانی سے پکڑا۔ لہذا یہاں ہر کوئی اس کے ساتھ صراط مستقیم پر چلا۔ (مخطوط: السفر-۳۳، ص ۱۲۷)

Marfat.com

(٩٩) الاسم: الصبور

التعلّق: افتقارك إليه في[1] أن لا يزيل عنك نعمةً من عافيةٍ في دينك ودنياك وآخرتك.

التحقّق: الصبورُ بنية مبالغة، هو[2] الذي يُؤذَىٰ كثيرًا ويمسِك عن الانتصار والانتقام، فإن كان قادرًا فلحِلمه[3]: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّـهَ وَرَسُولَهُ﴾[4]، فلم ينتقم في حال أذيّتهم مع قدرته - تعالىٰ -[5] علىٰ ذلك[6].

التخلّق: الصبورُ مِن العباد مَن حبس نفسه عند إذاية[7] الخلق إيّاه[8] عن[9] الانتصار والمجازاة؛ بالانتقام منهم إن كان قادرًا، أو[10] الدعاء عليهم، بل يقول: «اللّهمّ اغفر لقومي فإنّهم لا يعلمون». فهذا هو التخلّق. ومن[11] غير[12] التخلّق الصبور مَن حبس نفسه علىٰ

---

[1] خ: - في.

[2] خ: وهو.

[3] ج: فلحكمة. ف: فلحمله.

[4] [الأحزاب: 57]

[5] ج: - تعالىٰ.

[6] م: - علىٰ ذلك.

[7] ي: أذاه. ط: إيذاء. خ: أذية.

[8] خ: له.

[9] ي: عند.

[10] ج، ي، م: و.

[11] ج: وعن.

[12] م: - غير.

Marfat.com

مشاق العبادات كإسباغ[1] الوضوء على المكاره، ومقاساة الأعداء في الله تعالى، ومحاربته إيّاهم، ظاهرًا وباطنًا.

﴿وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ﴾.[2]

---

[1] ج: وإسباغ.

[2] [الأحزاب: 4]. هنا نهاية مخطوط خ، ي.

ي: والحمد لله حقّ حمده، وإيّاه نسأل أن يرحم مؤلّفه وكاتبه ومالكه ومن طالعه وقرأ فيه، ويغفر لهم ويجعلهم من أهل جنّته، ويعيذهم من ناره، وأن يصلّي على سيّدنا الأولين والآخرين محمد خاتم النبيّين وعلى آله أجمعين و﴿حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ﴾ [آل عمران: ١٧٣] ﴿نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ﴾ [الأنفال: 40].

تمّ الكتاب بحمد الله، يا ربّنا، ومَن بلا شكّ بعد الموت يحيينا،

يا ربّ فاغفر لعبد كان كاتبه، يا قارئ الخطّ قل بالله آمينًا.

والحمد لله وحده. وقع الفراغ وبحمده في أوائل رمضان سنة خمس [= خمسة] وستّين وثمانمائة.

Marfat.com

اسم الصبور

تعلق:

اِس سے تیری محتاجی یہ ہے کہ تجھ سے کوئی ایسی نعمت نہ چھوٹے جو تیرے دین، تیری دنیا اور آخرت میں عافیت کا باعث ہو۔

تحقق:

الصبور[۱] مبالغے کا صیغہ ہے، وہ جسے بہت تکلیف دی جائے لیکن قدرت ہونے کے باوجود وہ اپنی بردباری کے باعث انتقام اور بدلہ نہ لے ﴿جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں﴾ (الاحزاب:۵۷) لہذا اللہ نے قدرت ہوتے ہوئے بھی اِس تکلیف پر اُن سے انتقام نہ لیا۔[۲]

---

۱ شیخ اکبر فرماتے ہیں: صبر سے مراد نفس کو لوگوں کے سامنے شکوہ شکایت کرنے سے روکنا ہے، اللہ کے سامنے نہیں، اور جو کثرت سے ایسا کرے تو وہ صبور اور صبّار ہے۔ (کتاب العبادلہ، ص ۱۵۲)

۲ شیخ اکبر فرماتے ہیں: اس حاضرت کا بندہ "عبد الصبور" کہلاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں﴾ (الاحزاب:۵۷) اُس نے بتایا کہ اسے تکلیف دی جاتی ہے، اور وہ تکلیف دیتے وقت وہ تکلیف دینے والے کی پکڑ نہیں کرتا؛ لہذا اس نے خود کو صفت صبور سے موصوف کیا۔ لیکن اس نے ہمیں بتایا کہ اسے کون تکلیف دیتا ہے اور کیسے تکلیف دیتا ہے؛ تاکہ اس پر اسم الصبور کا اطلاق کرتے ہوئے ہم اُس سے تکلیف کو دور کریں؛ اور اس نے ہمیں سکھایا کہ جب ہم پر اسما میں سے کسی اسم سے کوئی تکلیف آئے اور اگر ہم اس سے شکوہ کریں تو یہ شکوہ ہمارے صبر کی نسبت میں حائل نہیں ہوتا۔ ہم اس تکلیف دور کرنے کا شکوہ کرنے کے باوجود بھی صابر ہیں؛ جیسا کہ وہ ہمیں یہ بتانے میں کہ کون اسے کیا تکلیف دے رہا ہے صابر ہے؛ تاکہ ہم اس کی مدد کو آئیں اور اس کا دفاع کریں، وہ اس بتانے پر بھی صبور ہے اور ہم اس سے شکوہ کرنے پر بھی صابر ہیں۔...

Marfat.com

تخلق:

بندوں میں صبور (یعنی صبر کرنے والا) وہ ہے جو لوگوں سے تکلیف پانے پر بھی قدرت کے باوجود خود کو انہیں تکلیف دینے سے روکے رکھے، یا (اگر صاحب قدرت نہیں) تو ان کے لیے بد دعا نہ کرے، بلکہ یہ کہے: "اے اللہ میری قوم کو بخش دے کہ یہ نہیں جانتے" یہ ہے (اس اسم سے) تخلق۔

تخلق کے بغیر صبور وہ ہے جو اپنے نفس پر عبادات کی سختیوں کو جھیلے، جیسے دل کے نہ چاہتے ہوئے وضو کرنا، یا راہِ خدا کے دشمنوں کی تکالیف اٹھانا، اور ظاہری باطنی طور پر اُن سے جنگ کرنا۔

﴿اللہ ہی حق کہتا اور راہ دکھلاتا ہے﴾ (الاحزاب:۴)

ح ۱ (اللہ کو تکلیف دینے کی مثال یہ ہے:) اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿بیشک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دیتے ہیں﴾ (الاحزاب:۵۷) اور صحیح حدیث میں فرمایا: "ابن آدم نے مجھے گالی دی اور اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، ابن آدم نے مجھے جھٹلایا اور اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا" (مخطوط: السفر-۳۳، ص۱۰۹ اب)

Marfat.com

[ختام الكتاب][1]

قال شارح[2] الأسماء - رضي الله عنه -: نجز[3] الغرض من الإملاء[4] في هذا الفنّ، واقتصرنا فيه[5] على الأسماء التي خرّجها الإمام[6] أبو حامد الغزاليّ[7] في «كتاب المقصد الأسنى» والحمد لله ربّ العالمين[8]، وذلك بزاوية الإمام أبي حامد بشماليّ جامع دمشق - حماها الله تعالى[9] - في شهر رمضان المعظّم قدره سنة[10] إحدى وعشرين وستمائة، إسعافًا لمن سألنا في ذلك، وهو صاحبنا الفقيه الإمام شرف الدين أبو محمّد عبد الواحد بن أبي بكر بن سليمان الحمويّ[11]، نوّر الله تعالى[1] بصيرته، ونفعنا وإيّاه بما قصده[2]، وصلّى الله على

[1] م: - ختام الكتاب.

[2] الشارح هنا هو الشيخ محي الدين بن العربي.

[3] م: - نجز.

[4] ف: الأسماء.

[5] م: فيها.

[6] ف، ط: - الإمام.

[7] ط: + رحمه الله. م: + قدس سره.

[8] ف: + وصلى الله على سيدنا محمد وآله وصحبه وسلم. م: + وصلّى الله على خير خلقه سيّدنا محمد وآله وصحبه وسلّم تسليما كثيرا طيبا مباركا فيه، تمت. (وهنا انتهى متن النسختين ف، م).

[9] ط: - حماها الله تعالى.

[10] ط: - المعظم قدره سنة.

[11] عبد الواحد بن أبي بكر بن سليمان بن علي، أبو مُحَمَّد الحموي، الدِّمَشْقِيُّ، الشاهد. [585-658هـ] سمع من محمد ابن الخصيب، وحنبل، وابن طبرزد. روى عنه الدمياطي، وابن الحُلْوانيّة، وغيرهما. حدث بدمشق ومصر. وأبوه من شيوخ الدمياطي أيضا. [تاريخ الإسلام ت بشار للذهبي 14/ 884].

Marfat.com

سيّدنا محمّد خاتم النبيّين وعلى آله وورثته[3] أجمعين، ورضي عنّا بهم[4]. هذا تاريخ نسخة الأصل، الحمد لله ربّ العالمين.[5]

---

[1] ط: - تعالى.

[2] ط: قصدناه.

[3] ط: وصحبه.

[4] ط: + وسلّم، وبالله التوفيق (وهنا انتهت النسخة ط).

[5] ط (مخطوط: E) اللّهمّ اجعلنا من أهل الصبر والرضى بما قدّرت على ما قضيتَ، واجعلنا من أهل التحقّق بأسمائك الحسنى بحقّ ما علّمتَ واستأثرت، وبلّغنا [الـ]مقام الأسلم الأسمى، وعلّمنا من [الـ]علم الأعظم الأحمى، إنّك قلت وقولك الحقّ ﴿وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ﴾ [البقرة: ٣١] وحدّثنا من فيض فضلك العميم، من أخلاق الّذي أنزلت في [الـ]كتاب الكريم في حقّه ﴿إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [القلم: ٤] وصلّى وسلّم عليه ... وعلى آله وصحبه وتابعيهم من أمّته آمين.

Marfat.com

خاتمہ کتاب

شارح الاسما (شیخ اکبر محی الدین محمد ابن العربی) فرماتے ہیں: اس فن میں املا کا مقصد پورا ہوا، ہم نے اِس کتاب میں صرف انہی اسما پر اکتفا کیا ہے جن کا ذکر ابو حامد الغزالی نے اپنی "کتاب المقصد الاسنیٰ" میں کیا ہے، اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ یہ عمل اس شخص کی مدد سے رمضان سن ۶۲۱ ہجری میں جامع دمشق کے شمال میں واقع امام ابو حامد کے زاویے میں پایہ تکمیل کو پہنچا جس نے اِس بارے میں ہم سے سوال کیا تھا، اور وہ ہمارے ساتھی الفقیہ الامام شرف الدین ابو محمد عبد الواحد بن ابو بکر بن سلیمان الحموی ہی ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کی بصیرت کو منور کرے اور ہمیں اور آپ کو اس عمل سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔ اور درود و سلام ہو ہمارے آقا، خاتم النبیین محمد ﷺ پر، آپؐ کی آل اور تمام اصحاب پر، اور سب توفیق اللہ سے ہی ہے۔ یہ نسخہ اصلی کی تاریخ ہے، الحمد للہ رب العالمین۔[1]

[1] ترجمہ مکمل ہوا، بروز پیر ۱۱ نومبر ۲۰۱۳، دن بارہ بجے۔ اللہ اپنی جناب میں قبول و منظور فرمائے۔ (ابرار احمد شاہی)

پہلا پروف مکمل ہوا صبح ۸:۲۵ منٹ پر بروز ہفتہ ۱۶ نومبر ۲۰۱۳۔ (ملک ہمیش گل)

فتوحات مکیہ اور دیگر حوالوں سے کتاب کی شرح مکمل ہوئی بروز ہفتہ، یکم مارچ سن ۲۰۱۴، دن بارہ بجے، بمقام راولپنڈی۔ (ابرار احمد شاہی)

دوسرا پروف مکمل ہوا ۱۶ مارچ ۲۰۱۴ بروز اتوار صبح آٹھ بجے، جان کالونی راولپنڈی۔ (ملک ہمیش گل)

آخری مرتبہ مکمل ترجمہ چیک ہوا، بروز منگل ۱۸ مارچ سن ۲۰۱۴۔ (ابرار احمد شاہی)

استاذ المنصوب کی جانب سے مشکل مقامات کا ترجمہ درست ہوا۔ جمعرات ۲۰ مارچ ۲۰۱۴۔

تیسرا پروف مکمل ہوا بروز جمعہ ۲۷ مارچ سن ۲۰۱۴ رات سوا نو بجے۔

(قاری: ملک ہمیش گل، سامع: ابرار احمد شاہی)

آخری پروف مکمل ہوا بروز بدھ، ۲۸ مئی سن ۲۰۱۴ رات سوا آٹھ بجے۔ (ملک ہمیش گل)

Marfat.com

اصلاح انسان کی خدائی تدبیریں

التدبیرات الالٰھیۃ فی اصلاح المملکۃ الانسانیۃ

تدبیرات الٰہیہ شیخ اکبر کے مغربی دور کی اولین تصانیف میں سے ایک ہے۔ اس کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے شیخ فرماتے ہیں: جب میں نے شہر موروُر میں شیخ الصالح ابو محمد المورُوی" سے ملاقات کی تو آپ کے ہاتھ میں "سر الاسرار" نام کتاب دیکھی جس کے مصنف نے دنیاوی مملکت کی تدبیر میں غور و فکر کیا تھا۔ لیکن میرے دوست کے اس اصرار پر کہ میں ایک ایسی کتاب لکھوں جس میں مملکتِ انسانی کا موازنہ کائنات اکبر سے کیا جائے اور شہر جسم کی ایسی بادشاہت پر غور کیا جائے، میں نے چار ایام کے اندر یہ کتاب "تدبیرات الٰہیہ" تالیف کی۔

اس کتاب میں شیخ اکبر نے عالم اکبر (کائنات) اور عالم اصغر (انسان) کے درمیان مثلیت بیان کی ہے۔ جسم انسانی کو ایک شہر سے تشبیہ دی ہے، روح کو اس شہر کا حاکم، عقل کو وزیر، علم کو مشیر، اور خواہش کو اس شہر میں روح کا دشمن اور باغی قرار دیا ہے، جس کی وسیع سلطنت اور قوت ہے۔ اس کتاب میں ان تمام جنگوں کا ذکر ہے جو روح اور خواہش کے درمیان جاری و ساری ہیں، اور جن میں کامیابی یا ناکامی پر اس انسان کی سعادت یا شقاوت کا فیصلہ ہوتا ہے۔

کتاب مقدمہ، تمہید اور ۲۲ ابواب پر مشتمل ہے، شیخ اکبر نے اسے تصوف کا جوہر قرار دیا ہے، سو یہ سالکین اور مبتدئین کے لئے تحفہ خاص ہے۔ ابن العربی فاؤنڈیشن کو ہی یہ اعزاز حاصل ہو رہا ہے کہ اِس کتاب کو تحقیق شدہ عربی متن کے ساتھ بین الاقوامی معیار کے عین مطابق دوبارہ شائع کیا گیا ہے۔ اس جدید ایڈیشن کی ایک خوبی کتاب میں موجود تمام مشکل عبارت کی شرح بھی ہے، اس سلسلے میں ہم نے شیخ عبد الغنی النابلسی کے شاگرد شیخ البیتامی کی شرح سے استفادہ حاصل کیا ہے۔ اللہ تعالی ہماری اس کوشش کو اپنی جناب میں قبول و منظور فرمائے، آمین یارب العالمین۔

ابرار احمد شاہی

Marfat.com

روحانی اسفار اور ان کے ثمرات

کتاب الإسفار عن نتائج الأسفار

سفر اور حقیقت سفر پر شیخ اکبر محی الدین ابن العربی کی جانب سے لکھا گیا ایک نایاب رسالہ جس میں آپ نے سالکینِ راہ طریقت و حقیقت کے لیے روحانی اَسفار کے حقائق آشکار کیے ہیں۔ اس کتاب میں آپ نے روحانی اسفار کو تین بنیادی اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ یہ اُس ذات میں، اُس ذات تک اور اُس ذات سے سفر ہی ہیں۔ مکمل کتاب مقدمے اور ۱۷ اسفار پر مشتمل ہے جن میں مختلف انبیائے کرام علیہم السلام کے ظاہری اسفار کو اپنے نفس کے آئینہ میں دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سفر لوط علیہ السلام میں فرماتے ہیں: (اس کتاب میں) ہر وہ سفر جس کا میں تذکرہ کرتا ہوں، میں اِس میں اپنی ذات کی بات کرتا ہوں، میرا مقصد اُن لوگوں کے حق میں اس واقعے کی تفسیر بیان کرنا نہیں۔ یہ اسفار تو بنائے گئے وہ پل ہیں جن کو پار کر کے ہم اپنی ذوات، اور خود سے مخصوص اپنے احوال تک پہنچتے ہیں اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے۔

ابن العربی فاؤنڈیشن کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ اس اشاعت میں کتاب کو مکمل تحقیق شدہ عربی متن اور سہل معاصر اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔ کتاب کی اشاعت میں بین الاقوامی معیار کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور اسے شیخ اکبر پر تحقیق کرنے والے بین الاقوامی اداروں کے اشتراک سے شائع کیا گیا ہے۔ کتاب کے عربی متن کی تحقیق کے لیے شیخ اکبر کے ہاتھ سے لکھے قلمی نسخے پر بھروسا کیا گیا ہے جس کی وجہ سے عربی عبارت کتابت کی غلطیوں سے پاک ہے۔ ترجمہ شستہ رکھا گیا ہے اور مشکل مقامات پر حواشی میں بات سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ امید ہے علوم شیخ اکبر کے بہتر فہم میں یہ کتاب آپ کی معاون و مددگار ہو گی۔

ابرار احمد شاہی

اصلاح نفس کا آئینۂ حق

روح القدس فی مناصحة النفس

یہ رسالہ فقیر الی اللہ محمد بن علی ابن العربی الطائی الحاتمی الاندلسی نے شہر مکہ میں سن ۶۰۰ ہجری میں عبد العزیز بن ابو بکر القرشی المہدوی -المغرب کے شہر تیونس والے- کے نام تحریر کیا، اللہ تعالی ان دونوں سے راضی ہو، ان دونوں اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے۔

اے دوست! جان لے کہ یہ رسالہ تجھ پر اللہ کا سب سے بڑا احسان اور تیری طرف اس کا سب سے مبارک تحفہ ہے۔ اللہ نے تیرے دوست اور تیرے یار کو یہی حکم دیا تھا کہ وہ یہ باتیں تیرے گوش گزار کر دے ﴿بیشک اللہ تعالی حق گوئی سے شرم نہیں کرتا﴾ (الاحزاب: ۱۵۳) اور اللہ کا حق تو سب سے بڑھ کر ہے۔

یہ کتاب پانچ اجزا پر مشتمل ہے جس میں شیخ اکبر نے نفس کو زیر کرنے کے لیے اس کے ساتھ ایک مکالمے اور مناظرے کا سا انداز اپنایا ہے۔ نفس کو نہ صرف اس کی خامیوں سے آگاہ کیا ہے بلکہ نیک اور برگزیدہ ہستیوں کے طرز عمل سے اس کے لیے اتباع کی سند پیش کی ہے۔ کتاب میں شیوخ شیخ اکبر اور ان کے حالات کو نہایت جامع اور واقعاتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ علم حقیقت اور شریعت کو واضح کیا گیا ہے اور آخری حصے میں ایک جامع نصیحت سے نفس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

ابن العربی فاونڈیشن کو یہ اعزاز حاصل ہوا ہے کہ پہلی دفعہ بین الاقوامی سطح پر کتاب کا تحقیق شدہ عربی متن شائع ہو رہا ہے۔ ترجمہ نہایت شستہ اور آسان ہے۔ کتاب اعلی معیار کے عین مطابق شائع کی گئی ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ آمین یارب العالمین!

ابرار احمد شاہی

Marfat.com

رسائل ابن العربی جلد اول

کتاب الحجب مع شرح

حجابات سے متعلق شیخ اکبر کا ایک منفرد رسالہ جس میں حجابات کی متعدد اقسام کو عنوانات کے تحت اشارات کی زبان میں سمجھایا گیا ہے۔

کتاب الازل

لفظ ازل سے متعلق ایک مختصر رسالہ جس میں لفظ ازل کی اصل حقیقت بیان کی گئی ہے اور اس لفظ سے متعلق متعدد باطل نظریات کا رد کیا گیا ہے۔

کتاب الباء

حرف "ب" کی حقیقت پر شیخ اکبر کا ایک نادر رسالہ جس میں اس حرف کے حقائق پر بات کی گئی ہے۔ یہ رسالہ ایک خواب کی تعبیر کے طور پر لکھا گیا۔

نقش الفصوص

فصوص الحکم کا وہ اختصار جو شیخ اکبر نے خود مرتب کیا، اس رسالے میں ہر فص کا مرکزی خیال بیان کیا گیا ہے۔

مختصر الدرۃ الفاخرۃ

روح القدس کی طرح اس رسالے میں بھی شیخ نے اپنے اُن متعدد شیوخ کا تذکرہ کیا ہے جن سے آپ کی بالمشافہ ملاقات رہی، اور جو راہ طریقت میں آپ کے معاون اور مددگار ہوئے۔

ابرار احمد شاہی

Marfat.com

طبع شدہ کتب ابن العربی فاؤنڈیشن

روح القدس في مناصحة النفس (اصلاح نفس کا آئینہ حق)

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کتاب نفس کے ساتھ ایک مکالمہ ہے۔ کتاب پانچ حصوں پر مشتمل ہے، اس میں صحابہ کرام کے احوال سے لے کر اپنے دور تک کے شیوخ کے واقعات کے ذریعے نفس کو نیکی کی رغبت دلائی گئی ہے۔ راہ طریقت کی حقیقت جاننے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ اور اس پر عمل ضروری ہے۔

PRICE: Rs 990/$ 45– USD
PAGES: 529, EDITION: Ist 2012
ISBN: 978-969-9305-04-7

رسائل ابن العربي (جلد - اول)

اس مجموعے میں شیخ اکبر کے پانچ رسائل کو جمع کیا گیا ہے۔ اور یہ پانچوں رسائل پہلی مرتبہ تحقیق شدہ عربی متن، اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیے گئے ہیں، جو کہ ایک اعزاز ہے۔ ان رسائل میں کتاب الحجب اہمیت کا حامل ہے جس میں شیخ نے مختلف اقسام کے حجابات کا ذکر کیا ہے۔ دیگر رسائل میں کتاب الباء، کتاب الازل، نقش الفصوص اور مختصر الدرۃ الفاخرہ شامل ہیں

PRICE: Rs 1155/$ 45– USD
PAGES: 512, EDITION: 1st, 2014
ISBN: 978-969-9305-05-4

كشف المعنیٰ عن سر أسماء الله الحسنیٰ (اسمائے الٰہیہ کے اسرار و معانی)

اسمائے الٰہیہ کے حقائق پر مبنی اپنی طرز کی ایک منفرد کتاب جس میں شیخ اکبر نے 99 اسمائے الٰہیہ سے تعلق، تحقق اور تخلق کی حقیقت بیان کی ہے۔ جو حضرات اسمائے الٰہیہ کے اصل معانی تک رسائی چاہتے ہوں اُن کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے۔ تحقیق شدہ عربی متن اور ترجمے کے ساتھ ساتھ اسمائے الٰہیہ کی مطالب کی شرح بھی ساتھ دی گئی ہے۔

PRICE: Rs 999/$ 45– USD
PAGES: 432, EDITION: Ist, 2014
ISBN: 978-969-9305-07-8

ابن العربی فاؤنڈیشن کی تمام کتابیں بذریعہ ڈاک حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 03345463996، 03345463991

طبع شدہ کتب ابن العربی فاونڈیشن

التدبيرات الإلهية في إصلاح المملكة الإنسانية (اصلاح انسان کی خدائی تدبیریں)

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں روح نفس اور خواہش کی حقیقت بیان کی ہے اور ان تمام جنگوں کا ذکر کیا ہے جو اس شہر جسم کی تدبیر میں روح اور خواہش کے درمیان جاری ہیں۔ کتاب مقدمہ تمہید اور بائیس ابواب پر محیط ہے۔ کتاب تحقیق شدہ عربی متن، اردو ترجمے اور منتخب مقامات کی شرح کے ساتھ شائع کی گئی ہے۔

PRICE: Rs 999/$ 45-- USD
PAGES: 472, EDITION: 2ND, 2014
ISBN: 978-969-9305-06-1

مشكاة الأنوار فيما روي عن الله من الأخبار

101-احادیث قدسی (اردو ترجمہ) اعلیٰ ایڈیشن

شیخ اکبر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے سن 599ھ میں شہر مکہ میں احادیث قدسی کا یہ بیش قیمت مجموعہ مرتب کیا۔ ابن العربی فاونڈیشن کی طرف سے کتاب مکمل اعراب شدہ عربی متن اور سہل اردو ترجمے اور منتخب احادیث کی شرح پر مشتمل ہے۔

PRICE: Rs 525/$ 25-- USD
PAGES: 264, EDITION: 2ND, 2011
ISBN: 978-969-9305-03-0

كتاب الإسفار عن نتائج الأسفار (روحانی اسفار اور ان کے ثمرات)

اس کتاب میں آپ نے روحانی اسفار کی مختلف اقسام مثالوں سے بیان کی ہیں اور قرآن کریم میں بیان کردہ مختلف انبیائے کرام کے اسفار کا اپنے نفس میں جائزہ لیا ہے۔ ہم نے کتاب کو تحقیق شدہ عربی متن اور اردو ترجمے کے ساتھ شائع کیا ہے۔

PRICE: Rs 600/$ 25-- USD
PAGES: 256, EDITION: 1ST, 2012
ISBN: 978-969-9305-02-3

ابن العربی فاونڈیشن کی تمام کتابیں بذریعہ ڈاک حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: 03345463991، 03345463996

Marfat.com

ابن العربی فاونڈیشن

ابن العربی فاونڈیشن کی تمام کتب مندرجہ ذیل بک سٹورز پر دستیاب ہیں:

۱- عباسی کتب خانہ، جونا مارکیٹ کراچی۔

۲- اسلامک بک کارپوریشن، راولپنڈی۔

۳- شبیر برادرز، اردو بازار لاہور۔

۴- کرمانوالا بک شاپ، دربار مارکیٹ لاہور۔

۵- دار العلم، دربار مارکیٹ لاہور۔

۶- مکتبہ نوریہ رضویہ، دربار مارکیٹ لاہور۔

۷- تصوف فاونڈیشن، دربار مارکیٹ لاہور۔

ہول سیل ڈسٹری بیوٹر

احمد بک کارپوریشن کمیٹی چوک راولپنڈی۔

051-5558320, 5551167

Muḥyiddīn Ibn al-'Arabī's

Kashf al-Mana'
'an Sirr Asma allah al Husna
كشف المعنى عن سر أسماء الله الحسنى

ARABIC TEXT BY
ABRAR AHMED SHAHI
SULTAN ABD AL-AZIZ AL-MANSUB

URDU TRANSLATION BY
ABRAR AHMED SHAHI

ابن العربی فاونڈیشن
www.ibnularabifoundation.com

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿بیشک اللہ کے خوبصورت نام ہیں سو اِن ناموں سے اُسے پکارو﴾ (الاعراف: ۱۸۰) یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ان اسما کو ہمارے لیے اپنی کتاب یا اپنے رسول ﷺ کی زبانی متعین کر دیا ہے۔ یہ ننانوے نام ہیں جیسا کہ اس بارے میں ایک صحیح خبر ہے۔

حق تعالیٰ کے اسما دو طرح کے ہیں: ایک وہ جو اُس نے ہمیں سکھائے، اور دوسرے وہ جو اس نے اپنے غیب کے علم میں چھپائے، جنہیں اُس کی مخلوق میں کوئی نہیں جانتا، ایک صحیح حدیث کا یہی بیان ہے۔

وہ اسما جو اُس نے ہمیں سکھائے، وہ بھی دو طرح کے ہیں: ایک وہ اسما جو خاص پہچان کے لیے ہیں جیسے کہ "اسم اللہ"۔ اور دوسرے وہ اسما جو اضافی صفات کو بیان کرتے ہیں، یہ بھی دو طرح کے ہیں: ایک وہ اسما جو صفاتِ تنزیہ پر دلالت کرتے ہیں، اور دوسرے وہ اسما جو صفاتِ افعال پر دلالت کرتے ہیں۔

بندے کا اسمائے حق تعالیٰ سے تعلق، تحقق اور تخلق کا رشتہ ہے۔ تعلق اس حیثیت سے تیرا اِن اسما کا مطلق محتاج ہونا ہے جس (حیثیت) سے یہ ذات پر دلالت کرتے ہیں۔ تحقق حق تعالیٰ کے لحاظ سے اور خود تیرے لحاظ سے اِن کے حقیقی معانی کا جاننا ہے۔ جبکہ تخلق یہ ہے کہ تو ان سے ویسے قائم ہو جو تیرے لائق ہے، جیسا کہ یہ (اسما) اُس پاک ذات سے ویسے منسوب کیے جاتے ہیں جیسا اُس کے شایان شان ہے۔

9 789699 305078 >

Marfat.com